اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
لیٹی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ رسول
تاریخِ کربلا
تصنیفِ لطیف
حضرت مولانا قاری محمد امین القادری رضوی مدظلہ العالی
مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
لپٹی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشہ رسول

تاریخِ کربلا

تصنیفِ لطیف

حضرت مولانا قاری محمد امین القادری رضوی مدظلہ العالی

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

نام کتاب ——— تاریخ کربلا
موضوع ——— شہادت امام عالی مقام
مصنف ——— قاری محمد امین القادری الرضوی (مالی گاؤں)
باراول انڈین ایڈیشن ——— یکم محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۴ جولائی 1991ء
باردوم پاکستانی ایڈیشن ——— یکم محرم الحرام ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۴ھ
سائز ——— ۱۶x۲۳/۳۶
حروف بینی ——— محمد عالم مختار حق
کمپوزنگ ——— عزیز کمپوزنگ سنٹر لاہور
ناشر ——— مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
طابع ——— لاہور
قیمت ——— 225 روپے
Ph. 042 - 7213560

فہرست مضامین

حاشیہ نشینان یزید کی نقاب کشائی

تعزیرات قلم۔ علامہ ارشد القادری صاحب مدیر اعلیٰ جام نور جمشید پور

کچھ عرصہ سے پاک و ہند میں ایسی تحریریں کتابی اور رسائل کی شکل میں پھیلائی جارہی ہیں۔ جن میں اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین' خاندان نبوت اور مدحت سرایان اہل بیت کے خلاف بے سروپا مواد جمع کرکے تاریخی تحقیق وتنقید کا منہ چڑانے کا کام لیا جارہا ہے۔ نظریاتی فتنوں کی ایک شکل تو صدیوں سے کام کررہی تھی جس میں اہل بیت مصطفیٰ سے تمام افراد کو علیحدہ کرکے صرف پانچ نفوس قدسیہ کو مستحق عقیدت سمجھا جانے لگا۔ خاندان نبوت کے اکثر افراد کو مستثنیٰ قرار دے کر صرف چند حضرات کو ہی اس حلقہ میں رکھا گیا۔ پھر جب تک اہل بیت اور خاندان نبوت سے علیحدہ کردہ بزرگان ملت کو سب وشتم کا نشانہ بنالیا جاتا تھا' مدحت سرائی اہل بیت کے فریضہ سے سبکدوش تصور نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس دینی فتنے نے پوری اسلامی تاریخ پر اپنے منحوس اثرات مرتب کیے اور صحابہ کرام' امہات المومنین اور دیگر بزرگان دین پر بے پناہ الزامات گھڑے اور ہوس خبث باطنی کی تسکین کی گئی۔ ایسے لٹریچر نے نیک لوگوں پر زبان درازی کی روایت قائم کی اور اسلامی دنیا میں گستاخانہ انداز تحریر کے دروازے کھول دیے۔ اب اس رجحان کو جب خارجی عناصر نے اپنی قلموں کی نوک پر رکھا تو وہ نوک سنان بن کر اہل ایمان کے جذبات کو مجروح کرتی گئیں۔ غالی شیعوں نے اپنی جارحانہ تحریروں سے ملت کے ان نیک دل قارئین کے جذبات کو پامال کرنے میں کبھی ندامت محسوس نہ کی تھی جنہیں صحابہ رسول سے محبت وعقیدت تھی اب ان کی رسوائے عالم عادت کو خارجی اہل قلم نے اپنالیا ہے اور وہ پاک و ہند اہل بیت' سادات کرام اور خصوصیت سے امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کی ذات کو نشانہ ستم بنا کر کتابیں لکھتے چلے جارہے ہیں۔ وہ اپنے قارئین میں ایک غلط تاثر دے

رہے ہیں کہ خاندان نبوت میں سے سید، بنو ہاشم اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو اسلامی تاریخ میں کوئی ممتاز مقام حاصل نہیں۔ انکے ہاں اسلام کی تاریخ میں فاتحین شمشیر زن اور بادشاہوں کو تو ایک درجہ حاصل ہے مگر جس نے میدان کربلا میں حق و باطل کے معرکہ کو زندہ جاوید بنا دیا تھا، جس کی شمشیر پر دنیا کے تیغ زن فخر کرتے ہیں اور جس نے دنیا بھر کے بادشاہوں کی اصول حکمرانی سکھائے تھے کو اتنا بھی حق نہیں دیا جاسکتا کہ اس کے کردار کو احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اس سلسلہ میں محمود عباسی کی رسوائے عالم کتاب خلافت معاویہ و یزید، تحقیق سید و سادات، تحقیق مزید، پھر مولانا سلیمان کی سادات بنو امیہ اور ابو یزید محمد دین بٹ کی رشید ابن رشید اور اس جیسی چھوٹی موٹی کتابوں نے ان پاکیزہ ہستیوں کے تقدس کو سخت مجروح کیا۔ اب چند سال پہلے ہندوستان کے ایک اور خارجی مولوی ظہور احمد اورنگ آبادی (مہاراشٹر) کی ایک ایسی ہی کتاب ''آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں'' دلخراشیوں کا سارا سامان لے کر سامنے آئی ہے۔ علماء اہل سنت نے ان ناپاک تحریروں کا بروقت اور سخت نوٹس لیا۔ اور ان قلم کاروں کی ناپاک کوششوں کی ہمیشہ مذمت کی۔ ہندوستان کے علماء اہل سنت میں سے علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف خون کے آنسو) نے اپنے ماہنامہ پاسبان کا 1960ء میں خصوصی نمبر ترتیب دیا اور خارجیوں کے ناپاک عزائم کو بے نقاب کرنے میں ایک کامیاب کوشش کی۔ دسمبر 1968ء جام نور، جمشید پور بہار نے ان نقاب پوش مورخین کو اپنے قلم کی انی سے بے نقاب کر دیا۔ اور پھر اس ذہن کے محرکات اور اسباب کو سامنے لا رکھا جو ان کے پیچھے کام کر رہا تھا۔ ان سارے ذرائع کی نشان ہی کر دی جو اپنے نظریات کے سایوں میں ایسی ناپاک تحریروں کو نشونما دیتے رہے تھے۔

دراصل اس فکری رجحان کے پیچھے عقیدہ اور نظریہ کی پوری قوت کارفرما ہے جس کے اسباب و علل پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔

''خلافت معاویہ و یزید'' سے متعلق دیوبند کا جماعتی آرگن روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی کے ایڈیٹر کا شذرہ غالباً آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

''ابھی حال میں پاکستان سے ''معاویہ و یزید'' پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مورخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی'' (۱۲ اکتوبر 1959ء)

غور فرمایئے کیا اب بھی دیوبندی جماعت کا مسلک وعقیدہ معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے؟ اور کیا اس خوش فہمی کے لئے کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ ''خلافت معاویہ و یزید'' کی تائید و جماعت میں وہ پیش پیش نہیں ہیں؟

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

صوبہ بہار میں دیوبندی جماعت کی امارت شرعیہ پھلواری شریف کا آرگن پندرہ روزہ ''نقیب'' ''خلافت معاویہ و یزید'' کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''علمائے دیوبند کی بدولت احادیث کی اشاعت نے بھی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا۔ جناب محمود عباسی کی یہ کیاب ''خلافت معاویہ و یزید'' اسی احقاق حق کی آخری کوشش ہے'' (۱۹ اکتوبر 1959ء)

شاباش! جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ آپ ہی کہیے اب اس میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اس طرح کے احقاق حق کی آخری کوشش نہ سہی اولین کوشش تو علمائے دیوبند کی طرف ضرور ہی منسوب ہے۔ انہوں نے بنیاد رکھی' عباسی نے ایوان کھڑا کیا۔ اول با آخر نسبتے دارد۔ چند سطروں کے بعد پھر ''نقیب'' لکھتا ہے۔

''بیشک ہم امام حسین کی فضیلت کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمان تھے' تابعی تھے اور بعض دلائل کی بناء پر صحابی تھے اور جس بات کو حق سمجھا گو اس میں اجتہاد کی غلطی ہوئی اس بات کے لئے مردانہ وار جان دے دی'' (۱۹ اکتوبر ۹۵)

اس سے بڑھ کر فضیلت کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ مسلمان تھے۔ باقی رہا ان کا صحابی ہونا تو یہ متفقہ طور پر ثابت نہیں ہے۔ واللہ! حد ہو گئی کور چشمی اور عناد کی!

امام حسین عالی مقام کے متعلق جس طبقہ کے خیالات اس قدر جارحانہ ہیں کیا اب بھی ان کا مسلک وعقیدہ معلوم کرنے کے لئے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے

اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہوگئی ہوگی۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

بہت کم لوگوں کا ذہن اس طرف گیا ہوگا کہ ''خلاف معاویہ و یزید'' جیسی دل آزار کتاب کی طباعت و اشاعت میں در پردہ کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ حیرت زدہ ہوکر سنیے کہ وہ دیوبندی جماعت کے ایک مایہ ناز اہل قلم اور معتمد عالم ہیں۔ دوسروں کی روایت نہیں خود عباسی نے اپنے دیباچہ میں ان لوگوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ ملاحظہ ہو عباسی لکھتا ہے

''محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد دریا بادی مدیر صدق جدید نے اپنے مکتوب مرقومہ 10 فروری 1958ء موسومہ مدیر رسالہ ''تذکرہ'' میں فرمایا تھا کہ آپکے ''الحسین'' پر تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع' نافع' بصیرت افروز ہے اسے کتابی شکل میں لائیے''۔ (دیباچہ خلافت معاویہ و یزید ص ۱۳)

''صدق جدید'' کے ایڈیٹر عبدالماجد دریا بادی ہمارے لئے کچھ اجنبی نہیں ہیں یہ شیخ دیوبند مولوی حسین احمد آنجہانی کے جانے پہچانے مرید اور رئیس الطائفہ مولوی اشرف علی تھانوی کے مجاز و معتمد خلیفہ ہیں۔ یہی حضرت ہیں جنہوں نے تھانوی صاحب کی منقبت میں ''حکیم الامت'' نام کی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ تھانوی صاحب کی تربیت و صحبت میں اپنے مزاج کی تبدیلی کا حال ایک جگہ وہ خود اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔

''ایک زمانہ تھا کہ بزرگوں کے کرامات اور کمالات اور ان کے مناقب کے کلام سے بڑی دلچسپی تھی اور توحیدی مضامین خشک و بے مزہ معلوم ہوتے تھے ایک عرصہ سے صورت حال بالکل برعکس ہے اب توحید ہی کے مضامین سننے اور پڑھنے کو دل چاہتا ہے اور بڑے بڑے بزرگ کے لئے ان کی بشریت کا تصور اتنا غالب آجاتا ہے کہ ان کے کرامات و مناقب میں اب زیادہ جی نہیں لگتا۔ حد یہ ہے کہ نعتیہ کلام میں بھی اب اگلی سی دل بستگی باقی نہیں''۔ (حکیم الامت ص ۵۸۳)

تھانوی صاحب کی صحبت میں محبوبان الٰہی و مقربان حق سے بے تعلقی و بیگانگی کا یہ جذبہ بیزاری و تنقیص کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ اسی عبدالماجد دریا بادی کا گستاخ قلم ایک جگہ صحابہ کرام پر یوں طعن کرتا ہے' پڑھیئے اور سینہ پیٹیے کہ آپ کے ملک میں کیسے کیسے جراح پیدا ہو رہے ہیں۔

"جب حضرات صحابہ تک نہ عملی معصیتوں سے محفوظ رہے نہ اجتہادی لغزشوں سے تو دوسرے حضرات کا مرتبہ تو ان سے فروتر ہے"۔ (حکیم الامت ص ۲۰۶)

سن لیا آپ نے یہ ہیں دیوبندی تربیت گاہ کے سند یافتہ عارف! جن کی نگاہ میں معاذ اللہ صحابہ تک گنہگار ہیں وہ آج اگر امام حسین و اہل بیت رضی اللہ عنہم کی مذمت و تنقیص پر دشمن کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں تو اس میں تعجب و شکوہ ہی کیا ہے جبکہ صحابہ کرام کی حرمت خود ان کے ہاتھ سے گھائل ہے اور یہ سارا زہر تو اسی میکدہ کا ہے جس کے کلید بردار جناب تھانوی صاحب ہیں۔ دیوبندی تربیت گاہوں میں جب اس طرح کا زہر کشید کیا جاتا ہے تو آپ ہی غور فرمایئے کہ اس جماعت کے معتمد عبدالماجد دریا بادی کی تحریک پر جو کتاب طبع ہو کر شائع ہوئی' کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لئے کسی رائے کا مزید انتظار باقی ہے؟ اور کیا اس خوش فہمی کے لئے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" کی تائید میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہوگئی ہوگی۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

یہ معلوم کر کے آپ حیرت میں ڈوب جائیں گے کہ قاتل حسین یزید کی عظمت و فضیلت اور صداقت و بے گناہی ثابت کرنے کیلئے عباسی نے اپنی کتاب و حامیان یزید کی جو شہادتیں پیش کی ہیں ان میں یورپ کے ناخدا ترس ملحدین اور اسلام دشمن مورخین کے علاوہ دیوبندی جماعت کے شیخ المشائخ مولوی حسین احمد آنجہانی کا نام بھی ہے گویا دشمن کے ہاتھ میں جو تلوار چمک رہی ہے وہ آپ ہی کی عطا کردہ ہے

قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

عباسی کا پیش کردہ حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔

''حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات، مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں''

(مکتوبات جلد ا صفحہ ۲۴۲، ۲۵۲، خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۳۰)

ملاحظہ فرمایئے یہ ہیں یزید کی طرف سے صفائی کے گواہ شیخ دیوبند! ذرا جملے پھر غور سے پڑھیے گا۔

''خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات، مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں''

یزید کے متعلق تو تاریخی روایات میں شہادت امام حسین بھی ہے اور معرکہ کربلا کے دردناک مظالم بھی! مخدرات اہل بیت کی اسیری و بے پردگی بھی ہے اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی و اہل مدینہ کا قتل عام بھی! قصہ مے نوشی و سرور و نغمہ، ترک فرائض اور اشاعت منکرات! سبھی کچھ تاریخی روایات میں ہیں لیکن مصلحت بالائے طاق رکھ کر اگر اس کی بھی نشان دہی کی گئی ہوتی کہ ان تاریخی روایات میں مبالغہ اور تخالف کہاں کہاں ہے تو آج عباسی تشریح کی زحمت سے بچ جاتے۔ اس سے زیادہ اور اس کم بخت کا قصور ہی کیا ہے کہ اس نے اسی اجمال کی تفصیل اور اسی متن کی شرح کا نام ''خلافت معاویہ و یزید'' رکھ دیا۔

حرم کی خاک پہ لات و منات کیا کم ہیں یہ کیا ضرور کسی برہمن کی بات کریں

یہ کہنا غلط ہوگا کہ اجمال و تفصیل اور متن و شرح دونوں جگہ قلم کے پیچھے ایک ہی ارادہ، ایک ہی مطمح نظر اور ایک محرک کارفرما ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عباسی کا قلم اپنی عاقبت نااندیش گستاخی کا شکار ہو کر برہنہ ہوگیا ہے اور شیخ دیوبند اپنی مصلحت اندیش چالاکی سے بے نقاب نہیں ہو سکے۔ لیکن

نزدیک ہیں وہ دن کہ پس پردہ جلوہ پابندی آداب تماشا نہ رہے گی

ایک نیا انکشاف ملاحظہ فرمایئے اور خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس کی مخفی تدبیر مجرمین کے چہرے سے کتنے حیرت انگیز طریقہ پر نقاب کشائی فرماتی ہے۔ عباسی نے اپنی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور پھر زیر مطالعہ

کتاب ''آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں'' امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی تقصیر و خطا اور یزید کی طہارت و بے گناہی ثابت کرنے کے لئے جو نشانے قائم کئے ہیں وہ دور حاضر کے ملحدین کی زبان میں ان کے ذہن وفکر کی کوئی نئی تخلیق نہیں ہے۔ آج سے بیس سال پہلے اس کی بنیاد دیوبندی جماعت کے مشہور مناظر اور ان کی تبلیغی جماعت کے سربراہ مولوی منظور نعمانی کی ادارت میں ان کے ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو کے صفحات پر پڑچکی ہے۔ حوالہ کے لئے ماہنامہ ''الفرقان'' اگست ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۹، ۴۰ اور ''الفرقان'' ستمبر ۵۴، صفحہ ۴۷ کے مضامین کا خلاصہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

ا۔ اہل بیت کے سلسلہ میں مسلمان افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئے ہیں اور اعتقاد وعمل میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہزاروں بے بنیاد روایات اہل بیت اور واقعہ کربلا کو اہمیت دینے کی غرض سے گھڑ لی گئی ہیں۔

ب۔ امام حسین محض اپنی ذاتی عزت کے سوال پر شہید ہوئے۔

ج۔ امام حسین کا خیال غلط اور باطل تھا۔

د۔ یزید کے خلاف امام حسین کا اقدام بغاوت وخروج تھا۔

ہ۔ صحابہ کرام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔

ٹھیک اسکے ایک سال بعد نومبر 1955ء میں لکھنو کے مشہور ادبی ماہنامہ '' نگار'' میں ''الفرقان'' کے مذکورہ بالا مضمون پر ''واقعہ کربلا'' کے عنوان سے کسی سنی اہل قلم کی ایک تنقید شائع ہوئی تھی اسکی ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیے اور تاثرات کی یکسانیت کا تماشا دیکھیے۔

اب آپ اپنا حافظہ ذرا تازہ کرلیجئے اور عباسی کی ''خلافت معاویہ ویزید'' اور تبلیغی جماعت کے آرگن ''الفرقان'' لکھنو ماہ اگست وستمبر ۱۹۵۵ء کے مضامین و اقتباسات پر ایک منصفانہ نظر ڈال کر فیصلہ کیجئے کہ یزید کی طہارت و بے گناہی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی تقصیر و خطا ثابت کرنے کیلئے عباسی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے کیا یہ وہی خیالات نہیں ہیں جنہیں آج سے پانچ سال پیشتر دیوبندی جماعت کے ایک ذمہ دار حلقہ نے شائع کیا تھا۔ یہاں تک کہ ''الفرقان'' کے یہ مضامین پڑھنے کے بعد ٹھیک

غم وغصہ کے یہی تاثرات اس وقت بھی ذہن میں پیدا ہوئے تھے جو آج ''خلافت معاویہ و یزید'' اس قسم کی کتابوں کے مطالعہ سے عام اذہان میں پیدا ہو رہے ہیں۔

تجربات و تاثرات کی شہادت کے بعد اب اسی حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ دونوں تحریروں میں ایک ہی تخیل' ایک ہی طرز استدلال' ایک ہی انداز بیان' ایک ہی لب و لہجہ اجمال و تفصیل کیساتھ مشترک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ''الفرقان'' کی شقاوت کا احساس اس وقت ایک خاص حلقہ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور آج عباسی اور ظہور احمد اورنگ آبادی کا فسانہ بدبختی نگر نگر میں پھیل گیا ہے۔

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یزید کی حمایت میں دیوبندی جماعت کے تبلیغی آرگن ''الفرقان'' کی گرم جوش سبقت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جارحانہ شہادت کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت کا مسلک وعقیدہ معلوم کرنے کے لئے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لئے اب کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ ''خلافت معاویہ و یزید'' کے بعد ''آؤ محرم کی حقیقت کو تلاش کریں'' ان کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

معاذ اللہ! یزید کی حمایت میں ذرا اس تحریف و افتراء پردازی کی ناپاک جسارت ملاحظہ فرمایئے۔ اس مفتری و کذاب کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت کر کے اپنے نانا جان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا۔ ذرا غور فرمایئے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قلب نازک پر اس سے بھی زیادہ دردناک اذیت کی کوئی چوٹ لگائی جاسکتی ہے؟ نعوذ باللہ من شرور انفسھم.

آگے چل کر مضمون نگار نے چند وہ حدیثیں نقل کی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ جب بندوں میں اللہ کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بادشاہوں کو قہر وغضب اور سخت گیری کیساتھ ان کی طرف پھیر دیتا ہے اور وہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔

شہید کربلا شہزادہ گلگوں قبا سیدنا امام حسین کے متعلق دیوبندی جماعت کے یہ

جارحانہ خیالات کچھ نئے نہیں ہیں ان کے مذہبی اکابر و اصاغر نے اپنی تصنیفات میں نہایت شدومد کے ساتھ اپنے متبعین کو امام عالی مقام کی بارگاہ اطہر میں خراج ثواب و نذر عقیدت تک پیش کرنے سے منع کیا ہے۔

جذبہ شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ عشرہ محرم میں امام عالی مقام کی صحیح سرگزشت تسلیم و رضا اور تذکرہ واقعات کربلا کا زبان پر لانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔

خالی الذہن ہو کر غور کرنے کے بعد اسکی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ یا تو یہ لوگ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی عظیم المرتبت شہادت کو شہادت ہی نہیں سمجھتے بلکہ خروج و بغاوت کی شرعی تعزیر گردانتے ہیں یا پھر یزید کے جذبہ حمایت میں یہ اتنا بھی برداشت نہیں کرسکتے کہ امام واجب الاحترام کی دردناک مظلومی اور رقت انگیز واقعہ شہادت کا اظہار کرکے یزید کے مظالم و شقاوت کی داستان منظر عام پر لائی جائے۔

بہرحال جو وجہ بھی ہو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ان لوگوں نے اپنے اس جذبہ کی شدت میں اتنا غلو کرلیا ہے کہ اب یہ ان کا مذہبی عقیدہ بن چکا ہے جس پر یہ مسلح ہو کر خانہ جنگی تو کرسکتے ہیں لیکن رجوع نہیں کرسکتے۔

غور فرمائیے حضرت امام حسین و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق ان کا یہ جارحانہ عقیدہ جسے سلف سے لے کر خلف تک سب نے اپنا مذہبی شعار بنالیا ہے۔

واضح طور پر معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا اس بات میں ان کا اعتقادی موقف معلوم کرنے کیلئے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور پھر کیا اس خوش فہمی کیلئے اب بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ ”خلافت معاویہ و یزید“ اور ”آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں“ ان کے جماعتی عقیدہ کی ترجمان نہیں ہے؟

اس حقیقت سے غالباً آپ بھی اختلاف نہیں کریں گے کہ حالات کے دباؤ سے رائے عامہ کی تائید کو مسلک و عقیدہ نہیں کہا جاسکتا البتہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اسے عاقبت نااندیش اقدام کہنا صورت حال کی صحیح تعبیر ہوسکتی ہے۔

مثال کے طور پر حکومت دہلی اور ریاست بنگال کے جن غیر مسلم سربراہوں نے کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کو ضبط کرکے نفرت اور مذمت کا اظہار کیا ہے ان کے

متعلق یہ کہنا فاش غلطی ہے کہ یہی ان کا عقیدہ و مسلک بھی ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ صحیح بات جو کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب کو ضبط کر کے رائے عامہ کے جذبات کا احترام کیا ہے۔

ٹھیک یہی صورت حال قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ہے، جب دیوبند کے کتب فروشوں نے جو عقیدتاً بھی دیوبندی ہیں کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بنکر مارکیٹ تک اسے پہنچایا تو اس وقت یہ خاموش تھے، جب دیوبند کے ماہناموں ''تجلی'' اور ''اسلامی دنیا'' نے اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب دیوبندی جماعت کے آرگن ''الجمعیۃ'' دہلی نے کتاب کی حمایت میں اپنا گمراہ کن تبصرہ شائع کیا تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔

غرض دارالعلوم دیوبند کے پس دیوار سے لیکر لکھنو اور اورنگ آباد تک شہید کربلا کیخلاف جارحانہ نعرے بلند ہوتے رہے اور انکے قلم کو جنبش تک نہ ہوئی اور نہ ہی انکے عقیدے کو ٹھیس لگی بلکہ پورے سکون قلب کیساتھ یہ آل رسول کی بے حرمتی کا تماشا دیکھتے رہے۔

ایسی کتابوں کی اشاعت میں دیوبند کے کتب فروشوں، دیوبند کے ماہناموں، تبلیغی جماعت کے آرگن ''الفرقان'' اور ''الجمعیۃ'' کی سرگرمیوں کے نتیجے میں جب رائے عامہ دیوبندی مکتبہ خیال کے حق میں مشتعل ہونے لگی تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو اپنے ادارے کا مفاد خطرے میں نظر آیا اور فوراً انہوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کی صفائی میں ایک قرار دار منظور کر کے ملک میں شائع کر دیا قرارداد کی عبارت پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس کے پس منظر میں حمایت حق کی بجائے اپنی صفائی کا جذبہ واضح طور پر کارفرما ہے۔

قرار داد کا یہ حصہ غور سے پڑھیے جو ۴ نومبر ۵۹ء کو دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسہ میں منظور کی گئی۔

''دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہیں وہ ان مفتریوں کے خلاف بھی نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے جنہوں

نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کی تصنیف و اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ دکھلا کر اور اسے علماء دیوبند کی تصنیف باور کرانے کی سعی کر کے انتہائی دیدہ دلیری سے ''دروغ گویم بر روئے تو'' کا ثبوت دیا ہے اور اس حیلہ سے علماء دیوبند کی پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک سعی کی ہے''۔ (پیام مشرق ۲۱ نومبر ۵۹ء دہلی)

اگر واقعی کتاب کی طباعت و اشاعت میں علماء دیوبند کا ہاتھ نہیں ہے اور فی الحقیقت وہ اسے اپنے مسلک وعقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں تو حق کی حمیت کے نام پر ہم قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ''وہ اسباب جرم کی فراہمی اور اسکی تائید بھی جرم ہے'' کے اصول پر لگے ہاتھوں تھانوی کے خلیفہ مولوی عبدالماجد دریا بادی مکتوبات مولوی حسین احمد صدر دیوبند النجم لکھنو۔ نقیب پھلواری شریف پٹنہ، الفرقان لکھنو، الجمعیۃ دہلی، فتاویٰ رشیدیہ، ماہنامہ تجلی اور ''آؤ محرم کی حقیقت کو تلاش کریں'' اور اسلامی دنیا دیوبند کے خلاف بھی اسی طرح اپنی نفرت و بیزاری اور غم وغصہ کی ایک قرارداد منظور کر کے ملک میں شائع کرادیں کیونکہ ان میں سے بعض نے کتاب کی ترتیب وتدوین، مواد کی فراہمی، طباعت، اشاعت، تائید میں بعنوان مختلف حصہ لیا ہے اور بعضوں نے اس طرح کے جارحانہ خیالات اپنی تحریروں میں پیش کئے ہیں جیسا کہ ان کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں سپرد قلم کر چکا ہوں۔

اگر مہتمم صاحب ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکیں گے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ زیادہ دنوں تک وہ عوام کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ ایسی کتابوں سے بیزاری کے نتیجہ میں یہ لازمی مطالبہ پورا نہ ہوا تو پاک و ہند کے عوام یہ فیصلہ کرنے میں قطعاً حق بجانب ہوں گے کہ قرارداد کا مقصد حمایت حق میں نہیں ہے بلکہ دارالعلوم دیوبند کے مالی مفاد کی خاطر عوام کی تو جہات کو ٹوٹنے سے بچانا ہے جیسا کہ پڑوس میں رہنے والے ایک واقف کار دیوبندی فاضل نے خود اس کی شہادت دی ہے والفضل ماشھدت بہ الاعداء۔

یہی نہیں دارالعلوم دیوبند کے مزاج شناس حلقوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ آج رائے عامہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ہے، اسلئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ

یزید کے حامیوں کی مذمت میں قرارداد شائع کی جائے۔ کل اگر خدانخواستہ رائے عامہ یزید کی حمایت میں پلٹ جائے تو دارالعلوم کے ارباب حل و عقد کیلئے قطعاً کوئی امر مانع نہ ہوگا کہ وہ اسی لب و لہجہ کے ساتھ حامیان حسین کی مذمت میں قرارداد منظور کرلیں۔ حوالہ کیلئے ذیل کا اقتباس پڑھیے۔

''وہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نہایت ضابطہ و متحمل ہیں انہیں جذبات پر حیرت انگیز حد تک قابو ہے۔ وہ جب چاہیں، جس موضوع پر چاہیں ایک ہی لب و لہجہ میں بات کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ کل اگر مصالح کا تقاضا یہ ہو کہ اس قرارداد کے بالکل برعکس تجویز پاس کی جائے تو انکا قابو یافتہ قلم اسے بھی نہایت اطمینان سے اسی خوشگوار لب و لہجہ میں ثبت قرطاس کردے گا''۔ (ماہنامہ تجلی، دسمبر ۵۹ء ص ۹ دیوبند)

شاباش! اسلام میں جس خصلت کو منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اسے دیوبندی فاضل اپنے مہتمم صاحب کے محاسن میں شمار کر رہے ہیں۔ ع

خیال کن زگلستان من بہار مرا

رسول اور آل رسول کی حرمت والے مرمٹنے والے اگر شخصیت سے مرعوب نہیں ہیں تو انکا گریبان کیوں نہیں تھامتے۔ ایک طرف یزید کے حامیوں سے انکے ساز باز ہیں۔ دوسری طرف امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیاز مندوں میں بیٹھ کر یہ آنسو بہاتے ہیں۔ ایک طرف یہ صحابہ و اہل بیت کے مزارات مسمار کر دینے پر صحرائے نجد کے درندوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف درگاہوں کی مجاوری کیلئے ہر جگہ سازشوں کا جال بچھاتے پھرتے ہیں۔ آخر مکر و فریب کی یہ تجارت کب تک نفع بخش رہے گی اور پس پردہ منافقت کا یہ کھیل کب تک کھیلا جاتا رہے گا۔

برصغیر ہند کی ساڑھے تیس کروڑ مسلم آبادی میں ہے کوئی بے لاگ صاحب نظر جوان کے نفاق کا دامن چاک کر کے انہیں بے پردہ کرے؟

شدت غم سے چھلک آئے ہیں آنسو ورنہ
مدعا میرا نہیں آپ سے شکوہ کرنا

سبب تالیف

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبین وعلیٰ الہٖ الطیبین الطاھرین واصحٰبہ المکرمین والمعظمین وخلفاء الرٰشدین وعلینا معھم اجمعین الیٰ یوم الدین - امابعد!

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

برادرانِ اسلام! خداوند قدوس کالاکھ لاکھ شکر اور کروڑہا احسان ہے جس نے اپنے محبوب پاک تاجدار انبیاء حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس حقیر فقیر سراپا تقصیر کی مدت مدید سے دل میں مچلنے والی آرزوؤں کو پورا ہونے کا بیش بہا موقع نصیب فرمایا اور آج میں اپنا یہ عقیدت و محبت سے بھرا ہوا نذرانہ بشکل کتاب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لاڈلے نواسے و فرزند حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ عالیہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

واقعات کربلا کو صدیاں گزر گئیں اور اس طویل عرصے میں امت مسلمہ کے عظیم ترین محققین، مفکرین، فقہاء و محدثین، صوفیائے کرام اور علمائے کرام کی مقدس

...تیں آئیں جنہوں نے واقعات کربلا پر بے شمار کتابیں لکھیں اور واقعات کربلا از اول تا آخر کو نہایت مستند و معتبر حوالہ جات کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل فرمائی۔ ان میں سے کسی نے بھی واقعات کربلا کی اصل صورت کو مسخ کرنے یا اس کے خلاف قلم اٹھانے کی کوشش اور جسارت نہ کی۔ لیکن انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ادھر چند سالوں میں ہندوپاک میں ایسے ناپاک، نانجار خارجی یزیدی پیدا ہو گئے ہیں جو واقعات کربلا کو ایک فرضی داستان ثابت کرنے اور شہزادہ رسول جگر گوشہ بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں نازیبا کلمات اور آپ کی ذات بابرکات پر رکیک حملے کرنے کا بیڑا اٹھالیا ہے۔ اور یہ خارجی یزیدی حضرت امام حسین کو باغی اور نافرمان لکھتے ہیں اور یزید جیسے فاسق و فاجر، شرابی، زانی، دشمن رسول و آل رسول کو امیرالمومنین امام المتقین اور جنتی ماننے کے لیے ایک ناپاک مہم شروع کر رکھی ہے۔

ایسی ہی ایک کوشش آج سے چند سال پیشتر سرزمین پاکستان میں ایک ظالم ابن یزید محمود عباسی نے "خلافت معاویہ و یزید" نامی کتاب لکھ کر محبان اہل بیت کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ جس وقت یہ کتاب منظر عام پر آئی تھی اس وقت علمائے اہل سنت و جماعت نے اس کی سطر سطر کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ اور جن تاریخی کتابوں کے حوالوں سے محمود عباسی نے دشمنی حسین میں شرمناک بددیانتی کی تھی اس کا پردہ فاش کر دیا تھا۔ اب اسی خبیث کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سرزمین اورنگ آباد (مہاراشٹر) انڈیا پر ایک خبیث دشمن رسول و آل رسول خارجی یزیدی ظہور احمد نامی ایک شخص پیدا ہوا ہے جس نے ایک کتاب "آؤ محرم کی تلاش کریں" تحریر کی ہے جو انتہائی مسلم آزار، دلخراش، غیر مستند، کذب و افتراء اور تاریخی بددیانتی اور دشمنی امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھرپور ہے جس میں امام عالی مقام کو باغی اور بادشاہت کے متمنی اور حملہ آور لکھا ہے اور کربلا کے خونی واقعات کی پوری پوری ذمہ داری امام حسین اور آپ کے رفقاء پر ڈالی ہے۔ اور یزید یا اس کے اہلکاروں کو اس سے بری کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ نیز یزید پلید کو جنتی ثابت کرنے کے لیے عبارتی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سب

کچھ ایک سمجھے بوجھے منصوبے کے تحت محض اپنی شہرت کمانے یا سعودی پٹرو ڈالر کی حرص و طمع میں کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان میں ایک بدنام زمانہ خارجی ظہور احمد یزیدی کی کتاب جیسے ہی ہمارے ہاتھوں میں آئی ہم نے فوراً اس پر نوٹس لیا اور اس کے منہ توڑ جواب دیئے، اور اس نے جو تاریخی بددیانتی کی ہے اس کا پردہ فاش کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ الحمدللہ اس میں ہم کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ کتاب کے قارئین کو کرنا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں انتہائی کوشش اور پوری جدوجہد سے ظہور احمد یزیدی اورنگ آبادی کی بددیانتی کا دامن مکمل طور سے چاک کر دیا ہے اور مکمل طور پر نشاندہی کر دی ہے کہ اس ننگ زمانہ نام نہاد مولف نے کس کس عبارت میں کس کس طرح قطع و برید کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ ہم نے یزید پلید کے تمام حمایتیوں کے کھلے فراڈ کو بھی عریاں کر دیا ہے جو انہوں نے دشمنی اہل بیت کے پیش نظر یزید کی حمایت میں کھیلا ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ کے چہرے پر ڈالے جانے والے دھوکے اور فریب کے تمام نقابوں کو نوچ کر رکھ دیا ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ پورے عزم و اہتمام کے ساتھ ارض ہند و پاک سے خارجیت اور یزیدیت کا نام و نشان مٹانے کی جدوجہد میں بھرپور کردار ادا کریں اور ہمارے کاندھے سے کاندھا ملا کر دشمنانِ امام عالی مقام کا مکمل صفایا کر دیں۔

اب موسمِ بہار کو آواز دیجیے
تاراج کر چکی ہے چمن کو خزاں بہت

اب ہم ان تمام محبان کرام سے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے خانوادہ رسول معظم علیہ التحیہ والثنا کی محبت و عقیدت کی شمعیں روشن کر رکھی ہیں ان کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ اہل بیت نبوت سے اپنے جوش عقیدت و محبت کو محض یہاں تک محدود نہ رکھیں کہ جب کسی مردود و ملعون خارجی یزیدیوں کی شیطنت سے بھرپور کتابیں مارکیٹ میں آئیں تو وقتی طور پر صرف صدائے احتجاج بلند کر کے خاموش نہ

بیٹھیں بلکہ اس کا مستقل حل یہ ہے کہ ایسے دریدہ دہن دشمن رسول و آل رسول مصنفین و مولفین کی قلموں پر بریک لگائیں اور ان کی شائع کردہ کتابیں اور ان کی جائیدادیں ضبط کرائیں۔ اگر آپ نے یہ کام منظم پیمانے پر عشق حسین سے سرشار ہو کر کیا تو ان شاء اللہ العزیز اس کے نتائج یقیناً مثبت انداز میں ظاہر ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور کی محبت عین ایمان ہے!

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ
(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ)

محترم قارئین! اس فانی اور زوال پذیر دنیا میں فنا ہونے والی ہماری اس زندگی کی بقاء و تحفظ کے لیے جس طرح پانی اور ہوا وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے اور بغیر اس کے ہماری زندگی باقی بھی نہیں رہ سکتی۔ بالکل اسی طرح ہمارے ایمان کی بقاء و تحفظ کے لیے بھی حضور فخر کائنات تاجدار انبیاء حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و الفت اس سے بھی کئی گنا زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی جان ہے۔ اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا ایمان مضبوط اور قوی تر ہوگا۔

اور جس کا دل محبت رسول سے خالی ہو گا اس کا ایمان اتنا ہی کمزور اور ضعیف تر ہو گا۔ اسی لیے مذہب اسلام نے اس اہم عنوان پر بہت زور دیا ہے کہ مسلمان اپنے آقا و مولیٰ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت میں اتنے سرشار ہو جائیں کہ آپ کی محبت عالم کی تمام محبت پر غالب آ جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ۔ اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین۔ (التوبہ: پ۱۰ع۹)

(اے میرے محبوب) تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے (یعنی عذاب) اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بالکل صاف اور واضح طور سے فرمادیا کہ اے محبوب دنیا والوں کو یہ بات بتلا دو کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہاری عورتیں، تمہارے کنبے، تمہارے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے مکانات یہ تمام چیزیں اگر اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارے اور محبوب ہیں تو اب تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مومن کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ صرف فرض ہے بلکہ تمام قریبی رشتہ داروں اور تمام قیمتی متاع پر سب سے زیادہ محبوب ہونا چاہیے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ

یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں

والناس اجمعین۔ (بخاری شریف ج ا ص ۷ ۰ ا کتاب الایمان) باپ اور اس کی اولاد، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث پاک نے تو بالکل صاف طور پر یہ واضح کر دیا کہ مومن کامل وہی ہے جس کے دل میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عالم کے تمام لوگوں سے زیادہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس کا باپ ہو یا اس کا بیٹا ہو یا اس کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان پر کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ مجھے اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب تر ہیں۔ تو اس پر اللہ کے رسول حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لن یومن احدکم حتی اکون احب الیه من نفسه۔ (کتاب الشفاء ج ۲ ص ۵۷) یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اسے اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس کلمات کا ایسا اثر ہوا کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے۔ یا رسول اللہ اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ کتاب ہدایت دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ اب تو آپ مجھے میری جان، مال، اولاد اور عالم کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔ اسی لیے جناب حفیظ جالندھری نے کیا خوب کہا ہے:

محمد کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی
محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال و جاں و اولاد سے پیارا

بخاری شریف جلد دوم کتاب الانبیاء ص ۳۹۰ میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث پاک مروی ہے کہ کسی شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ متی الساعہ۔ یارسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ غیب داں نبی نے فرمایا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی عمل نہیں سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انت مع من احببت۔ تم ان کے ساتھ ہو جن سے محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا خوش کسی چیز نے نہیں کیا جتنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان نے کیا۔

صاحب تفسیر کبیر حضرت امام رازی علیہ الرحمہ نے اپنی عربی تفسیر کے الجزو الرابع ص ۲۳۱ پر اسی حدیث پاک کو تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ شخص ایک اعرابی تھا اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ متی الساعہ؟ اے اللہ کے رسول قیامت کب آئے گی؟ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما اعددت لها۔ تُو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اس اعرابی نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یارسول اللہ اعددت کثیر صلاۃ ولا صیام الا انی احب اللہ ورسولہ۔ اے اللہ کے رسول میرے پاس اس کے لیے کوئی تیاری نہیں، نہ میرے پاس نمازوں کا ذخیرہ ہے اور نہ ہی روزوں کا۔ مگر ہاں میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں بس یہی ایک ذخیرہ ہے۔ اعرابی کی ان باتوں کو سن کر اللہ کے رسول حضور مالک کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المرء مع من احب۔ تو ان کے ساتھ ہے جن کو تو محبوب رکھتا ہے۔

مدارج النبوت جلد اول ص ۵۲۱ پر سید المحققین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من احبنی کان معی فی الجنہ۔ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوا۔

مذکورہ بالا ایک آیت کریمہ اور دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے محبوب حقیقی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ماں، باپ، اولاد، عزیزو اقارب، دوست واحباب، مال و دولت، مسکن و وطن اور خود اپنی قیمتی جان کی محبت سے زیادہ ضروری ہے اور لازم ہے۔ اگر ماں باپ و اولاد، عزیزو اقارب، دوست واحباب اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت نہ رکھتے ہوں تو ان سے دوستی و محبت رکھنا جائز نہیں۔ قرآن کریم میں اس مضمون کی متعدد آیتیں آئی ہیں لیکن ہم یہاں صرف ایک آیت کریمہ پیش کر رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔ (الحشر: پ۲۸)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ (کنزالایمان ص۷۸۸)

اس آیت کریمہ سے بھی یہ بات بالکل واضح اور صاف ہو جاتی ہے کہ ایک مرد مومن جو اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور جو ان کے دشمن ہیں ان سے دوری اختیار کرتا ہے اگرچہ وہ اس کے باپ یا بیٹے یا کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ غرضیکہ ایمان اور نجات کا دارومدار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر ہے۔ تو جس مومن کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوگی اس کے دل میں ہر اس چیز کی محبت ہوگی جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے ہوگا۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ انسان جس سے محبت رکھتا ہے اس سے محبت اور تعلق رکھنے والی ان تمام چیزوں کو بھی محبوب رکھتا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے آپ کی اولاد، آپ کے اصحاب، آپ کے اہلِ بیت اطہار اور ہر اس چیز کو جس کا روحانی یا جسمانی طور سے آپ کا تعلق ہے دل و جان سے محبوب رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کی محبت عین محبت رسول صلی

اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ اور جو بدبخت شقی القلب ابن یزید ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی بغض و عداوت رکھے یا ان کی توہین و بے ادبی کرے، چاہے وہ زبان سے ہو یا تحریری شکل میں ہو، وہ ایمان سے محروم اور دشمن خدا اور رسول ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے بدبخت اور دشمن خدا اور رسول کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ ان کی مجلسوں میں نہ خود جائیں اور نہ کسی اور کو جانے دیں اور نہ ان کے پاس بیٹھیں۔

مسلمانو! غور کا مقام ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہ اگر کوئی شخص یا جماعت تمہارے باپ کی دشمن ہے تو کیا تم ان کے پاس بیٹھنا، ان سے خوشی سے بات کرنا گوارا کرو گے؟ تو تمہارا جواب نفی ہی میں ہو گا۔ تو پھر تم نے دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمنان اہل بیت و دشمنان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان سے خوشی سے بات کرنا کیسے گوارا کر لیا؟

مسلمانو! خوب یاد رکھو اہل بیت اطہار اور صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت عین محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور ان کی عداوت عین عداوت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں ان مقدس نفوس کی محبت رکھیں اور اپنی زبان اور اپنی تحریروں سے ان نفوس قدسیہ کی شان میں محبت بھرے الفاظ بولیں اور تحریر کریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کرام سے محبت کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

والله لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبهم لله ولقرابتهم منی۔ (ابن ماجہ ج ا ص ۱۷)

خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہو گا جب تک (اہل بیت) سے اللہ کے لیے اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کرے۔

دوسری جگہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

احبوا اهل بیتی لحبی۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۹۸)

یعنی مجھ سے محبت رکھتے ہو تو اس بناء پر میرے اہل بیت سے بھی محبت کرو۔

دیکھئے ایک حدیث پاک میں اہل بیت کی محبت کو کامل ایمان اور دوسری حدیث

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دارومدار اہل بیت کی محبت قرار دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اہل بیت اطہار سے محبت حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا بین ثبوت ہے۔ اور حضور کی محبت تمام مخلوق خدا پر فرض ہے۔ تو اہل بیت اطہار کی محبت بھی ضمناً فرض ہوئی۔ انشاء اللہ اس سلسلے میں آپ آئندہ صفحات میں آیات قرآنی و احادیث کریمہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیں گے۔

اہل بیت اطہار کی محبت سرمایہ ایمان اور رضائے خدا اور رسول ہے اس لیے ہم سب سے پہلے اہل بیت کی شان میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے بھائی حضرت علامہ حسن رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کی ایک منقبت تحریر کر رہے ہیں۔ پھر فضائل اہل بیت قرآن کریم و احادیث مبارکہ کی روشنی میں پیش کریں گے۔ بعدہ صحابہ کرام کے فضائل و مناقب پیش کیے جائیں گے۔

لعنۃ اللہ علیکم دشمنان اہل بیت

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہلِ بیت
کس زباں سے ہو بیان عزو شانِ اہلِ بیت
مدح گوئے مصطفےٰ ہے مدح خوانِ اہلِ بیت
ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیہ ہے تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلِ بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلِ بیت
رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہ حُسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ بیت
پھول زخموں کے کھلائے ہیں ہوائے دوست نے

خون سے سینچا گیا ہے گلستانِ اہلِ بیت
حوریں کرتی ہیں عروسان شہادت کا سنگھار
خوب رو دولہا بنا ہے ہر جوانِ اہلِ بیت
جمعہ کا دن ہے کتابیں زیست کی طے کر کے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگانِ اہلِ بیت
اے شباب فصل گل، یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستان اہلِ بیت
خشک ہو جا خاک ہو کر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو۔۔ سوکھی زبانِ اہلِ بیت
باغ جنت چھوڑ کر آئے ہیں محبوبِ خدا
اے زہے قسمت تمہاری کشتگانِ اہلِ بیت
حوریں بے پردہ نکل آئی ہیں سر کھولے ہوئے
آج کیسا حشر ہے برپا میانِ اہلِ بیت
گھر لٹانا، جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جان عالم ہو فدائے خاندانِ اہلِ بیت
سر شہیدان محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شان اہلِ بیت
زخم کھانے کو، تو آب تیغ پینے کو دیا
خوب دعوت کی بلا کر دشمنان اہلِ بیت
اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنہ اللہ علیکم دشمنان اہلِ بیت
بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے "حسن"
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستان اہلِ بیت

اہلِ بیت نبوت پاک ہیں

اہل بیت نبوت یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں کہ جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سارے نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار تمام انبیاء کرام ورسولان عظام کے اہل بیت کے سردار ہیں۔ ان پاکیزہ نفوس کی شان عالیہ میں اللہ جل شانہ، اپنے مقدس کلام میں فرماتا ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔	اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمائے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔
(الاحزاب: پ۲۲ ع۱)	(کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ اے میرے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت سے ناپاکی دور فرما کر انہیں پاک وصاف فرما رہا ہے۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اہل بیت سے کون کون لوگ مراد ہیں۔ لفظ اہل کے لغوی معنی ہیں والا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اہل علم، اہل دولت، اہل ملک، اہل رائے وغیرہ۔ یعنی علم والا، دولت والا، ملک والا، رائے والا۔ لہٰذا اہل بیت کے معنی ہوئے گھر والے۔ اور اہل بیت نبی کے معنی ہوئے نبی کے گھر والے۔ پھر گھر والا ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نبی کے گھر میں پیدا ہوں اور گھر ہی میں رہتے ہوں جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند طیب، طاہر، قاسم، ابراھیم۔ دوسرے یہ کہ نبی کے گھر میں پیدا ہوں مگر بعد میں دوسرے گھر میں رہیں

جیسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی چاروں صاحبزادیاں حضرت زینب، کلثوم، رقیہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن۔ یہ حضور کے گھر میں پیدا ہوئیں مگر نکاح کے بعد اپنے سسرال میں رہیں۔ ان دونوں کو اہل بیت کہا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ پیدا اور جگہ ہوں مگر بعد میں حضور کے گھر میں رہنے لگے ہوں جیسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات کہ ان کی ولادت اپنے والدین کے گھر ہوئی مگر حضور سے نکاح کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے گھر میں رہنے لگیں۔ انہیں اہل بیت سکونت کہتے ہیں۔ یہ تین قسم کے حضرات اہل بیت رسول ہیں۔ ہمارے اردو محاورے میں بھی بیوی بچوں کو اہل خانہ یا اہل و عیال یا گھر والے کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس تشریح کے مطابق حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تمام اولاد، صاحبزادے، صاحبزادیاں اور تمام ازواج مطہرات حضور کے اہل بیت ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اہل بیت کا عرفی اطلاق حضرت امام حسن و امام حسین و حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی ذاتِ گرامی پر ہوتا ہے۔

آیت تطہیر کا شانِ نزول اور تفصیلی بیان

آیت کریمہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا میں اہلِ بیت سے کون لوگ مراد ہیں اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن اکثر مفسرین کا خیال ہے اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آیت تطہیر علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت آپ کی بیویوں کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واذکرن مایتلی فی بیوتکن۔ یہ قول حضرت سیدنا ابن عباس اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ کیونکہ وہی آپ کے سکونتی مکان میں رہائش پذیر تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول: واذکرن ما یتلی فی بیوتکن کی وجہ سے بھی اس آیت کو آپ کی بیویوں کے متعلق قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کے اہل بیت آپ کے نسب والے بھی ہیں جن پر صدقہ

حرام قرار دیا گیا ہے۔ ایک جماعت نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے اور ابن کثیر نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۲۸۴)

بہر حال جو لوگ اہل بیت سے امہات المومنین مراد لیتے ہیں اور وہ لوگ جو اہل بیت سے حضرات پنجتن پاک مراد لیتے ہیں دونوں جماعتوں کے پاس دلائل موجود ہیں۔ مگر اکثریت دوسرے قول کے حق میں ہے۔ اسی لیے اہل بیت کا لفظ اکثر حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کے لیے شائع و مشہور ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ہم احادیث کریمہ پیش کر کے اپنے قول کے قوی ہونے کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہل بیت میں ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا آیت تطہیر کے متعلق جو روایت بیان کرتی ہیں وہ یہ ہے:

عن عائشه قالت خرج النبی صلی الله علیه وسلم غداۃً وعلیه مرط مرجل من شعرا سود فجاء الحسن بن علی فادخله ثم جاء الحسین فدخل معه ثم جاء ت فاطمه فادخلها ثم جاء علی فادخله ثم قال انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا رواہ مسلم۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صبح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ پر کالے اون کے بالوں کی مخطط چادر تھی پس حضرت حسن بن علی آئے حضور نے انہیں اپنی چادر میں داخل فرمالیا۔ پھر جناب حسین آئے تو وہ بھی ان کے ساتھ چادر میں داخل ہوگئے۔ پھر حضرت فاطمہ آئیں انہیں بھی داخل فرما لیا۔ پھر حضرت علی آئے انہیں بھی داخل فرمالیا۔ پھر فرمایا اے نبی کے گھر والو اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اور تم کو خوب خوب پاک وصاف فرمادے۔

دوسری روایت ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے:

عن عمر بن ابی سلمه ربیب النبی صلی الله علیه وسلم قال لما نزلت هذه الایه علی النبی صلی الله تعالی علیه وسلم انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا فی بیت ام سلمه فدعا فاطمه وحسنا وحسینا فجللهم بکساء وعلی خلف ظهره فجلله بکساء ثم قال هولاء اهل بیتی فاذهب عنهم الرجس ویطهرهم تطهیرا قالت ام سلمه وانا معهم یانبی الله قال انت علی مکانک وانت علی خیر۔

عمر ابن ابی سلمہ جو ربیب ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہوں نے کہا جب یہ آیت کریمہ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کے گھر میں حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین کو اور ان سب پر ایک چادر ڈال دی اور آپ کے پیچھے حضرت علی تھی پھر ان پر بھی چادر ڈال دی۔ پھر عرض کیا آپ نے یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر قسم کی آلودگی دور کر کے خوب پاکیزہ بنا دے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے مکان پر رہو اور خیر پر ہو۔

(ترمذی شریف ج ۲ ص ۴۸۵)

صاحب تفسیر حسینی نے آیت تطہیر کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سر کملی کے اندر کر کے بارگار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کے اہل بیت سے نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا: انک علی خیر۔ یعنی تم خوبی پر ہو۔ اس جہت سے ان ہی پانچ کو آل عبا بولتے ہیں۔ (تفسیر حسینی ج ۲ ص ۲۶۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ تیسری روایت اس طرح مروی ہے کہ:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یمر بباب فاطمه سته اشهر اذا خرج لصلوٰۃ الفجر یقول یا اهل البیت انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۵۳۶)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ مہینے تک یہی عادتِ کریمہ تھی کہ جب صبح آپ کو نماز فجر کے لیے نکلتے تو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر گزرتے تو فرماتے کہ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم کو ہر قسم کی ناپاکی سے دور فرمادے اور تمہیں خوب پاکیزہ فرما دے۔ (تفسیر حسینی ج ۲ ص ۲۶۳)

نوٹ: یہ لفظ اہلِ بیت کی وہ عملی تفسیر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ مہینے تک روزانہ فرمائی ہے۔ یعنی تقریباً ۱۸۰ دن تک حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو اہل بیت فرما کر صحابہ کو دکھا دیا کہ آیت کریمہ میں اہلِ بیت سے مراد یہی لوگ ہیں۔

چوتھی روایت مشہور صحابی رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نزلت هذه الایه فی خمسه فی وفی علی وفاطمه وحسن و حسین انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔

یہ آیت کریمہ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میرے بارے میں، اور علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کے بارے میں۔ (مناقب اہلِ بیت ص ۹۸)

بہرحال یہ بات روز روشن کی طرح بالکل ظاہر ہو گئی کہ آیت تطہیر میں اہل بیت سے مراد حضرت علی و حضرت فاطمہ اور حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات پاک ہے۔ نیز مذکورہ بالا تمام حدیثوں میں آپ نے دیکھا کہ اہل بیت کی نبوی تفسیر کبھی قولاً تو کبھی فعلاً آپ نے اہل بیت کو ظاہر فرما دیا ہے۔ یہ کتنی اہم اور ضروری بات ہے کیا اس کے خلاف کوئی بات

تسلیم کی جا سکتی ہے۔

رجس کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ کی ابتداء انما کے لفظ سے فرمائی ہے جو حصر کے لیے آتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل بیت سے اس ناپاکی کو دُور فرمادے گا جو ایمانیات میں گناہ اور شک کا موجب ہوتی ہے اور انہیں دیگر اخلاق و احوالِ مذمومہ سے پاک کر دے گا۔ اور ختم آیت پر تطہیرا کی تنوین تعظیم تکثیر کے لیے ہے یعنی معمولی طہارت نہیں بلکہ بہت ہی زیادہ عمدہ اور اعلیٰ طہارت ہے۔ اور بعض طرق میں ان کا آگ پر حرام ہونا بھی بیان ہوا ہے۔ یہ اس تطہیر کا فائدہ ہے جس کی غایت انابت الی اللہ کا الہام اور اعمالِ صالحہ پر مداومت اختیار کرنا ہے۔ اور جب ملوکیت کے باعث ان سے ظاہری خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور یہ خاتمہ حضرت امام حسن پر ہوا تو انہیں اس کے عوض خلافت باطنی عطا کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے قطب الاولیاء انہی میں سے ہوئے اور یہ لوگ خود بھی معدن ولایت اور مرجع سلاسل اولیاء امت ہوئے اسی لیے حضرت علامہ حسن رضا خان بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے:

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیان
آیت تطہیر سے ظاہر ہے شان اہلِ بیت

آیت تطہیر میں انما کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یرید اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ (اہلِ بیت) کو ارجاس سے پاک کردے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کا ارادہ فرمالینا ہی کافی نہیں ہے جبکہ کسی بھی کام کے پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ فرما لینا ہی کافی ہے۔ اس پر قرآن کریم گواہ ہے کہ اذا اراد اللہ شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ ادھر یہ یرید اللہ ہے ادھر اراد اللہ ہے۔ کہا اور ہوگیا۔ اور پھر اس بشارت خداوندی کے بعد مستزاد یہ کہ سید الانبیاء حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم امام حسین اور دوسرے حضرات اہل بیت کو کملی میں لے کر بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہیں کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں

ان سے ارجاس و آلودگی کو دور رکھ۔ تو کیا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک دعا شرف قبولیت کو پہنچی کہ نہیں؟ کیا کوئی مسلمان یہ گمان کر سکتا ہے کہ محبوب خدا کی دعا قبول نہیں ہوئی جبکہ آپ سے بڑھ کر دونوں عالم میں کوئی مستجاب الدعوات پیدا ہی نہیں ہوا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ رجس کیا ہے جس نے خانوادہ تقدیس و عظمت کو علیحدہ رکھا گیا۔ تو اس کے متعلق بھی طویل ترین مباحث ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مختصراً یہ ہے کہ:

قال ابن عطیہ الرجس اسم یقع علی الاثم والعذاب وعلی النجاسات۔ وقال امام نووی قیل ھو شک وقیل العذاب وقیل الاثم۔ قال الزھری الرجس اسم کل مستقذر من عمل وغیرہ۔ (اشرف المؤید ص ۱۱، شہید ابن شہید ج ۲ ص ۳۶۹)

ابن عطیہ کہتے ہیں: رجس کا وقوع ہے اوپر گناہوں کے اور عذاب کے اور اوپر نجاستوں کے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ رجس شک کو، عذاب کو اور گناہ کو کہتے ہیں، زہری کہتے ہیں کہ رجس اعمال وغیرہ کے تمام گناہوں کا نام ہے۔ نیز اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ رجس کے معنی پلیدی، گناہ، کفر اور ہر برا کام ہے۔

وقال ابن عباس الرجس عمل الشیطان ما لیس للہ فیہ رضا۔ وقیل الرجس الشک وقیل السوء۔ (خازن ج ۵ ص ۲۱۱)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رجس عمل شیطان ہے اور ہر وہ کام جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو اور رجس شک اور برائی کو کہتے ہیں۔

وقال امام فخر الدین الرازی الرجس ای یزیل عنکم الذنوب۔ (تفسیر کبیر عربی الجزء الخامس والعشرون ص ۲۰۹)

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ رجس اہلِ بیت کے گناہوں کو ختم کرنے کا نام ہے۔

بہرحال یہ مسلمہ امر ہے کہ رجس گناہ اور برائی اور ہر اس کام کو کہتے ہیں جو رضائے خداوندی کے خلاف ہو۔ اور یہ قرآن و حدیث کی نصوص اور مفسرین کے اقوال سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اہل بیت اطہار کو رجس سے مکمل طور پر علیحدہ کر کے طاہر و مطہر فرما دیا ہے اور تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی، اخلاقی ستھرائی، اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمادیا جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز و فائق ہیں۔

اللہ تعالیٰ اہلِ بیت کے طفیل ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما کر درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ آمین۔

پنجتن پاک

اور

آیت مباہلہ

پنجتن پاک یہ مقدس ہستیاں ہیں:

(۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
(۲) حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
(۳) حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا
(۴) حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵) حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

آیت مباہلہ یہ ہے:

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا وابنائکم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکٰذبین۔
(آل عمران: پ ۳ ع ۱۴)

ترجمہ (پھر اے محبوب) جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔ اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں۔ اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ (کنزالایمان)

شانِ نزول اور تفصیلی بیان

یہ آیت کریمہ نجران کے یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق بحث کرنے آئے تھے۔ نجران مکہ معظمہ سے جانب یمن سات منزل کے فاصلے پر ایک بڑا وسیع و عریض شہر ہے جو بجز ان بن زید بن یشجب بن یعرب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائی مذہب کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اور ۷۳ گاؤں اس سے متعلق تھے۔ یہاں ایک عظیم گرجا تھا جس کو عیسائی کعبہ کہتے تھے۔ اسی میں ان کے بڑے بڑے پادری رہتے تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک سال پیشتر یہاں کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا مدینہ منورہ آیا۔ ان میں لارڈ بشپ بھی تھا جس کا نام ابو حارثہ تھا۔ اور ان ساٹھ افراد میں چوبیس ۲۴ افراد عیسائیوں کے اشراف کے لوگوں سے تھے۔ اور پھر ان ۲۴ میں سے تین مرجع کل تھے۔ ان میں ایک کا نام عبدالمسیح اور عاقب لقب تھا یہ اپنی قوم کا سردار تھا جس کی رائے کے بغیر عیسائی کوئی کام نہیں کرتے تھے دوسرے کا نام ایہم تھا یہ اپنی قوم کا افسر مال تھا جس کے ذمہ ساری قوم کے خورونوش اور رسد کا انتظام تھا۔ تیسرے کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ جو نصاریٰ کے تمام علماء پادریوں کا بڑا پیشوا تھا۔ یہ گروہ نماز عصر کے وقت مدینہ منورہ پہنچا۔ اس وفد کے تمام شرکاء نہایت عمدہ اور قیمتی پوشاکیں پہن کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے مناظرہ کرنے آئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ہم نے آج تک ایسی شان و شوکت والی جماعت نہ دیکھی تھی۔ یہ لوگ سیدھے مسجد نبوی میں آئے۔ نماز کا وقت تھا فوراً ان لوگوں نے وہیں جانب مشرق متوجہ ہو کر نماز شروع کر دی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں اپنی نماز پڑھ لینے دو۔ (تفسیر نعیمی ج ۳ ص ۲۹۸)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کریمہ کے مطابق اس وفد کو بھی دعوت اسلام دی۔ لیکن وہ رضامند نہ ہوئے اور مباحثہ کرنے لگے۔ ان کا مرکزی مسئلہ

یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ مسیح خدا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں آیات قرآنیہ پڑھیں جن میں دلائل قطعیہ سے ثابت کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کے بندے ہیں خدا نہیں۔ بلا باپ کے پیدا ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ خدا ہیں۔ آخر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام بھی تو بن ماں باپ کے پیدا کیے گئے تھے۔ تو جب انہیں اللہ کی مخلوق اور اس کا بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی مخلوق اور اس کا بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی مخلوق اور بندہ ماننے میں کیا تعجب و رکاوٹ ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو حضرت مریم سے پیدا ہونا بھی ثابت ہے۔ لیکن عیسائیوں : یہ وفد دلائل قاطعہ سننے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ان آیات مباہلہ کو نازل فرمایا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے محبوب ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آؤ ہم اور تم اپنے بال بچوں کو لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کریں کہ جو اپنے دعوے میں جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور وہ عذاب خداوندی کا مستحق بنے۔ اہل اسلام اس کو مباہلہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس حکم مبارک کے بعد وفد کے علماء نصاریٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ایک دن کی مہلت مانگی کہ ہم کل آپ کو اس کا جواب دیں گے۔ جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے عالم اور صاحب رائے شخص عاقب سے کہا کہ اے عبدالمسیح آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا اے جماعت نصاریٰ تم پہچان چکے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی مرسل ضرور ہیں۔ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اب اگر نصرانیت پر قائم رہنا چاہتے ہو انہیں چھوڑ دو اور اپنے اپنے گھر لوٹ چلو۔ یہ مشورہ کرنے کے بعد وہ تمام لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی گود میں امام حسین ہیں اور دست مبارک میں امام حسن کا ہاتھ ہے اور حضرت فاطمہ و حضرت علی حضور کے پیچھے ہیں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نجران کے سب سے بڑے پادری بشپ نے جب اس نورانی قافلے کو دیکھا تو کہنے لگا اے گروہ نصاریٰ!

انی لاری وجوھا لو سالوا اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ بھا فلا و تباھلوا فتھلکوا ولا یبقی علی وجہ الارض نصرانی الی یوم القیمہ۔ (تفسیر کبیر الجزء الثامن ص ۸۵)

یعنی بے شک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کی دعا کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے گا۔ پس ان سے مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہے گا۔

چنانچہ عیسائیوں نے اپنے پادری کی بات مان لی اور مباہلہ سے راہ فرار اختیار کی اور جزیہ دینا منظور کر لیا کہ ہم ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑے (جن میں ایک جوڑے کی قیمت چالیس دینار سے کم نہ ہوگی) دیں گے۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔ اور تیس (۳۰) اونٹ، تیس (۳۰) زرہ اور تیس (۳۰) نیزے پیش کرتے رہیں گے۔ صاحب تفسیر نعیمی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عیسائی بطور جزیہ دو ہزار جوڑے، ۳۳ زرہ ۳۳ اونٹ اور ۳۴ گھوڑے دیا کریں گے۔

تاریخ اسلام مولفہ عبدالرحمٰن شوق امرتسری اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸۱ جلد اول میں تحریر کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے جہاں جزیہ دینا قبول کیا اسی کے ساتھ ساتھ یہ صلح نامہ بھی لکھا گیا کہ (۱) مسلمانوں کی طرف سے جو بھی قاصد ان کے پاس آئے گا وہ اس کی مہمان نوازی کریں گے۔ (۲) نہ سود لیں گے اور نہ سود کا کاروبار کریں گے۔ (۳) مسلمان ان کے دین اور ان کی آزادی کے نگران رہیں گے۔ اس صلح نامہ پر نامور صحابہ کرام نے دستخط فرمائے اور ان کے حوالے کر دیا گیا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ان الھلاکۃ قد تدلی علی اھل نجران ولو لا عنوا المسخوا قردہ وخنازیر ولا ضطرم

یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اہل نجران پر یقینی ہلاکت طاری ہو جاتی اگر وہ ہم سے مباہلہ کر لیتے تو بندروں اور سوروں کی صورت میں

علیهم الوادی نارا ولا ستاصل الله نجران واهله حتی الطیر علی رؤس الشجر ولما حال الحول علی النصاری کلهم حتی یهلکوا۔ (سیرت رسول عربی و تفسیر کبیر جزء ثامن ص۸۵)

مسخ کر دیئے جاتے اور عذاب الٰہی کی آگ سے ان کے جنگل جل جاتے۔ نجران اور وہاں کے رہنے والے حتیٰ کہ درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے جل جاتے اور ایک سال کی مدت میں تمام عیسائی ہلاک ہو جاتے۔

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ جس کسی نے بھی مباہلہ کیا ہے اگر وہ باطل پر ہے تو اس پر روز مباہلہ سے ایک سال بھی نہیں گزرے گا کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔

خصائص کبریٰ جلد دوم ص۴۳ پر ایک حدیث پاک حضرت ابو نعیم کے حوالے سے تحریر فرمائی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل نجران کی ہلاکت کی خبر دینے والا آ گیا تھا حتیٰ کہ پرندے بھی ان کی ہلاکت کی خبر دے رہے تھے اگر وہ مباہلہ کرتے تو ہلاک ہو جاتے۔

صحیح مسلم شریف ج۲ ص۲۷۸ اور صاحب مراۃ المناجیح نے ج۸ ص۴۵۰ پر بحوالہ مسلم ایک حدیث پاک حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے کہ:

لما نزلت هذه الایه ندع ابناء نا وابناء کم دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم علیا و فاطمه وحسنا و حسینا فقال اللهم هولاء اهل بیتی۔

جب یہ آیت یعنی آیت مباہلہ نازل ہوئی کہ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو بلائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کو بلایا اور فرمایا یہ میرے گھر والے ہیں۔

صاحب صواعق محرقہ نے ص۵۲۴ پر کشاف کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس سے بڑھ کر چادر والوں کی فضیلت کی کوئی قوی دلیل نہیں اور وہ حضرت علی، حضرت

فاطمہ اور حسنین کریمین ہیں کیونکہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں بلایا اور حسین کو گود میں لیا، حسن کا ہاتھ پکڑا اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی آپ کے پیچھے تھے۔ پس معلوم ہو گیا کہ آیت سے مراد حضرت فاطمہ کی اولاد اور ان کی ذریت ہے جنہیں وہ اپنے بیٹے کہتے ہیں اور آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

آیت مباہلہ میں

ابناءنا ونساءنا وانفسنا

سے کون لوگ مراد ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انفسنا سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور نساءنا سے مراد جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہیں اور ابناءنا سے مراد حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہا ہیں۔ عربی عبارت یہ ہے:

قال جابر انفسنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ونساء نا فاطمہ رضی اللہ عنہا وابناء نا الحسن والحسین رضی اللہ عنہما۔ (تفسیر ابن کثیر پ ۳ سورہ آل عمران ص ۷۶)

تفسیر کبیر عربی الجزء الثامن ص ۸۶ پر لکھا ہے کہ:

ھذہ الایہ دالہ علی ان الحسن والحسین علیہما السلام کانا ابنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدان یدعو بناءہ فدعا الحسن والحسین فوجب ان یکونا ابنیہ۔ یعنی یہ آیت کریمہ دلیل اس بات کی کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ محترم قارئین کرام! آیت مباہلہ کی یہ تفسیر در حقیقت حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عملی تفسیر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابناءنا میں

اپنے فرزندوں یعنی امام حسن اور امام حسین کو پیش کر دیا کہ یہ میرے بیٹے ہیں اور نساء نا میں اپنے گھر کی عورتوں میں سے اپنی سب سے چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو پیش کر دیا اور انفسنا کی جگہ خود اپنی ذات گرامی اور حضرت مولا علی کو پیش کر دیا اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ قرآن مجید اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عملی تفسیر سے حضرات پنجتن پاک یعنی حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کی فضیلت کو کتنا بڑھا دیا ہے۔ اسی لیے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضرات پنجتن پاک کا وسیلہ دعا کی قبولیت کے لیے اکسیر اعظم ہے کہ ان کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعا ان شاء اللہ رد نہ ہو گی۔

محبت اہلِ بیت اور قرآنِ حکیم

جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن حکیم اور اہل بیت اطہار کا دامن رہا وہ کبھی گمراہ اور رسوا نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔ لیکن جیسے ہی مسلمانوں نے ان دونوں کے دامن سے وابستگی چھوڑی ہر جگہ ذلت و رسوائی ان کے سامنے آتی چلی گئی۔ اور آج عالم اسلام کے مسلمانوں پر مٹھی بھر اسرائیلیوں کا دبدبہ اور غلبہ ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے قرآن حکیم اور اہلِ بیت نبوت کو بھلا دیا۔ آج بھی وقت ہے اگر مسلمان وہی سرخروئی اور فتح و کامرانی چاہتا ہے تو اپنے آپ کو قرآن حکیم اور اہل بیت نبوت سے وابستہ کر لے اور اپنے دل کو اہل بیت نبوت کی محبت کا مدینہ بنا لے تو ان شاء اللہ فتح و کامرانی پھر تمہارے قدم چومے گی۔

اہلِ بیت اطہار کی محبت کا مقام اور اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ خود خدا نے اپنے مقدس کلام پاک میں ارشاد فرمایا کہ:

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ (الشوریٰ: پ۲۵ ع۴)

تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

یعنی میں تم سے اپنے قرابت داروں کی محبت کا مطالبہ کرتا ہوں۔

شانِ نزول اور تفصیلی بیان

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق حضور صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے اور انصار نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ مصارف بہت ہیں اور (بظاہر) مال بھی کچھ نہیں ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور احسانات یاد کر کے حضور کی خدمت عالیہ میں پیش کرنے کے لیے بہت سا مال جمع کیا اور اس کو لے کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور کی بدولت ہمیں ہدایت ملی ہم نے گمراہی سے نجات پائی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کے اخراجات بہت زیادہ ہیں اس لیے ہم خدام آستانہ یہ مال آپ کی خدمت میں نذر کے لیے لائے ہیں امید ہے کہ حضور قبول فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائیں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور سید عالم نے وہ اموال واپس فرما دیئے۔

صاحب تفسیر کبیر حضرت امام رازی علیہ الرحمہ تفسیر کشاف کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

لما نزلت هذه الایه قیل یا رسول الله من قرابتك هوءلاء الذین وجبت علینا مودتهم فقال علی وفاطمه وابناهما۔ (تفسیر کبیر الجزء السابع والعشرون ص ۱۶۶)

جب یہ آیت (قل لا اسئلکم علیہ اجرا) نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے وہ کون رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کردی گئی ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ علی، فاطمہ اور ان کے دونوں فرزند (امام حسن و امام حسین) ہیں۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

من عرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني فانا الحسن بن محمد صلى الله عليه وسلم ثم تلا واتبعت ملة ابائي ابراهيم الاية ثم قال انا ابن البشير انا ابن النذير ثم قال وانا من اهل البيت الذين افترض الله عزوجل مودتهم وموالاتهم فقال فيما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى۔
(الصواعق المحرقہ ص ۵۷)

یعنی جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو مجھے پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ بھی جان لے کہ میں حسن ہوں فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: واتبعت ملة ابائي ابراهيم آخر تک۔ پھر فرمایا میں بشیر و نذیر کا فرزند ہوں اور میں اہل بیت نبوت سے ہوں جن کی محبت و دوستی اللہ عزوجل نے تم پر فرض فرمائی ہے اور اس بارے میں اس نے اپنے محبوب حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت قل لا اسئلكم عليه اجرا نازل فرمائی ہے۔

طبرانی نے روایت بیان فرمائی ہے۔ جب حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اپنے والد گرامی حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسیری کی حالت میں دمشق کی ایک جگہ پر کھڑا کیا گیا تو ایک ظالم جفاکار شامی نے آپ سے کہا:

الحمدلله الذى قتلكم وستاصلكم وقطع قرن الفتنه۔ فقال له اما قرات قل

خدا کا شکر ہے جس نے تمہارا خاتمہ کیا اور تمہاری جڑوں کو کاٹا اور فتنہ گروں کو مٹایا (معاذاللہ)۔ آپ نے اس سے فرمایا کیا

لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی - فقال وانتم ھم؟ قال نعم-

تو نے قرآن کریم میں یہ آیت نہیں پڑھی قل لا اسئلکم علیہ اجرا۔ اس نے کہا کیا وہ تم ہو؟ فرمایا: ہاں بلاشبہ میں ہی ہوں-

(الصواعق المحرقہ ص۱۷۵ و تفسیر ابن کثیر سورہ شوریٰ ص ۱۱۳)

حضرت علامہ نبہانی نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے- اس واقعہ کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ میں اس بدبخت کو ایمان والا نہیں سمجھتا- اس لیے کہ ایک ایماندار شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اس کی زبان سے کبھی بھی ایسے قبیح اور ملحدانہ کلمات نکل ہی نہیں سکتے-

ہم کہتے ہیں کہ ایسے بدبخت اور ملحد کے دل میں ایمان کیسے ٹھہر سکتا ہے جو جگر گوشہ رسول، راحت جان خاتون جنت کے شہید کیے جانے پر خوش ہو اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہو- میں اللہ اور رسول کا اس ملحد سے زیادہ دشمن کسی کو نہیں سمجھتا-

ہم سگ بارگاہ اہل بیت کہتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی ایسے بدبخت اور ملحد بے ایمان لوگ بہت ملیں گے جو اہل بیت نبوت اور خاندان رسالت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت اور دشمنی کرتے ہیں اور ان کے فضائل و مناقب کی آیات و احادیث کو ضعیف اور غلط معنی دے کر ان کے مناقب کو ختم کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں اور ان کی مقدس ذات پر طرح طرح کے رکیک اور نازیبا کلمات ادا کر کے ان کی شان کو گھٹانے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں- اور جب کوئی محب اہل بیت، عاشق رسول، صاحب علم و فضل ان مقدس حضرات کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہے تو ان یزیدیوں اور خارجیوں کے چہرے بدل جاتے ہیں اور فوراً ایسی احادیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو دشمنان اہل بیت کی صف میں شامل کر لیتے ہیں- ایسا ہی ایک بدبخت لاہور کا ابو یزید اور مہاراشٹر کا ابن یزید، خارجی، بے ایمان اور ملحد فاسق و فاجر اورنگ آباد کی سرزمین پر پیدا ہوا ہے جو حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کرام کو باغی قرار دے رہا ہے اور یزید جیسے فاسق و فاجر شخص کو جنتی ثابت کرنے میں صفحات کے صفحات سیاہ کر کے اپنے

ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ ایسے ہی ناپاک و ناہنجار یزیدیوں کے لیے ہم ایک بہت ہی مشہور و معروف بزرگ جو تمام عقائد والوں کے نزدیک مسلم و معتبر شخصیت ہیں ان کی ایک مشہور و معروف تفسیر "تفسیر کبیر" سے اہل بیت اطہار کی فضیلت میں اور ان سے بغض و حسد رکھنے والوں کے لیے بطور عبرت ان تمام احادیث کریمہ کو نقل کر رہے ہیں۔ صاحب تفسیر کبیر حضرت علامہ رازی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من مات علی حب ال محمد مات شهیدا۔

جو اہل بیت کی محبت میں مرا اس نے شہادت کی موت پائی۔

اور فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد مات مغفورا له۔

آگاہ ہو جاؤ جو شخص اہل بیت کی محبت میں مرا وہ ایسا ہے کہ اس کے گناہ بخش دیے گئے۔

اور فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد مات تائبا۔

آگاہ ہو جاؤ جو شخص اہل بیت کی محبت میں مرا وہ گناہوں سے تائب ہو کر مرا۔

پھر فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد مات مومنا مستکمل الایمان۔

خبردار ہو جاؤ جو شخص اہل بیت کی محبت میں مرا وہ مکمل ایمان کے ساتھ انتقال کیا۔

اور فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد بشره ملك الموت بالجنه ثم منكر ونكير۔

آگاہ ہو جاؤ جو اہل بیت کی محبت میں مرا اسے حضرت عزرائیل (موت کے فرشتے) اور منکر نکیر جنت کی بشارت دیں گے۔

پھر ارشاد فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد یزف الی الجنه کما یزف العروس الی بیت زوجها۔

آگاہ ہو جاؤ جو اہلِ بیت کی محبت میں مرا اس کو ایسی عزت کے ساتھ جنت میں لے جایا جائے گا جیسے دلہن کو اس کے شوہر کے گھر لے جایا جاتا ہے۔

اور فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد فتح له فی قبره بابان الی الجنه۔

خبردار ہو جاؤ جو اہلِ بیت کی محبت میں مرا اس کی قبر میں جنت کے دو (۲) دروازے کھول دیے جائیں گے۔

پھر فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد جعل الله قبره مزار ملائکه الرحمه۔

آگاہ ہو جاؤ جو اہل بیت کی محبت میں مرا اللہ تعالیٰ اس کو قبر کی رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنادے گا۔

پھر ارشاد فرمایا:

الا ومن مات علی حب آل محمد مات علی السنه والجماعه۔

خبردار ہو جاؤ جو اہلِ بیت کی محبت میں مرا وہ مسلک حقہ اہلِ سُنّت و جماعت پر مرا۔

(تفسیر کبیر الجزء السابع والعشرون ص ۱۶۵-۱۶۶، تفسیر کشاف الجزء الثالث ص ۴۶۷)

یہ ساری بشارتیں اور خوش خبریاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اہل بیت اطہار اور خاندان نبوت سے محبت و الفت رکھتے ہیں اور اپنے ہر قول و فعل اور اپنی تحریروں سے اہل بیت کی محبت کا اظہار فرماتے ہیں۔

ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آپ اہل بیت کے فضائل پر چالیس احادیث کا ایک مجموعہ پڑھیں گے تو ایمان تازہ ہو جائے گا اور جو لوگ اہل بیت رسالت اور خاندان رسالت سے بغض و حسد رکھتے ہیں اور اپنے قول و فعل اور اپنی تحریروں سے ان مقدس نفوس کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں ان کے لیے چند احادیث پیش کی جاتی

ہیں۔

حضور فخر کائنات سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الا ومن مات علی بغض آل محمد جاء یوم القیمه مکتوبا بین عینیه ایس من رحمه الله۔

آگاہ ہو جاؤ جو اہل بیت کی بغض و دشمنی میں مرا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا "اللہ کی رحمت سے محروم"

اور فرمایا:

الا ومن مات علی بغض آل محمد مات کافرا۔

خبردار ہو جاؤ جو اہل بیت کی دشمنی و بغض میں مرا وہ کافر مرا۔

اور ارشاد فرمایا:

الا ومن مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة۔

(تفسیر کبیر الجزء السابع والعشرون ص ۱۶۶)

آگاہ ہو جاؤ جو اہل بیت کی بغض و عداوت میں مرا وہ جنت کی خوشبو سے محروم ہو گیا۔

نوٹ: پوری حدیث پاک میں آلِ محمد کا ترجمہ اہلِ بیت اس لیے کیا گیا کہ اہلِ بیت کے آلِ رسول ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور دوسروں کا آلِ رسول ہونا اختلافی ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر کبیر الجزء السابع والعشرون عرب (حصہ نمبر ۲۷) کا مطالعہ فرمالیں۔

اب ان گستاخانِ اہلِ بیت کو سوچنا چاہیے کہ ان کا ٹھکانہ کدھر ہے؟ یزید جیسے فاسق و فاجر انسان کو امیر المومنین، جنتی اور امام عالی مقام سید امام حسین رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ صد معاذ اللہ باغی، گنہگار، اور مجرم کہنے اور لکھنے والو! اپنے انجام کو سوچو۔ ایک نہ ایک دن مرنا ہے، اب بھی وقت ہے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔ بارگاہ خداوندی میں بوسیلہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم معافی مانگ کر اہل بیت اطہار کی چوکھٹ کے سگ بن جاؤ۔ اس لیے کہ یہ وہی گھر ہے جہاں سے تمہیں نجات کا پروانہ ملے گا۔ یہی وہ گھر

ہے جو سفینہ نجات ہے۔ ان ہی کے متعلق ارشاد رسول ہے کہ اگر ان کو چھوڑو گے تو غرق ہو جاؤ گے۔ اس لیے اے امامین کریمین کے ناناجان کا کلمہ پڑھنے والو! اپنے نبی کے حق کو پہچانو اور ان کے اہل بیت سے عقیدت و محبت رکھو۔ ان شاء اللہ، اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی تمہیں ضرور حاصل ہوگی۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے:

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

آیت مودت میں "قربیٰ" سے کون لوگ مراد ہیں

آیت کریمہ میں قربیٰ سے کون لوگ مراد ہیں اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت علی، حضرت فاطمہ، اور حضرات حسنین کریمین مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے آل علی و آل عقیل اور آل جعفر مراد ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے ازواج مطہرات اور وہ رشتہ دار مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

لیکن جیسا کہ آپ نے مذکورہ بالا حدیث پاک میں پڑھا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام کے پوچھنے پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل واضح طور پر فرمادیا کہ محبت و مودت کے صحیح حقدار علی، فاطمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے ہیں۔ اور قرآن حکیم حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ تو جب صاحب قرآن نے خود اس کی تفسیر فرمادی تو پھر تاویلوں اور دیگر اقوالوں کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالک و مختار ہیں۔ اور صاحب اختیار نبی ہیں۔ جس کو چاہیں اعزاز عطا فرمائیں ان کا یہ کرم ہے۔ اسی لیے سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

سخاوتِ اہلِ بیت

اور

قرآنِ حکیم

اہلِ بیت اطہار کا تعلق، ان کی پرورش اور تربیت کا پورا پورا معاملہ حضور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس و مطہر ذاتِ کریمہ سے رہا اور اسی تعلق اور تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہے کہ اہل نبوت میں حضور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ، عادات کریمہ ایثار و قربانی اور غریبوں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی محبت کا اثر ان حضرات اہل بیت نبوت پر بھی پڑنا یقینی امر ہے۔ اس وقت ہم ایسا ہی ایک واقعہ جو اہل بیت نبوت کی غرباء نوازی سے تعلق رکھتا ہے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ ایسا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اہل بیت نبوت کے اس فعل پر اتنا خوش ہوا کہ اپنے مقدس کلام پاک میں اس واقعہ کو بیان فرمادیا۔ ملاحظہ فرمایئے:

پورا واقعہ ہم تفسیر کبیر عربی الجزء التاسع والعشرون ص ۲۴۴۔ تفسیر موضح قرآن ص ۸-۶ تفسیر حسینی ج ۲ ص ۹۴۴ تفسیر کشاف ج ۴ ص ۱۹۶-۱۹۷ اور تفسیر خزائن العرفان مصنف علامہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کے حوالے سے تحریر کر رہے ہیں کہ جمہور مفسرین اس بات پر ہیں اور راوی حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک بار حضرت حسنین بیمار ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ

کرام کی ایک جماعت کے ساتھ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ تو کسی صحابی نے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ تمہارے فرزند بیمار ہیں تو اللہ کے لیے کچھ نذر مان لو۔ چنانچہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور آپ کی لونڈی حضرت فضہ نے تین روزوں کی نذر مانی۔ دونوں شہزادے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت جلد صحت یاب ہو گئے۔ تو ان تینوں حضرات نے روزے رکھ لیے۔ مگر کاشانہ مولا علی میں اس دن کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

حضرت علی شمعون خیبری یہودی کے پاس گئے اور تین صاع جو بطور قرض لے آئے۔ حضرت خاتون جنت نے ایک تہائی حصہ جو اپنے ہاتھ سے پیسا اور پانچ آدمیوں کے حساب سے شام کی روٹیاں تیار فرمالیں اور افطار کے وقت کھانا سامنے لاکر رکھ دیا۔ ابھی روزہ افطار کرنے کی تیاری تھی کہ اچانک ایک شخص کاشانہ علی پر آواز دیتا ہے اے اہل بیت رسول اللہ! میں ایک مسکین مسلمان ہوں۔ بھوکا ہوں۔ تمہارے دروازے پر آیا ہوں۔ اللہ کے نام پر کچھ کھانا دے دو، اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے خوانوں پر کھانا کھلائے گا۔ یہ سن کر ان مقدس حضرات نے وہ ساری روٹیاں اس مسکین کے حوالے کر دیں اور خود پانی پی کر روزہ افطار کر لیا اور سو گئے۔ دوسرے روز پھر روزہ رکھا اور ایک تہائی جو کی روٹیاں بنائیں۔ اور جب افطار کرنے کے لیے بیٹھے تو پھر دروازے پر دستک ہوئی اور کوئی آواز دینے والا آواز دے رہا ہے کہ اے اللہ کے رسول کے گھر والو! میں یتیم ہوں بھوکا ہوں مجھے اللہ کے لیے کچھ کھانا دے دو۔ ان حضرات نے پھر تمام روٹیاں اس یتیم کو دے دیں اور خود پانی پی کر روزہ افطار کر لیا۔

تیسرے روز پھر روزہ رکھا اور بقیہ جو کو پیس کر روٹیاں بنائیں کہ اچانک پھر ایک سائل نے آواز دی اے اہل بیت اطہار! میں اسیر (قیدی) ہوں۔ بھوکا ہوں۔ اللہ کے لیے کچھ کھانا دے دو۔ تیسرے روز بھی ان حضرات نے تمام کی تمام روٹیاں اس قیدی کو دے دیں اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔ اور خداوند قدوس کا شکر ادا کیا کہ اب ہماری نذر پوری ہو گئی۔

چوتھے روز صبح اٹھے تو بھوک کی شدت اور ضعف سے چلنے پھرنے کی طاقت نہ

تھی۔ حضرت مولا علی نے حضرات حسنین کا ہاتھ پکڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں لے گئے۔ دونوں صاحبزادے بھوک کی شدت کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو رنج پیدا ہوا۔ پھر آپ حضرت علی کے کاشانہ پر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت سیدہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ حضور نے ان کو دیکھا تو بہت بے قرار ہوگئے۔ یہاں تک کہ آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ اسی وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے اہل بیت کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی شان میں اپنے مقدس کلام میں فرما رہا ہے کہ:

یوفون بالنذر ویخافون یوما کان شره مستطیرا ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا۔ انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا۔ (الدھر: پ ۲۹)

یعنی اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں، جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے۔ اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔ ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا دیتے ہیں۔ تم سے کوئی بدلہ یا شکرگزاری نہیں مانگتے۔ (کنزالایمان)

اللہ اللہ یہ ہے سخاوت اہل بیت رسول اللہ کی کہ تین دن تک لگاتار صرف پانی سے افطار کرلیا اور اپنے حصے کی تمام روٹیاں سائل کو دے دیں لیکن سائل کو مایوس واپس نہیں کیا۔ کیا کوئی ایسی مثال پیش کرسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اہل بیت اطہار کے طفیل ایسا ہی جذبہ ایثار عطا فرمائے۔ آمین۔

اہلِ بیت پر درود
اور
قرآنِ مجید

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا واجب ہے۔ اور ہر ایک مجلس میں آپ کے ذکر کرنے والے پر اور سننے والے پر بھی ایک مرتبہ واجب اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔ یہی قول معتمد ہے اور اس پر جمہور علماء کا فتویٰ ہے۔ اور آپ کے تابع کر کے آپ کے آل و اصحاب پر بھی درود شریف بھیجا جا سکتا ہے۔ یعنی آپ کے نام اقدس کے بعد آپ کی آل کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ مگر مستقل طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان میں سے کسی پر درود شریف بھیجنا مکروہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ یایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (الاحزاب: پ۲۲)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو ان پر تم بھی درود اور خوب سلام بھیجو۔ (کنز الایمان)

شانِ نزول

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل

ہوئی تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

قد علمنا كيف نسلم عليك قال قولوا اللهم صل على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۲۶۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے کہ آپ پر سلام کس طرح پڑھیں اب آپ فرمائیں کہ ہم آپ پر درود کس طرح پڑھیں؟ تو فرمایا یوں کہو: اے اللہ درود بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر، جیسا کہ درود بھیجا ہے تُو نے حضرت ابراھیم اور ان کی آل پر۔ بے شک تُو حمد اور بزرگی والا ہے۔

ایک اور روایت میں فرمایا، یوں کہو:

اللهم صل على محمد وعلى ازواجه وذريته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۲۶۸)

اے اللہ رحمت نازل فرما (حضرت) محمد اور آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد پر۔ جیسا کہ تُو نے رحمت نازل فرمائی آل ابراھیم پر۔ بے شک تُو حمد و بزرگی والا ہے۔

غور فرمایئے، صحابہ کرام نے اپنے سوال میں یہ دریافت نہیں کیا کہ آپ پر اور آپ کے اہل پر کیسے درود بھیجیں؟ بلکہ صرف آپ پر درود بھیجنے کی کیفیت پوچھی۔ مگر آپ نے اپنی تبعیت میں اپنے اہل بیت کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ بلکہ جس درود میں آپ کے ساتھ آپ کے اہل بیت کو نہ ملایا جائے اسے ناقص قرار دیا۔ کامل درود وہ ہے جس میں آپ کے ساتھ آپ کے اہلِ بیت کا نام بھی شامل ہو۔ چنانچہ فرمایا:

لا تصلوا على الصلوه البتراء فقالو وما الصلوه البتراء قال تقولون اللهم صل على محمد وتمسكون

مجھ پر ناقص درود نہ بھیجا کرو۔ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! ناقص درود کون سا ہے؟ فرمایا تم کہتے ہو اللھم صل علی محمد اور یہیں رک جاتے ہو، بلکہ یوں

بل قولوا اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد۔ (الصواعق المحرقہ ص ۴۹۵)

کہا کرو کہ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔ یعنی آل کا نام لیے بغیر پڑھنا ناقص ہے اور آل کے نام کے ساتھ پڑھنا کامل درود شریف ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلاہ لم یصل فیھا علی وعلی اھل بیتی لم تقبل منہ۔ (امام پاک اور یزید)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھے اور اس میں مجھ پر اور میرے اہلِ بیت پر درود نہ پڑھے اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک تشہد میں آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر درود پڑھنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں ان کے یہ اشعار بہت ہی مشہور و معروف ہیں۔

یااھل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القران انزلہ
یکفیکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم لا صلواہ لہ

(صواعق محرقہ ص ۵۰۱)

اے اہلِ بیت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبت کو فرض قرار دیا ہے اس قرآن میں جس کو اس نے نازل کیا ہے۔ تمہاری عظمت وشان کے لیے یہی کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہیں پڑھا اس کی نماز ہی قبول نہیں۔

دیلمی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تک حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور اہل بیت پر درود نہ پڑھا جائے دعا قبولیت سے رکی رہتی ہے۔ (صواعق محرقہ۔ ص ۵۰۰)

ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جو شخص ہم اہل بیت پر درود پڑھ کر پورا پورا ثواب کا وزن لے کر خوش ہونا چاہتا ہے وہ کہے اللھم صل علی النبی محمد وازواجہ امہات المومنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید۔ (صواعق محرقہ ص ۴۹۶)

بہرحال یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوۃ وسلام میں اپنے اہل بیت اطہار کا اپنے ساتھ ملانا ان کی عظمت و شان کی بہت بڑی دلیل ہے درود و سلام کے فضائل و مسائل کے لیے مولف ہذا کی کتاب فضائل درود و سلام کا مطالعہ کیا جائے۔

اہلِ بیت اطہار

اور

احادیث کریمہ

حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت اطہار کے فضائل آسمان کے تاروں اور زمین کے ذروں کی طرح بے شمار و بے انتہاء ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رومال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک پونچھ لیں تو وہ رومال آگ میں نہ جلے۔ حضرت ام یمن رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بول شریف (پیشاب) پی لیں تو ان کے پیٹ کا دائمی درد ختم ہو جائے اور پھر آئندہ کبھی پیٹ کا مرض نہ ہونے کی بشارت مل جائے۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ نے جب آپ کا بول شریف پی لیا تو انہیں جہنم سے نجات کا پروانہ مل گیا۔ تو وہ نفوس قدسیہ جنہیں اہل بیت اطہار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جن کا خمیر خون سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہو اور جن کے متعلق آپ نے فرمایا ہو کہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، تو ان کے فضائل و مناقب کا کوئی شمار کر سکتا ہے۔

اہل بیت نبوت کے فضائل قرآن کریم کی روشنی میں آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا۔ اب ہم اہل بیت کے فضائل احادیث کریمہ کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) حدیث ثقلین

حدیث ثقلین درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت ہے جو متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ ہم یہاں پر مسلم شریف جلد دوم ص۲۷۹ کی روایت جو مشہور صحابی رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تحریر کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فینا خطیبا بماء یدعی خما بین مکہ و المدینہ فحمد اللہ واثنی علیہ ووعظ وذکر ثم قال اما بعد الا ایھا الناس انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین او لھما کتاب اللہ فیہ الھدی والنور فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہ فحث علی کتاب اللہ ورغب فیہ ثم قال و اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان اس پانی کے مقام پر جسے خم کہا جاتا ہے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد ثناء کی اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ پھر حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! خبردار ہو جاؤ میں ایک بشر ہوں، عنقریب میرے پاس میرے رب کا قاصد آ جائے اور میں اس کا بلاوا قبول کر لوں گا۔ اور میں تم لوگوں میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن میں پہلی تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے۔ تم اللہ کی کتاب لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ پھر کتاب اللہ پر ابھارا اور ترغیب دی۔ پھر فرمایا: اور (دوسری چیز) میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں۔ میں تم کو اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا

ہوں- میں تم کو اپنے اہلِ بیت کے متعلق
اللہ سے ڈراتا ہوں-

قارئین کرام! حدیث ثقلین کے آخری جملے پر جسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا ہے بڑی اہمیت و فضیلت کا حامل ہے اس سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کے متعلق اپنی امت کو یہ یاد دہانی فرما رہے ہیں کہ میری اہل بیت کا بہت زیادہ خیال رکھنا- ان کی تعظیم و تکریم میں کبھی فرق نہ آنے دینا اور ان کے حقوق وغیرہ برابر ادا کرتے رہنا- اور دوسری بات جو اس حدیث سے حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب داں نبی ہیں- آپ کو اس بات کا علم تھا کہ میرے اہل بیت اطہار میں سے جو خاص میرے فرزند ہیں یعنی حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ان کو طرح طرح کی تکالیف دی جائیں گی اور ان کے ساتھ نازیبا سلوک کیا جائے گا کہ ان میں سے ایک کو زہر دے کر اور دوسرے کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ایک ویران چٹیل میدان میں شہید کیا جائے گا- اسی لیے آپ نے بطور خاص تین بار ان مقدس نفوس کے متعلق آگاہی فرما کر امت کو ان کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت فرمادی- لیکن افسوس صد افسوس کہ اپنے آپ کو امت محمدیہ میں شمار کرنے والے، رسول کریم کا کلمہ پڑھنے والے ان نام نہاد مسلمانوں نے حضرات حسنین کریمین اور دیگر اہل بیت اطہار پر جو مظالم ڈھائے ہیں عالم انسانیت ایسے واقعات پیش کرنے سے قاصر ہے-

تیسری بات یہ کہ حدیث ثقلین میں خطاب صحابہ کرام سے ہو رہا تھا- تو آپ غور فرمائیں جب صحابہ کرام سے اہل بیت اطہار کے حقوق کی تاکید فرمائی جارہی ہے تو ہم تم کس شمار میں ہیں اور ہمیں ان کا کتنا ادب و احترام کرنا چاہیے اور ان سے کتنی عقیدت و محبت رکھنی چاہیے-

(۲) قرآن مجید اور اہل بیت کا دامن تھامنے والا گمراہ نہ ہوگا

اوپر جو حدیث ثقلین لکھی گئی ہے وہ مقام خم میں حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم خطبہ اور اہل بیت اطہار کے لیے ایک وصیت نامہ ہے۔

اسی قسم کا ایک اور اہم خطبہ حجتہ الوداع میں عرفہ کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمایا تھا جسے ہم سنن ترمذی ج۲ ص۲۴۵ کے حوالے سے صحابیِ رسول حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے تحریر کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

عن جابر قال رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجتہ یوم عرفہ وھو علی ناقہ القصواء یخطب فسمعتہ یقول یایھاالناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی۔

روایت ہے حضرت جابر سے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حج عرفہ کے دن دیکھا جبکہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اے لوگو! میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم ان کو تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہل بیت۔

اس حدیث پاک میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ اگر تم ہدایت چاہتے ہو اور گمراہی اور ضلالت سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہتے ہو تو میرے اہل بیت کا دامن تھام لو، کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

یہ ارشاد عالی بھی صحابہ کرام جیسی مقدس جماعت سے ہو رہا ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اہل بیت اطہار کا درجہ کتنا بلند و بالا ہے کہ صحابہ کرام سے فرمایا جا رہا ہے

کہ اپنے آپ کو اہل بیت اطہار سے وابستہ رکھو۔ تو تم اور ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔ اور ہمیں اہل بیت اطہار کا دامن تھامنا کتنا ضروری اور اہم ہو جاتا ہے۔

اہلِ بیت سے وابستہ رہنے کی ایک اور حدیث

حدیث ثقلین میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اپنے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا۔ اس کے بعد کی حدیث میں اہل بیت سے وابستگی کا ثمرہ یہ بیان فرمایا کہ اہل بیت سے وابستہ رہنے والے کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ اور اب جو حدیث پاک بیان کی جا رہی ہے اس میں آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے اہل بیت سے جو لوگ وابستہ ہوں گے اور ان کے حقوق ادا کرتے رہیں گے تو قیامت کے دن میرے اہل بیت ان کی سفارش کریں گے۔

حضرت زید بن ارقم اس حدیث پاک کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی تارکٌ فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الاخر کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیفَ تخلفونی فیهما۔

(ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۹۷)

بے شک میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اسے تھامے رہو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ اللہ کی کتاب جو زمین سے آسمان تک (نور کی) ایک دراز رسی ہے۔ اور میری عزت یعنی میرے اہل بیت یہ دونوں جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض پر آجائیں۔ تو غور کرو تم ان دونوں کے ساتھ میرے بعد کیا معاملہ کرتے ہو۔

اس حدیث پاک میں بھی بالکل واضح الفاظ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے امتیو! اگر تم گمراہی و ضلالت سے بچنا چاہتے ہو تو قرآن حکیم اور میرے اہل بیت سے اپنے آپ کو وابستہ کرلو۔ مگر افسوس اور دکھ کا مقام ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنی تاکید فرمانے کے بعد بھی امت محمدیہ میں اپنے آپ کو شامل کرنے والے ایک گروہ نے قرآن حکیم پر طرح طرح کے حملے کیے اور اہل بیت اطہار کی شان میں گستاخیاں اور بدسلوکیاں کیں جس سے تاریخ اسلام کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

فضائل اہلِ بیت کے متعلق
چالیس (۴۰) حدیثیں

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ علم کی نہایت اور مرتبہ کون سا ہے جس پر پہنچ کر مرد فقیہ کہلاتا ہے اور فقہاء کے زمرے میں شامل ہوتا ہے اور ان کا ثواب پاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دین سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرے اور لوگوں تک پہنچائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گروہ فقہاء میں اٹھائے گا۔ اور میں قیامت کے دن اس کے گناہوں کی شفاعت کروں گا اور اس کے ایمان و اطاعت کی گواہی دوں گا۔ (مشکوۃ المصابیح)

اس حدیث پاک کی روشنی میں سلف و خلف اکابر علمائے کرام نے حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار بننے اور آپ کو شاہد بنانے کے لیے اربعینیات (چالیس حدیثوں) کو جمع کیا اور تحریر فرما کر شائع کروایا۔

اس حقیر سراپا تقصیر سگ بارگاہ اہل بیت نے بھی چالیس حدیثوں کا ایک مجموعہ اپنی تالیف کردہ کتاب فضائل درود و سلام اردو اور گجراتی میں تحریر کیا ہے۔ الحمدللہ دارالعلوم محمدیہ (بمبئی) میں درس عالیہ نظامیہ کی فراغت کے بعد سب سے پہلے جس تالیف کی مجھے توفیق ہوئی وہ یہی کتاب فضائل درود و سلام تھی۔ اب دوبارہ پھر اس نئی تالیف کردہ کتاب میں جو آپ کے ہاتھوں میں ہے فضائل اہل بیت کے متعلق چالیس حدیثوں کا ایک مجموعہ حوالہ جات کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا

ہوں۔ امید کہ شرف قبولیت سے نوازا جائے گا اور محبان اہل بیت کے لیے بھی ایک مینارہ نور ہو گا۔

اہلِ بیت کی فضیلت پر چالیس حدیثیں

(۱) حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین کے ہاتھ کو اپنے دست مبارکہ میں لے کر فرمایا جو مجھ سے میرے ان دونوں اور ان کے والدین سے محبت کرے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو گا اور جنت کے بھی اس درجہ میں رکھا جائے گا جہاں میں رہوں گا۔ (شفاء شریف ج ۲ ص ۵۹)

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرے اہل بیت امت کے لیے امان ہیں۔ جب اہل بیت نہ رہیں گے تو امت پر وہ آئے گا جو ان سے وعدہ ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۵۱۴، الامن والعلی ص ۳۶)

(۳) دیلمی نے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اپنی اولاد کو تین باتیں سکھاؤ (۱) اپنے نبی کی الفت و محبت (۲) اہل بیت اطہار کی محبت (۳) قرآن کریم کی قرات۔ (صواعق محرقہ ص ۵۷۷)

(۴) بیہقی اور دیلمی نے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کو اس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں اور میری اولاد اس کو اپنی جان سے زیادہ پیاری نہ ہو اور میرے اہل اس کو اپنے اہل سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میری ذات اس کو اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ (سوانح کربلا ص ۵۳)

(۵) امام احمد نے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اہل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۷۹۴)

(۶) دیلمی نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ سے توسل کی تمنا رکھتا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ اس کو میری بارگاہ کرم میں روز قیامت حق شفاعت ہو تو

اسے چاہیے کہ وہ میرے اہل بیت کی نیاز مندی کرے اور ان کو ہمیشہ خوش رکھے۔

(صواعق محرقہ ص ۵۸۸)

(۷) دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں زیادہ بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل بیت کے لیے بہتر ثابت ہو۔ (صواعق محرقہ ص ۶۲۲)

(۸) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جس نے میرے اہل بیت سے بغض رکھا خداوند قدوس اس کو دوزخ میں ڈالے گا۔

(خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

(۹) امیر المومنین حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری عترت یعنی اہل بیت اور انصار کے حقوق کو نہ پہچانے اور ان کے حقوق ادا نہ کرے تو اس میں تین باتوں میں کوئی ایک بات ضرور ہوگی۔ یا تو وہ منافق ہوگا۔ یا زنا کی اولاد ہوگا۔ یا پھر وہ حیض و نفاس جیسی ناپاکی کی حالت میں اس کی ماں کے پیٹ میں رہا ہوگا۔ (صواعق محرقہ ص ۵۸۰)

(۱۰) دیلمی نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جو لوگ حوض کوثر پر پہلے آئیں گے وہ میرے اہل بیت ہوں گے۔ (صواعق محرقہ ص ۶۲۲)

(۱۱) امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دنیا میں اولاد عبدالمطلب یا اولاد بنی ہاشم یعنی اہل بیت سے کچھ نیکی یا اچھا سلوک یا احسان کیا پھر وہ اہل بیت اس کا بدلہ نہ دے سکے تو قیامت کے روز اس سید کی طرف سے میں پورا پورا بدلہ ادا کروں گا۔

(صواعق محرقہ ص ۷۹۲، تفسیر کشاف ج ۳ ص ۴۶۷)

(۱۲) حاکم اور دیلمی ۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جو شخص ان چیزوں کی حفاظت کرے

گا اللہ تعالیٰ اس کی دُنیا اور دین دونوں کی حفاظت فرمائے گا۔ اور جو شخص ان باتوں کو ضائع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے کسی کام کی حفاظت نہیں فرمائے گا۔ (۱) اسلام کی عزت، (۲) میری عزت، (۳) میرے قرابت داروں اور اہلِ بیت کی عزت۔ (صواعق محرقہ ص۷۶۹)

(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمان کے تارے اہل زمین کے لیے سفر دریا میں ڈوبنے سے بچانے میں باعث پناہ اور موجب امان ہیں۔ اور میرے اہل بیت میری امت کو اختلاف اور تفرقہ میں پڑنے سے بچانے میں باعث امن ہیں۔ جب میرے اہل بیت سے کوئی گروہ اختلاف کر کے الگ ہو جائے تو وہ گروہ شیطانی گروہ سمجھا جائے گا۔ (خصائص کبریٰ ج۲ ص۴۹۷)

(۱۴) دیلمی نے حضرت ابی سعید سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری اولاد کے متعلق مجھے اذیت دے گا اس پر سخت غضب الٰہی نازل ہو گا۔ (صواعق محرقہ ص۶۲۱)

(۱۵) دیلمی نے حضرت ابی سعید سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو اسے دیا ہے اس سے لطف اندوز ہو تو اسے چاہیے کہ میرے اہل بیت کے بارے میں میرا اچھا جانشین بنے۔ اور جو ان کے بارے میں میرے بعد ان کا اچھا جانشین نہ ہوا تو اس کی عمر کاٹ دی جائے گی اور وہ قیامت کے دن میرے پاس روسیاہ ہو کر آئے گا۔ (صواعق محرقہ ص۶۲۱)

(۱۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں میں میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح کی طرح ہے جو شخص اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو اس میں رہ گیا غرق ہو گیا۔ (خصائص کبریٰ ج۲ ص۴۹۷)

(۱۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ کسی کے واسطے کھڑے نہ ہو مگر حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) اور ان کی اولاد کے لیے کھڑے رہا کرو۔ (خصائص کبریٰ ج۲ ص۴۹۷)

(۱۸) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر اور میرے اہل بیت پر اللہ تعالیٰ نے صدقہ حرام کر دیا ہے۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۴۳۰)

(۱۹) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مسجد جنبی اور حائض کے لیے حلال نہیں ہے، مگر میرے لیے اور مولیٰ علی، فاطمہ اور ان کے صاحبزادے حسن و حسین کے لیے۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۴۵۲)

(۲۰) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ اہلِ بیت میں سے کسی کو آگ میں داخل نہ فرمائے۔ تو اس نے میری یہ دعا قبول فرمالی۔ (صواعق محرقہ ص ۶۲۲)

(۲۱) محب طبری نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر جو میرا اجر مقرر کیا ہے وہ میرے اہل بیت سے محبت کرنا ہے اور میں کل تم سے ان کے بارے میں دریافت کروں گا۔ (صواعق محرقہ ص ۷۵۳)

(۲۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نعمتیں اللہ تعالیٰ تم کو دے رہا ہے ان کے باعث اس سے محبت رکھو اور مجھ سے خدا تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۹۸)

(۲۳) طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری کلام یہ فرمایا: کہ میرے بعد اہلِ بیت کے متعلق میرے جانشین بنو۔ (صواعق محرقہ ص ۵۰۷)

(۲۴) حضرت ابوبکر خوارزمی کے حوالے سے روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کا رخ انور اس طرح طلعت بار تھا جیسے چاند کا دائرہ۔ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس مسرت کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے پروردگار کی طرف سے بشارت دی گئی ہے کہ میرے چچا زاد بھائی علی اور میری چہیتی بیٹی فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے رشتہ

زوجیت میں منسلک فرما کر رضوان خازن جنت کو حکم فرمایا کہ وہ جنتی درخت طوبیٰ کو ہلائے اور اس کے گرنے والے تمام پتے محبان اہل بیت کی تعداد کے مطابق اٹھا لیے جائیں۔ پھر طوبیٰ کے نیچے نور سے فرشتے پیدا کیے اور وہ پتے ان فرشتوں کو دے دیئے گئے۔ پس جب قیامت قائم ہوگی تو فرشتے تمام مخلوقات میں نداء فرمائیں گے اور محبانِ اہلِ بیت میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جسے وہ پتہ نہ دیا جائے اور اس پتے پر محبانِ اہلِ بیت کے لیے جہنم سے رہائی کے بارے میں لکھا ہوگا۔ (صواعق محرقہ ص ۵۸۱)

(۲۵) طبرانی اور حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے ایک گوشہ اور مقام ابراھیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہل بیت کی دشمنی پر مرجائے تو جہنم کی آگ میں جائے گا۔ (صواعق محرقہ ص ۷۹۵)

(۲۶) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے اہل بیت پر ظلم کرنے والے، ان سے جنگ کرنے والے اور انہیں برا کہنے والے ان سب پر جنت کو حرام کردیا ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۸۹۵، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

(۲۷) طبرانی نے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: تو اور تیرے اہل بیت اور تمہارے چاہنے والے محب) جنہوں نے میرے صحابہ کو گالی دینے کی بدعت اختیار نہیں کی وہ حوض کوثر پر سیراب اور سفید رو ظاہر ہوں گے۔ اور تمہارے دشمن پیاسے اور سر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔ (صواعق محرقہ ص ۷۶۶)

(۲۸) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آل محمد سے ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور مجھ سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا سات خطرناک مقامات پر فائدہ بخش ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۷۶۷)

(۲۹) محب طبری نے شرف النبوت میں حضرت ابی سعید سے بلا اسناد بیان کیا ہے کہ میں اور اہل بیت جنت کا درخت ہیں اور اس کی شاخیں ہیں دنیا میں جو ان سے وابستہ رہے گا وہ اپنے رب کی طرف راستہ پائے گا۔ (صواعق محرقہ ص ۷۸۰)

(۳۰) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے زیادہ پل صراط پر ثابت قدم رہنے والا وہ شخص ہو گا جو میرے اہل بیت اور میرے اصحاب کی محبت میں زیادہ مضبوط، قوی اور سخت ہو گا۔ (صواعق محرقہ ص ۶۲۴)

(۳۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میرے اہل بیت کو برا بھلا کہا تو وہ اللہ تعالیٰ اور اسلام سے مرتد ہو گیا۔ اور جس نے میری اولاد کو تکلیف دی اس پر اللہ کی لعنت ہو گی۔ (صواعق محرقہ ص ۷۹۵)

(۳۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت (پہچان) دوزخ کے عذاب سے نجات کا باعث ہے اور محبت رکھنا آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امان ہے عذاب سے۔ (شفاء شریف ج ۲ ص ۹۷)

(۳۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سب سے پہلے میری شفاعت میرے اہل بیت کے لیے ہو گی۔ (صواعق محرقہ ص ۷۷۸)

(۳۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز میں چار قسم کے آدمیوں کی شفاعت کروں گا۔ ایک جو میری ذریت کی عزت کرے گا۔ دوسرے جو ان کی ضروریات کو پورا کرے گا۔ تیسرے جب وہ کسی کام میں پریشان ہو جائیں تو ان کے امور کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہو جائے۔ اور چوتھے جو اپنے دل اور زبان سے ان کا چاہنے والا ہو۔ (مناقب اہل بیت ص ۷۰ صواعق محرقہ ص ۷۹۲-۵۸۹)

(۳۵) طبرانی شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اہل بیت کے بارے میں ہماری محبت کا خیال رکھو۔ اس لیے کہ جو شخص اہل بیت سے اور ہم سے محبت رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو وہ ہماری شفاعت سے جنت میں داخل ہو گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ہماری جان ہے کسی شخص کا کوئی بھی نیک عمل اس کو کچھ فائدہ نہ دے گا جب تک کہ وہ ہمارے حقوق کو نہ پہچانے اور ان کو ادا نہ کرے۔ (صواعق محرقہ ۷۶۶)

(۳۶) دیلمی نے بیان کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص

خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ قرآن سے محبت رکھتا ہے اور جو قرآن سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے اصحاب اور قرابت داروں سے محبت رکھتا ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۷۶۷)

(۳۷) محب طبری نے روایت کیا ہے کہ مومن اور متقی اہلِ بیت سے محبت رکھتا ہے اور منافق اور شقی القلب اہلِ بیت سے بغض رکھتا ہے۔

(صواعق محرقہ ص ۷۶۷)

(۳۸) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے اہل بیت کے کسی آدمی سے بغض رکھا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ (صواعق محرقہ ص ۷۹۴)

(۳۹) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اہل بیت حوض کوثر پر آئیں گے اور میری امت میں جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ دو انگلیوں کی طرح ان کے ساتھ اکٹھا ہو گا۔ (صواعق محرقہ ص ۵۱۶)

(۴۰) حافظ ابن عساکر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد میری محبت اور میرے اہل بیت کی محبت ہے۔ (مناقب اہلِ بیت ص ۹۱)

اہلِ بیت اور صحابہ کرام و صلحائے امت

حضور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: کہ آل محمد کو پہچاننا آتش دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اور آل محمد سے محبت رکھنا پل صراط سے گزارتا ہے۔ اور آل محمد سے عقیدت عذاب الٰہی سے امان ہے۔ (شفاء شریف جلد دوم ص ۱۹۷) اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جنہیں آپ نے پچھلے اوراق میں پڑھ لیا ہے۔ اللہ کے رسول ہمارے آقا و مولیٰ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے اہل بیت اطہار کی تعظیم و تکریم کی تعلیم صحابہ کرام کو دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی ہمیشہ اہل بیت اطہار کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرتے رہے اور ان سے محبت و الفت رکھتے اور اپنے آپ کو

ان سے وابستہ رکھنے میں فخر محسوس کرتے رہے۔ چنانچہ خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار سے اپنی محبت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

والذی نفسی بیده لقرابه رسول الله صلی الله علیه وسلم احب الی ان اصل من قرابتی۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۰۵)

خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھ کو اپنے اقرباء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء محبوب تر ہیں۔

انہی کا ایک اور ارشاد ہے:

ارقبوا محمدا صلی الله علیه وسلم فی اهل بیته۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۱۵)

یعنی محافظت کرو (حضرت) سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے اہل بیت میں۔

یعنی عزت و حرمت محمدی اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت کی تعظیم و تکریم کی جائے۔

ان کی الفت جب ہے عین الفت خیر الوریٰ
یوں ہوئے محبوب رب ذوالکرم حضرت حسین

خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی اولاد سے زیادہ اہلِ بیت اطہار سے محبت فرمایا کرتے تھے اور ہر موقعہ پر ان کو فوقیت دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے مال غنیمت جو آپ کے عہد خلافت میں شہر مدائن کی فتح کے وقت آیا تھا۔ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہزار ہزار درہم دیئے اور اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ کو صرف پانچ سو درہم دیئے تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یا امیر المومنین میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جوان تھا اور آپ کے حضور جہاد کیا کرتا تھا اور حضرات حسنین اس وقت بچے تھے اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے۔ آپ نے ان کو ہزار ہزار درہم دیے اور مجھے صرف پانچ سو درہم دئے۔ آپ نے فرمایا: بیٹا پہلے وہ مقام اور افضیلت تو حاصل کرو جو حسنین کو حاصل ہے پھر ہزار درہم کا مطالبہ کرنا۔ ان کے باپ حضرت علی، ماں حضرت

فاطمہ، نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم، نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ (تاریخ اسلام باب خلفائے راشدین ص ۱۶۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عبداللہ بن حسین رضی اللہ عنہما کسی ضرورت سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا: اگر آئندہ آپ کو کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیج دیا کیجئے یا خط لکھ کر بلا لیا کیجئے میں اس وقت نہایت شرمسار ہو جاتا ہوں جب آپ میرے دروازے پر کسی ضرورت کے لیے آجاتے ہیں۔
(شفاء شریف ج ۲ ص ۱۰۰، صواعق محرقہ ص ۶۰۲)

اسی طرح ایک مرتبہ فاطمہ بنت علی آپ کے پاس آئیں تو آپ نے ان کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور فرمایا: خدا کی قسم اے اہل بیت روئے زمین پر تم سے زیادہ محبوب کوئی نہیں اور تم مجھے میرے اہل سے زیادہ محبوب ہو۔ (صواعق محرقہ ص ۷۸۹)

حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اہل بیت نبوت کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اور ان کے ظاہری و پوشیدہ نادار لوگوں پر خوب خرچ کر کے ان کی قربت حاصل کرتے تھے کہتے ہیں کہ آپ نے ان میں سے ایک خفیہ نادار آدمی کو بارہ ہزار درہم بھجوائے۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی اہل بیت کی تعظیم کا درس دیا کرتے تھے۔ (صواعق محرقہ ص ۶۰۴)

حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار سے بے انتہاء محبت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک طویل نظم میں ارشاد فرمایا: آل نبی اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کے لیے میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ مجھے امید کامل ہے کہ کل وہ ان کے ذریعے میرے اعمال نامہ کو میرے دائیں ہاتھ میں دے گا۔ ایک بار فرمایا: جب میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں کی راہ پر چل رہے ہیں جو ہلاکت او جہالت کے سمندر میں غرق ہیں تو میں اللہ کا نام لے کر نجات کے سفینے میں سوار ہو گیا اور وہ نجات کا سفینہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۶۰۴، امام پاک ص ۶۴۳)

ایک مرتبہ اہلِ بیت سے اپنی جوشِ محبت کا اظہار اس طرح فرمایا:

ان کان رفضا حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافضی

(تفسیر کبیر الجزء السابع والعشرون ص ۱۶۶)

"اگر آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہان گواہ رہیں کہ میں بے شک رافضی ہوں۔"

حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کو جب عباسی حاکم جعفر بن سلیمان نے زود کوب کیا اور کوڑوں سے آپ کے جسم مبارک کو مارنا شروع کیا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو حاضرین سے فرمایا: میں نے اس اذیت دینے والے کو معاف کر دیا ہے تو لوگوں نے اس معافی کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر اسی حالت میں میری موت واقع ہو جائے اور حضور سید عالم صلی اللہ کی ملاقات ہو جائے تو مجھے اس وقت ندامت و شرمندگی نہ اٹھانی پڑے کہ میری وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قرابت دار کو عذاب دوزخ کا مزہ چکھنا پڑے۔ اسی کے مثل ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ جب امیر منصور نے آپ کو جعفر سے قصاص دلانا چاہا تو امام صاحب نے فرمایا۔ خدا کی پناہ کوڑا لگتے وقت جو کوڑا بھی میرے جسم سے علیحدہ ہوتا تھا میں اسی وقت جعفر کو قرابت رسول کی وجہ سے معاف کر دیتا تھا۔ (کتاب الشفاء ص ۱۰۱ صواعق محرقہ ص ۶۰۳)

حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ اہل بیت اطہار کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جب کوئی اولاد اہلِ بیت سے ان کے پاس آتا تو اپنی جگہ سے اٹھ جاتے اور انہیں مقدم فرمایا کرتے اور خود ان کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ (صواعق محرقہ ص ۶۰۴)

صاحب کتاب الشفاء حضرت علامہ قاضی عیاض بن موسیٰ الحصبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان مقدس نفوس یعنی اہلِ بیت اطہار، امہات المومنین، اور صحابہ کرام کی تنقیص کرنا حرام ہے اور یہ تنقیص کرنے والا ملعون ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف باب الایمان ج ۱ ص ۲۲ کی حدیث سے ظاہر ہے۔ (کتاب الشفاء ج ۲ ص ۲۸۸)

اہلِ بیت کی
تعظیم کے چند واقعات

اہلِ بیت نبوت کا صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ عظام کی نظر میں کتنا بلند و بالا مقام ہے اور یہ حضرات ان نفوس قدسیہ کی کتنی زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کے حقوق کا کتنا خیال فرماتے تھے اس کے متعلق ابھی آپ نے ان کے اقوال اور افعال کا مطالعہ فرمایا، اب ہم انہیں حضرات کے تعظیم و تکریم کے واقعات جو اہل بیت اطہار کے متعلق ہیں تحریر کر رہے ہیں جن سے اہلِ بیت اطہار کی شان روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔

ابن عساکر ابوالبختری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ آپ کو منبر پر تشریف فرما دیکھ کر فرمایا: میرے بابا جان کے منبر سے اتریئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک یہ آپ کے بابا جان حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا منبر ہے میرے باپ کا نہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھائی ہے۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: واللہ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا آپ سچے ہیں اور میں آپ پر بدگمانی نہیں کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت امام حسین کو اپنے پہلو میں بٹھالیا اور فرمایا کہ اے امام حسین ہم نے یہ بلندی تو تمہارے بابا جان کے ذریعے ہی پائی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴)

اسی طرح حضرت امام حسین اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کا واقعہ بھی

منقول ہے۔ (صواعق محرقہ ص۵۹۲)

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کاشانہ خلافت پر تشریف لے گئے کہ وہاں دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کاشانہ کے باہر کھڑے ہوئے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اتفاق سے ان کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ملی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کر کے جب انہوں نے اپنے صاحبزادے کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے؟ واپس ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس خیال سے واپس چلے گئے ہیں تو آپ نے فوراً ان کو بلوایا۔ انہوں نے آکر کہا یا امیر المومنین! میں نے سوچا کہ جب آپ نے اپنے صاحبزادے کو اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انت احق بالاذن منه و هل انبت الشعر في الراس بعد الله الا انتم۔ (الامن والعلی ص۸۷)

تم اس سے زیادہ اجازت کے مستحق ہو اور یہ بال سر پر اللہ تعالیٰ کے بعد کس نے اگائے، سوا تمہارے۔ یعنی تمہاری بدولت راہ راست پائی اور تمہاری برکت سے اس مرتبے کو پہنچے۔

حضرت عبداللہ بن حسن مثنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن حسن مثنی نو عمر تھے اور آپ کی زلفیں بڑی بڑی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آپ کو بلند جگہ پر بٹھایا اور ان کی طرف خصوصی توجہ فرما کر ان کی جو ضروریات تھیں ان کو فوراً پورا کر دیا۔ جب حضرت عبداللہ چلے گئے تو آپ کی قوم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ملامت کیا کہ ایک نو عمر کی آپ نے اتنی عزت فرمائی۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے ثقہ آدمی نے بیان کیا ہے نبی کریم نے فرمایا تھا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو اسے خوش کرے گا وہ مجھے خوش کرے گا۔ اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بقید حیات ہوتیں تو

س نے ان کے بیٹے کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس سے وہ بہت خوش ہوتیں۔ (صواعق محرقہ ص ۶۰۲)

تعظیم آل رسول کے متعلق امام اہل سنت مجدد دین و ملت حضرت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کا ایک ایمان افروز اور بے مثال واقعہ شہنشاہ قلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب دامت کابرتہم کے الفاظ میں تحریر کر رہا ہوں۔

"آپ فرماتے ہیں: کہ ایک مرتبہ امام اہل سنت اپنے ہی شہر بریلی شریف کے ایک محلے میں تشریف لے جانے والے تھے۔ اس لیے پالکی آپ کے دورازے پر لگا دی گئی۔ سینکڑوں مشتاقان دیدار انتظار میں کھڑے تھے۔ آپ نے وضو فرمایا، کپڑے زیب تن فرمائے، عمامہ باندھا اور انتہائی عالمانہ شان و شوکت کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ چہرہ پرنور سے فضل و تقویٰ کی کرن پھوٹ رہی تھی۔ شب بیدار آنکھوں سے فرشتوں کا تقدس برس رہا تھا۔ طلعت جمال کی دلکشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بے خودی کا عالم طاری تھا۔ گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمع فروزاں مسکرا رہی تھی اور عندلیبان شوق کی انجمن میں ایک گل رعنا کھلا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا۔ قدم بوسی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کہاروں نے پالکی اٹھائی۔ آگے پیچھے داہنے بائیں نیاز مندوں کی بھیڑ چل رہی تھی۔ کہار پالکی لے کر تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ امام اہل سنت نے آواز دی۔ پالکی روک دو۔ حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی ہمراہ چلنے والا مجمع بھی وہیں رک گیا۔ اضطراب کی حالت میں باہر تشریف لائے۔ کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔ آپ لوگوں میں کوئی آل رسول تو نہیں؟ اپنے جد اعلیٰ کا واسطہ، سچ بتائیے میرے ایمان کا ذوق لطیف تن جاناں کی خوشبو کو محسوس کر رہا ہے۔

اس سوال پر اچانک ان میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ پیشانی پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ بے نوائی، آشفتہ حالی اور گردش ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اس کے انگ انگ سے آشکار تھے۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد نظریں جھکائے، دبی زبان سے کہا، مزدور سے کام لیا جاتا ہے ذات پات نہیں پوچھی

جاتی۔ آہ! آپ نے میرے جد اعلیٰ کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کردیا۔ سمجھ لیجیے کہ میں اسی چمن کا ایک مرجھایا ہوا پھول ہوں جس کی خوشبو سے آپ کی مشام جاں معطر ہے۔ رگوں کا خون نہیں بدل سکتا اس لیے آل رسول ہونے سے انکار نہیں ہے۔ لیکن اپنی خانماں برباد زندگی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چند مہینے سے آپ کے اس شہر میں آیا ہوا ہوں۔ کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے اپنا ذریعہ معاش بناؤں۔ پالکی اٹھانے والوں سے رابطہ قائم کرلیا ہے۔ ہر روز سویرے ان کے جھنڈ میں آکر بیٹھ جاتا ہوں اور شام کو اپنے حصے کی مزدوری لے کر اپنے بال بچوں میں لوٹ جاتا ہوں۔

ابھی اس کی بات تمام نہ ہونے پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی تھی اور وہ برستے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر التجا کر رہا تھا۔

معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کر دو، لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے۔ ہائے غضب ہو گیا۔ جن کے کفش پا کا تاج آج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے ان کے کاندھے پر میں نے سواری کی۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار نے پوچھ لیا کہ احمد رضا! کیا میرے فرزندوں کا دوش نازنین اسی لیے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائیں، تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس وقت بھرے میدان حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہو گی؟

آہ! اس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جا رہا ہے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے بالکل اسی انداز میں وقت کا ایک عظیم المرتبت امام اس کی منت و سماجت کرتا رہا اور لوگ پھٹی آنکھوں سے عشق کی نازبرداریوں کا یہ رقت انگیز تماشہ دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امام اہلسنت نے پھر اپنی آخری التجائے شوق پیش کی۔ چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے زیادہ وجاہت و ناموس کی قربانی عزیز ہے۔ اسی لیے لاشعوری کی اس تقصیر کا کفارہ جب ہی ادا ہو گا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے

اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔ اس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل دہل گئے۔ وفور اثر سے فضا میں چیخیں بلند ہو گئیں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادہ کو عشق جنوں خیز کی ضد پوری کرنی پڑی۔

آہ! وہ منظر کتنا رقت انگیز اور دلدوز تھا جن اہلسنّت کا جلیل القدر امام کہاروں کی قطار سے لگ کر اپنے علم و فضل، جبہ و دستار اور اپنی عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب کے لیے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا تھا۔ شوکت عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھروں کے دل پگھل گئے۔ کدورتوں کا غبار چھٹ گیا۔ غفلتوں کی آنکھ کھل گئی اور دشمنوں کو بھی مان لینا پڑا کہ آل رسول کے ساتھ جس کے دل کی عقیدت و اخلاص کا یہ عالم ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی وارفتگی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ اہل انصاف کو اس حقیقت کے اعتراف میں اب کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ نجد سے لے کر سہارنپور تک رسول اللہ کے گستاخوں کے خلاف احمد رضا کی برہمی قطعاً حق بجانب ہے۔ صحرائے عشق کے اس روٹھے ہوئے دیوانے کو اب کوئی نہیں منا سکتا۔ وفا پیشہ دل کا یہ غیظ ایمان کا بخشا ہوا ہے نفسانی ہیجان کی پیداوار نہیں۔

ہے ان کے عطر بوئے گریباں سے مست گل
گل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

لفظ "سید" کی تشریح اور اس کے فضائل

سید کے لغوی معنی ہیں امام، پیشوا اور سردار۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے متعلق سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے: ان اللہ یبشرک بیحیی مصدقا بکلمۃ من اللہ و سیدا و حصورا و نبیا من الصلحین۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو آج ہمارے یہاں سید کہتے ہیں وہ یہیں

سے لیا گیا ہے۔ سید کے متعلق بعض کا قول یہ ہے کہ سید وہ ہے جس کا غصہ اس کی عقل پر غالب نہ ہو۔ بعض نے فرمایا سید وہ ہے جو خیر و برکات میں دوسروں سے بڑھ کر ہو۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا: ان ابنی هذه سید۔ میرا یہ بیٹا سید ہے۔ اسی طرح دوسری روایت میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے متعلق فرمایا: الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنه۔ یعنی حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ان ہی احادیث کریمہ کے پیش نظر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد کو لفظ سید سے پکارا جانے لگا۔ دوسرے اس لیے کہ سید کے معنی سردار کے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے سید المرسلین۔ یہ حضرات ان کی اولاد میں ہیں تو رسولوں کے سردار کی اولاد بھی مسلمانوں کی سردار کہلاتی ہے۔ حضور نبیوں کے سردار، حضرت علی شیر خدا ولیوں کے سردار، حضرت فاطمہ زہرا مسلمان بیبیوں کی سردار اور حضرات حسنین کریمین جنت کے جوانوں اور شہیدوں کے سردار۔

حضرت علی شیر خدا کی وہ اولاد جو حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ہے اسے عرف عام میں سید کہتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو دوسری بیویوں کے بطن سے ہے اسے علوی کہتے ہیں سید نہیں کہتے جیسے محمد بن حنفیہ وغیرہم۔

اور سید وہ ہوگا جس کا باپ سید ہوگا۔ اگر ماں سیدانی ہے اور باپ غیر سید تو وہ سید نہیں کیونکہ نسب باپ سے ہوتا ہے ماں سے نہیں۔ اور اگر باپ سید ہے اور ماں غیر سید، تو وہ سید ہے۔ اور اگر ماں باپ دونوں سید ہیں تو وہ نجیب الطرفین سید ہے۔ جیسے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے والد حسنی سید ہیں اور والدہ حسینی سید ہیں۔ فی زمانہ حسنی سید کم اور حسینی سید زیادہ ہیں مگر دونوں واجب التعظیم ہیں۔

نوٹ: فی زمانہ بہت سے اہل علم مسلمان مومن اپنے علماء کرام اور پیران عظام کو "سیدنا" کے نام سے یاد کرتے ہیں حالانکہ وہ سید نہیں ہوتے۔ تو اس کا معنی سردار یا

پیشوا یا امام کے کرنا چاہیے یعنی اس سے مراد ہمارے سردار، یا ہمارے پیشوا یا ہمارے امام ہوتے ہیں۔ جیسے سیدنا اعلیٰ حضرت یا سیدنا حضور مفتی اعظم ہند وغیرہ۔

فی زمانہ نقلی سید بہت بن گئے ہیں کہ سید نہیں مگر اپنے آپ کو سید کہلاتے ہیں۔ یہ سخت حرام اور شدید ترین جرم ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ و الناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیمہ صرفا و لا عدلا۔ (فتویٰ رضویہ: ج ۵ ص ۶۶۷)

یعنی جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر خدا اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔

سید زادوں کے فضائل

(۱) تقی بن فہد حافظ ہاشمی مکی نے بیان کیا ہے کہ میرے پاس شریف (سید) عقیل بن عقیل آئے۔ انہوں نے مجھ سے رات کا کھانا طلب کیا۔ میں نے معذرت کی اور کچھ نہ دیا۔ اسی رات یا دوسری رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا حضور میں آپ کی حدیث کا خادم ہوں آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تجھ سے کیوں اعراض نہ کروں۔ میرا بچہ تجھ سے رات کا کھانا طلب کرتا ہے اور تو اسے کھانا نہیں دیتا۔ وہ کہتے ہیں صبح ہوئی تو میں نے اس شریف سید صاحب کے پاس جا کر معذرت کی اور جو حاضر تھا وہ دے دیا اور ان سے حسن سلوک بھی کیا۔ (صواعق محرقہ ص ۸۰۶)

(۲) حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ ایک بڑے مجمع کے ساتھ مسجد سے نکلے تو ایک سید زادے نے کہا اے عبداللہ! یہ کیسا مجمع ہے؟ دیکھ میں فرزند رسول ہوں اور تیرا باپ تو ایسا نہ تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک نے جواب دیا۔ میں وہ کام کرتا

ہوں جو تمہارے ناناجان نے کیا تھا اور تم نہیں کرتے۔ اور یہ بھی کہا کہ بے شک تم سید ہو اور تمہارے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میرا والد ایسا نہ تھا۔ مگر تمہارے والد سے علم کی میراث باقی رہی۔ میں نے تمہارے والد کی میراث لی۔ میں عزیز و بزرگ ہو گیا۔ تم نے میرے والد کی میراث لی۔ تم عزت نہ پا سکے۔

اسی رات خواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ چہرہ انور آپ کا متغیر ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ یہ رنجش کیوں ہے؟ فرمایا تم نے میرے ایک بیٹے پر نکتہ چینی کی ہے۔ عبداللہ بن مبارک جاگے اور اس سید زادے کی تلاش میں نکلے تاکہ اس سے معافی طلب کریں ادھر اس سید زادے نے بھی اسی رات کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضور نے اس سے یہ فرمایا: کہ بیٹا اگر تو اچھا ہوتا تو وہ تمہیں کیوں ایسا کلمہ کہتا۔ وہ سید زادے بھی جاگے اور حضرت عبداللہ بن مبارک کی تلاش میں نکلے۔ چنانچہ دونوں کی ملاقات ہو گئی اور دونوں نے اپنے اپنے خواب سنا کر ایک دوسرے سے معذرت طلب کر لی۔ (سچی حکایات حصہ ا ص ۹۳)

(۳) حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ آل رسول کی تعظیم و تکریم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: کہ سید سے جب تک کفر سرزد نہ ہو وہ واجب التعظیم ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ان کا گناہ بخشا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائے گا۔ اور انہیں موت سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرما دے گا۔ جیسا کہ آیت تطہیر سے ظاہر ہے۔

اسی طرح اہل بیت نبوت کے فاسق کی عزت ان کے فسق اور بے عملی کی وجہ سے نہیں کی جاتی ہے بلکہ ان کی مبارک نسبت جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے اس کی بنا پر کی جاتی ہے۔ اس لیے ان کا فاسق ہونا انہیں اہل بیت نبوت سے خارج نہیں کردے گا۔

حضرت ابو محمد فاس رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے بعض حسینی سیدوں سے ان کے فسق کی وجہ سے بغض و عناد رکھتے تھے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان کو فرمایا: اے ابو محمد فاس! کیا بات ہے میری اولاد سے بغض رکھتے ہو۔

انہوں نے کہا یا رسول اللہ، وہ آپ کی سنت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس لیے میں ان سے محبت نہیں کرتا۔ حضور نے فرمایا کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں کہ نافرمان اولاد نسب سے وابستہ رہتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا یہ نافرمان اولاد ہے۔ حضرت ابو محمد فاسی فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا تو میرے دل سے ان کی عداوت دور ہو چکی تھی۔ پھر تو میں ان میں سے جب بھی ملتا ان کی خوب تعظیم و تکریم کرتا۔ (خطبات محرم ص ۲۵۰)

سید حضرات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی کو اپنے مدنظر رکھیں کہ سنت کے خلاف عمل کرنے والے کو آپ اپنی نافرمان اولاد فرمایا ہے۔ اور جبکہ عام والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے تو سادات کرام اپنے جد اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کریں تو کیا حال ہو گا۔

اسی لیے بعض محققین فرماتے ہیں کہ خدانخواستہ اگر کسی سید سے زنا، شراب خوری یا چوری جیسا جرم سرزد ہو جائے اور اس پر حد جاری کرنے کا موقعہ آئے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ شہزادے کے بدن پر دھول لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل بیت کی تعظیم و تکریم کی توفیق عطا فرمائے۔ اور زندہ رہیں تو ان کی محبت میں۔ اور اس دنیا سے جائیں تو ان کی محبت میں انتقال ہو۔ آمین۔

صحابی کسے کہتے ہیں

صحابی وہ خوش نصیب مومن ہیں جنہوں نے ایمان و ہوش کی حالت میں حضور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھا یا انہیں حضور کی صحبت نصیب ہوئی ہو، پھر ان کو ایمان پر خاتمہ بھی نصیب ہوا ہو۔ لہٰذا حضرت ابراہیم و طیب و طاہر فرزندانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو بچپن ہی میں وفات پا گئے صحابی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے شیر خوارگی میں حضور کو دیکھا جبکہ ہوش نہیں ہوتا اور حضرت سیدنا عبداللہ ابن مکتوم نابینا صحابی ہیں۔ کیونکہ وہ بزرگ اگرچہ نابینا ہونے کی وجہ سے حضور کو دیکھ نہ سکے مگر اس صحبت میں حاضر تو ہوئے۔

اور جو لوگ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو کر مرے جیسے مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آنے والے، وہ صحابی نہیں۔ کیونکہ صحابیت میں ایمان پر خاتمہ ہونے کی شرط ہے۔ البتہ وہ لوگ جو مرتد ہو کر پھر ایمان لے آئے جیسے اشعث بن قیس یا زمانہ صدیقی میں زکوٰۃ کے منکرین جو بعد میں تائب ہو گئے، وہ صحابی ہیں۔ (مراۃ المناجیح ص ۳۳۴، امیر معاویہ ص ۱۱)

مذہب اسلام میں نبوت کے بعد صحابیت سب سے بڑا درجہ ہے۔ پیغمبر کے بعد صحابی ہی اعلیٰ رتبے والے ہیں۔ تمام دنیا کے اولیاء، اقطاب و ابدال، غوث صحابی کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور کیوں نہ ہو کہ صحابی صحبت یافتہ حضور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صحابہ کرام کا معاملہ دنیا کے عام افراد کی طرح نہیں ہے کہ ان کے مقام و فضائل کا فیصلہ کسی تاریخ اور اس کے بیان کردہ حالات کے تابع کیا جائے۔ جیسا کہ کچھ منافق، رافضی اور خارجی امام عالی مقام اور حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے متعلق بکواس بکتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام ایک ایسے مقدس گروہ کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایک واسطہ ہیں۔ اس واسطے کے بغیر نہ امت کو قرآن کریم ہاتھ آسکتا ہے اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اور آپ کی تعلیمات کا علم ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی قرآن حکیم کی ان آیات کا، جو مجمل ہیں، جن کا بیان حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر چھوڑا گیا ہے۔ تو ایسے گروہ کے فضائل قرآن کریم اور احادیث کریمہ ہی سے مل سکتے ہیں۔ اور ان کے متعلق حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان فرمایا ہے اس کی حیثیت حرف آخر کی ہے تو اگر ایسے مقدس گروہ کے مقام کو کوئی منافق یا یزیدی تاریخی کتابوں سے بیان کر کے ان کی شان میں گستاخیاں کرے تو اس سے بڑا ظالم اور احسان فراموش کون ہو سکتا ہے۔

اور صحابہ کرام حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی کے ساتھی، آپ کی تعلیمات کو تمام دنیا میں پھیلانے والے اور اپنے اہل و عیال اور خود اپنی جان سے

زیادہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہنے والے اور آپ ایک اشارے پر اپنی جان و مال قربان کر دینے والے ہیں۔ ان کی سیرت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزء لاینفک ہے۔ اسی لیے آپ کا ارشاد گرامی ہے:

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ یعنی میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تو تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (مراۃ المناجیح: ص ۳۴۵)

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد فرمایا:

فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا۔ یعنی اپنے اوپر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کر لو۔ (اشعۃ اللمعات وابن ماجہ ج ا ص ۴۳)

اس لیے یہ مقدس گروہ عام لوگوں کی طرح صرف کتب تواریخ سے نہیں پہچانے جائیں گے بلکہ قرآن و احادیث کریمہ سے پہچانے جائیں گے۔

اس لیے ہم سب سے پہلے "صحابہ کرام کا مقام قرآن کی روشنی میں" پیش کریں گے۔ بعدہ ان کے فضائل جو صحیح احادیث کریمہ سے ثابت ہیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

صحابہ کرام اور قرآن حکیم

صحابہ کرام کے فضائل میں کثرت سے آیات قرآنیہ وارد ہوئی ہیں۔ یہ آیات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی خاص صحابی کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بارہ آیات، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں چار آیات حضرت علی مرتضٰی و حسنین کریمین و فاطمۃ الزہرا اور حضرت فضہ کے فضائل میں سورہ دہر کی پندرہ آیات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات کے فضائل میں سورہ احزاب کی آٹھ آیات، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا کے فضائل میں سورہ نور کی انیس آیات وغیرہ۔ اور دوسری قسم کی وہ آیات جو عام صحابہ کرام کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں، وہ بھی بہت ہیں۔ ہم بطور اختصار کچھ آیات پیش کریں گے جن سے ناظرین اپنے رب کا فرمان دیکھیں اور غور کریں کہ رب کریم نے کس شان سے صحابہ کرام کے تقویٰ، طہارت، ایمان، دیانت، صدق، امانت اور عدالت کا اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا۔ (الفتح: پ۲٦)

اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے۔

(کنزالایمان ص ۷۴۴)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی عبادات، ان کے رکوع اور سجدے اور ان کا آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہونا بیان فرما رہا ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں۔ صحابہ کرام کی وہ تمام جنگیں، چاہے وہ جنگ جمل ہو، یا جنگ صفین، یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے تھیں نفس کے لیے نہ تھیں۔ ان میں سے بعض کو غلط فہمی ہوئی تھی، بعض بالکل حق پر تھے۔ مگر جن سے غلطی ہوئی وہ اجتہادی تھی جو شرعاً جرم نہیں۔ اس کا کھلا ہوا ثبوت ان امور سے ملتا ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جنگ جمل میں شکست دی۔ اور جب حضرت عائشہ کا اونٹ جس پر آپ سوار تھیں گرا دیا گیا تو انہیں گرفتار نہ کیا بلکہ نہایت احترام و عزت کے ساتھ والدہ محترمہ کا سا ادب فرماتے ہوئے مدینہ منورہ واپس پہنچا دیا۔ نہ ان کے مال پر قبضہ فرمایا اور نہ ان کے کسی سپاہی پر کوئی سختی فرمائی۔ جب خوارج نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ نے دشمن پر قبضہ پا کر اسے چھوڑ کیوں دیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ بحکم قرآن ہماری ماں ہیں۔ رب فرماتا ہے: وازواجہ امھاتھم نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اور ماں قرآنی حکم سے بیٹے پر حرام ہے۔ قرآن پاک میں ہے حرمت علیکم امھاتکم تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں۔ اگر تم حضرت عائشہ کو ماں نہیں مانتے تو کافر اور اگر انہیں

ماں جان کر ان کو لونڈی بنا کر رکھنا جائز مانتے ہو تو کافر۔ (صواعق محرقہ ص ۱۵۷)

(ب) حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی اسے جنگ صفین کہتے ہیں۔ اور یہ جنگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کے لیے تھی۔ لیکن اس میں حضرت امیر معاویہ کو غلط فہمی ہوئی جس سے ایسی خطرناک جنگ کا معاملہ ہوگیا۔ لیکن جب صلح صفائی ہوگئی تو حضرت علی کے بھائی حضرت عقیل امیر معاویہ کے پاس گئے تو آپ نے ان کا بہت ادب واحترام کیا اور سالانہ ایک لاکھ کا وظیفہ مقرر فرمادیا۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ کے دربار میں ایک شاعر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں چند قصیدے پڑھے تو آپ بہت خوش ہوئے اور شاعر کو ایک ہزار اشرفی انعام میں دیا۔ کسی نے پوچھا کہ اے امیر! جب آپ حضرت علی کے ایسے معتقد ہیں تو آپ نے ان سے جنگ کیوں فرمائی؟ آپ نے فرمایا الملک عقیم یہ مذہبی جنگ نہیں ملکی معاملات کی جنگ ہے۔ یعنی خون حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۱۷)

طبرانی نے ایک صحیح روایت بیان فرمائی کہ کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جنگ صفین کے زمانہ میں امیر معاویہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

قتلانا و قتلا معاویہ فی الجنہ۔ ہمارے اور معاویہ کے مقتولین سب جنتی ہیں۔

نیز حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

اخوانتا بغو علینا۔ (حضرت امیر معاویہ ایک نظر میں ص ۴۳) معاویہ اور ان کے ساتھی ہمارے بھائی ہیں ہم سے بغاوت کر بیٹھے۔

صحابہ کرام کی آپسی جو لغزشیں ہوئیں ہیں ان کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے صحابہ سے جو لغزش ہوں گی ان کے ان سابقہ اعمال کی بناء پر جو میرے ساتھ انہوں نے کیے ہوں گے، اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ اس لغزش پر جب ایک قوم میرے بعد عمل کرے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔ (خصائص کبریٰ جلد دوم ص ۲۹۸)

صحابہ کرام کے آپسی مشاجرات کے بارے میں سیدنا غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ اپنی کتاب غنیتہ الطالبین ص۱۶۵ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان جو جنگ ہوئی اس کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس میں اور صحابہ کی تمام جنگوں میں بحث کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام کدورتوں کو قیامت کے دن دور فرمادے گا۔

اور حضرت علی ان صحابہ سے جنگ کرنے میں حق پر تھے اور جو ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے خارج ہوئے اور ان کے مقابل جنگ آزما ہوئے اس نے امام برحق سے بغاوت کی۔ لہٰذا اس سے جنگ جائز ہوئی۔ اور جن بزرگوں نے حضرت علی مرتضیٰ سے جنگ کی جیسے حضرت طلحہ، زبیر، امیر معاویہ انہوں نے حضرت عثمان غنی کے خون کے بدلے کا مطالبہ کیا جو کہ خلیفہ برحق اور مظلوم ہو کر شہید کیے گئے۔ اور عثمان کے قاتلین حضرت علی کی فوج میں شامل تھے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک صحیح تاویل کی طرف گئے۔

(امیر معاویہ پر ایک نظر ص۹۵)

اور اسی غنیتہ الطالبین کے ص۱۶۷ میں اہل سنت کا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام کی جنگوں میں بحث سے باز رہا جائے اور انہیں برا کہنے سے پرہیز کیا جائے۔ ان کے فضائل اور خوبیاں ظاہر کی جائیں اور ان بزرگوں کا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ جیسے وہ اختلافات جو حضرت علی اور حضرت عائشہ، معاویہ، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین میں واقع ہوئے۔ اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول جسے ملا علی قاری نے فقہ اکبر ص۸۵ میں نقل فرمایا ہے کہ:

نتولاھم جمیعا ولا تذکر الصحابہ الا بخیر۔	ہم اہل سنت تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور انہیں بھلائی سے ہی یاد کرتے ہیں۔

محترم قارئین! آپ نے حضرت سیدنا غوث پاک اور حضرت سیدنا امام اعظم

ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے اقوال پڑھ لیے۔ اب اگر آپ واقعی ان بزرگوں کے ماننے والے ہیں اور سچے پکے سنی حنفی ہیں تو صحابہ کرام کی جنگوں کے بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ اور اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے خدا اور رسول کی خوشنودی کے مستحق بنیں گے۔

آیت کریمہ والذین معہ اشداء علی الکفار سے حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روافض کے کفر کا مفہوم اخذ کیا ہے جو آپ کی ایک روایت میں بیان ہوا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ صحابہ سے بغض رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں: کیونکہ صحابہ ان لوگوں کو غصہ دلاتے ہیں اور جسے صحابہ غصہ دلائیں وہ کافر ہے۔ حضرت امام شافعی نے بھی روافض کے کفر میں آپ سے اتفاق کیا ہے۔ اسی طرح ائمہ کی ایک جماعت بھی آپ سے متفق ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۶۶۹)

والزمھم کلمۃ التقوی و کانوا احق بھا و اھلھا۔ (سورہ فتح: پ ۲۶)

اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اس کے اہل تھے۔ (کنزالایمان ص ۷۴۳)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کے لیے تقویٰ و طہارت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لیے روشنی اور آگ کے لیے گرمی۔ جیسے آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی، سورج کالا نہیں ہوتا۔ ایسے ہی کوئی صحابی فاسق یا غیر عادل نہیں ہو سکتا۔

وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ (سورہ فتح: پ ۲)

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں سے افضل، کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔ (کنزالایمان ص ۳۳)

حقیقتاً اس سے پہلی آیت اور اس آیت میں صحابہ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے بالمشافہ خطاب کیا گیا ہے۔ قدرت الٰہی پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عادل اور نیک بنایا ہے۔ تاکہ قیامت کے روز بقیہ امتوں پر گواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ غیر عادل اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد مرتد ہو جانے والوں کے بارے میں

کیسے اس قسم کی گواہی دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان رافضیوں کو ذلیل کرے اور ان پر لعنت کرے اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ یہ کس قدر جھوٹے، جاہل اور افتراء پردازی اور بہتان طرازی سے گواہی دینے والے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ سوائے چھ آدمیوں کے سب صحابہ رسول کریم کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ (صواعق محرقہ ص ۶۹۲)

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ۔

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے، جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔

(سورہ الفتح: پ۲۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ ان لوگوں سے اظہار رضامندی فرمایا ہے اور یہ کوئی چودہ سو کے قریب تھے۔ اور جس سے اللہ راضی ہو اس کی موت کفر پر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ آیت ملحدین اور منکرین قرآن کے مزعومات کی تردید کر رہی ہے۔ جبکہ قرآن پر ایمان لانے سے یہ بات ثابت و لازم ہوتی ہے کہ اس میں جو کچھ بیان ہے اس پر بھی ایمان لایا جائے۔ اور آپ کو یہ علم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم میں صحابہ کو خیرالامم، عادل اور نیک قرار دیا ہے اور یہ کہ اللہ ان سے راضی ہے۔ اب جو شخص ان کے متعلق ان باتوں کی تصدیق نہ کرے وہ قرآن کریم کا مکذب ہے اور جو قرآن کریم کی تکذیب کرے، جس کی کوئی تاویل نہ ہو سکے تو ایسا گروہ یا شخص کافر، منکر، ملحد اور دین سے خارج ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۶۹۲)

صحابہ کرام اور فرمانِ نبوی ﷺ

فضائل صحابہ کے سلسلے میں قرآن حکیم کی آیات کریمہ ابھی آپ نے پڑھیں۔ اب ہم فضائل صحابہ کے متعلق احادیث کریمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا:

لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ما بلغ مد احدهم ولا نصیفه۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۳۸۴)

میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو (برا نہ کہو) کیونکہ اگر تم میں کوئی احد (پہاڑ) بھر سونا خیرات کرے تو ان کے ایک مد یا نصف کے برابر بھی ثواب کو نہیں پہنچے گا۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تمس النار مسلما رانی او رای من رانی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۷۶۰)

اس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ومن اذی الله فیوشك ان یاخذه۔ (ترمذی ج ۲ ص ۷۶۲)

یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بناؤ۔ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے انہیں ستایا اور جس نے ان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائدا او نورا لھم یوم القیمہ۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۶۳)

میرا کوئی صحابی کسی زمین میں وفات نہیں پاتا مگر وہ قیامت کے دن ان کا پیشوا اور نور ہو گا۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۸)

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۶۳)

یعنی جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ وہ میرے صحابہ کی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں تو ان سے کہہ دو، تمہاری اس حرکت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام لا یصلح الطعام الا بالملح۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۸)

میرے صحابہ کی مثال میری امت میں کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے درست نہیں ہوتا۔

(۷) دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ میری امت کے کسی آدمی سے بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں میرے صحابہ کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۴۷)

(۸) حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا کہنے والوں پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے فرائض و نوافل کو بھی قبول نہیں فرمائے گا۔ (شفاء شریف ج ۲ ص ۴۸۸)

(۹) مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانے میں ایک قوم پیدا ہو گی جو میرے صحابہ کو گالی دے گی۔ تم ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی نماز جنازہ میں

شرکت کرنا۔ ان سے شادی بیاہ بھی نہ کرنا اور نہ ان کے پاس بیٹھنا۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرنا۔ نیز آپ نے فرمایا جو صحابہ کو برا کہے اس کو مارو۔ (شفاء شریف ج ۲ ص ۴۸۹)

نوٹ: ہمارے ملک میں خوجہ، بوہری، رافضی، شیعہ ہیں جو حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہ و حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں تبرہ بازی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کے حق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۱۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے اس کو قتل کردو۔ اور جو شخص میرے صحابہ میں سے کسی کو برا کہے اس کو سزا دو۔ (شفاء شریف ج ۲ ص ۳۸۳)

(۱۱) حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

ان اللہ اختارنی واختار لی اصحابا فجعل لی منھم وزراء وانصارا واصھارا فمن سبھم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکہ والناس اجمعین و لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۸۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لیے صحابہ کو منتخب فرمایا۔ پس ان کو میرا وزیر اور مددگار بنایا۔ جو ان کو برا کہے اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہ فرمائے گا۔

خلفائے راشدین کی فضیلت

علمائے اہلسنت و جماعت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور برحق امام ہیں۔ ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی اور ان کے

بعد حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان کے بعد عشرہ مبشرہ[1] ان کے بعد عام صحابہ اہل بدر، پھر اہل احد، پھر تمام بیعت الرضوان کے صحابہ، پھر وہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز پڑھی۔ پھر ان کے بعد فتح مکہ کے دن یا اس کے بعد ایمان لانے والے صحابہ افضل ہیں۔ ابو منصور بغدادی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۸، تکمیل الایمان ص ۲۵۴، امیر معاویہ ص ۱۲، شرح فقہ اکبر ص ۱۴۵)

دہ یار بہشتی اند قطعی
ابوبکر و عمر عثمان و علی
سعد است و سعید و بوعبیدہ
طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن

خلفائے راشدین کے فضائل بے شمار ہیں۔ ان بزرگوں کے ناموں کو رب تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قربت حاصل ہے کہ سبحان اللہ: لا الہ الا اللہ کے حروف بارہ ہیں۔ اسی طرح محمد رسول اللہ، ابوبکر الصدیق، عمر ابن الخطاب، عثمان ابن عفان، علی ابن ابی طالب تمام میں بارہ بارہ حروف ہی ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: خیر القرون قرنی۔ یعنی تمام زمانوں میں میرا زمانہ زیادہ بہتر ہے۔ قرنی میں ق سے اشارہ صدیق اکبر کی طرف ہے، ر سے عمر فاروق، ن سے عثمان غنی اور ی سے حضرت علی کی طرف اشارہ ہے۔ گویا ان بزرگوں کا زمانہ حضور ہی کا زمانہ ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عمر مبارک ۶۳ سال ہوئی۔ ان تمام خلفاء میں سے ہر ایک کی عمر بھی ۶۳ سال ہی ہوئی سوائے حضرت عثمان غنی کے۔ المختصر یہ کہ خلفائے راشدین کے مناقب میں جو آیاتِ قرآنیہ نازل ہوئی ہیں ان کو تحریر کریں گے۔ بعدہ، احادیث کریمہ اور ان کے حالاتِ زندگی پر بھی مختصراً روشنی ڈالیں گے۔

---

[1] یہ وہ دس خوش نصیب صحابہ ہیں جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی۔

خلیفہ اوّل

امیرالمومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سایہ مصطفےٰ مایہ اصطفا
عز و ناز خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقین سیّد المتقین
چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کا نام عبداللہ اور ابو بکر کنیت اور صدیق و عتیق لقب ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام عثمان اور ابو قحافہ کنیت ہے۔ اور والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عبداللہ ابن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب القرشی التیمی۔ آپ کا نسب مرہ بن کعب پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

آپ کا لقب صدیق ہے اس کے پانے کے متعلق تحریر ہے کہ معراج کی صبح کو واقعہ معراج کی شاندار تصدیق کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق فرمایا۔ اور حضرت بلال کو آزاد کرنے کے بعد آپ کو عتیق یعنی جہنم سے آزاد کا لقب ملا۔ آپ کے فضائل آسمان کے تاروں اور زمین کے ذروں کی طرح بے شمار ہیں۔ بعد انبیاء آپ افضل الخلق ہیں۔ آپ کے اسلام لانے کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے پہلے پہل جس شخص کو بھی دعوت اسلام دی، اس نے تھوڑا بہت تامل و توقف کیا لیکن ابو بکر ہیں کے دعوت اسلام کے بعد فوراً بغیر دلیل و برہان کے مجھ پر ایمان لے آئے۔ اور میرے مصدق (تصدیق کرنے والے) بنے۔ (شواہد النبوۃ ص ۲۵۸)

سب سے پہلے آپ اسلام لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے۔ تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے سفید رنگ، دراز قد، دبلے بدن والے اور چوڑی پیشانی والے اس مرد مجاہد نے ہجرت کے لیے اپنے اہل و عیال کو خیرباد کہہ دیا۔ اور اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے۔ غار ثور اور تمام راستے آپ کی خدمت میں رہے۔ صلح حدیبیہ میں مکہ شریف میں داخل نہ ہونے کے باعث لوگوں کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہوگئے تھے ان کا ارتفاع (دور کرنا) اور رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی سن کر کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا میں رہنے یا آخرت قبول کر لینے کا اختیار دیا ہے" آپ کا آہ و زاری کرنا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت صحابہ

کرام کی تسکین کی خاطر کے لیے آپ کی استقامت اور خطبے کے ذریعے ان میں تسکین قلب پیدا کرنا۔ اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر بار خلافت قبول کر لینا۔ مرتدین سے جنگ کے لیے حضرت اسامہ بن زید کی قیادت میں شام کی جانب لشکر روانہ کرنا اور اس عزم پر ثابت قدم رہنا۔ صحابہ کرام کو بہ ثبوت و دلائل حق سے آگاہ کرنا۔ اور مرتدین کی جنگ میں ان کو اپنا ہمنوا بنانا۔ مملکت شام کی جانب فوجوں کو روانہ کرنا پھر اس لشکر کی فتح ہونا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اہم فضائل ہیں۔ نیز حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنا یہ بہت بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے قرآن شریف کو جمع فرمایا اور کتابی شکل دی۔ بعدہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو قرآن شریف کتابی شکل میں جمع فرمایا یہ وہی قرآن پاک تھا جسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتابی شکل دی تھی۔

آپ اور آپ کے ماں باپ آپ کی ساری اولاد' اور آپ کی اولاد کی اولاد سب صحابی ہیں۔ یہ شرف کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ ہی نے مسجد نبوی کی اصل زمین دس دینار میں خرید کر وقف کی۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص ۵۴)

آپ کی ولادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے دو سال دو ماہ بعد مکہ میں ہوئی اور ترسٹھ سال کی عمر پا کر ۲۲ جمادی الاخری شب منگل ۱۳ھ میں مغرب و عشاء کے درمیان مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور بلافصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت صدیق اکبر اور آیات قرآنی

قارئین کرام! حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں قرآن کریم میں بہت سی آیات کا نزول ہوا ہے۔ ہم ان میں سے چند آیات کریمہ لکھنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

الا تنصروه فقد نصره الله اذا اخرجه الذین کفروا ثانی اثنین اذهما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سکینته علیه وایده بجنود لم تروها وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ الله هی العلیا والله عزیز حکیم۔ (التوبہ: ع ۱۲ پ ۱۰)

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔ جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا۔ صرف دو (۲) جان سے، جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں۔ اور کافروں کی بات نیچے ڈالی۔ اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ میں صاحب سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سکینہ (سکون خاطر و تسلی) تو کبھی زائل نہ ہوا۔ بس جن پر سکینہ نازل ہوا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری ص ۸۵)

بہرحال یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں بالکل واضح بیان ہے۔ اور آپ صحابی رسول ہیں اس پر بھی نص قطعی ہے۔ اسی لیے حضرت حسن بن فضل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے، وہ نص قرآنی کے انکار کرنے کے سبب کافر ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۱ و صواعق محرقہ ص ۲۳۰) عربی عبارت یہ ہے من قال ان ابابکر لم یکن صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فهو کافر لانکاره نص القرآن۔ (تفسیر کبیر الجزء السادس عشر ص ۶۲)

(۲) وسيجنبها الا تقى الذى يوتى ماله يتزكى○ وما لاحد عنده من نعمة تجزى الا ابتغاء وجه ربه الاعلى۔ (واللیل: پ۳۰)

اور بہت اس سے (جہنم سے) دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار، جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔ اور کسی کا اس پر کچھ احسان جس کا بدلہ دیا جائے، صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے۔ (کنزالایمان ص۸۶۸)

یہ آیت کریمہ بھی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر الجزء الحادی والثلاثون ص۲۰۵، تفسیر مرادیہ ص۲۳۵)

صاحب صواعق محرقہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ ساری امت سے زیادہ اتقی (پرہیزگار) ہیں اور اتقی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اكرمكم عندالله اتقاكم۔

یعنی بے شک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان دونوں آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک تمام امت سے زیادہ مکرم اور عزت والے ہیں۔ (صواعق محرقہ ص۲۲۸)

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر خزائن العرفان اور حضرت امام رازی تفسیر کبیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو زر کثیر دے کر آزاد کروا لیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا حضرت صدیق اکبر نے ایسا اس لیے کیا کہ بلال کا ان پر کوئی احسان ہے جو اتنی کثیر رقم دے کر خریدا اور آزاد کر دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ بلال کا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ کام ابوبکر نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا ہے۔ (تفسیر کبیر الجزء الحادی والثلاثون ص۲۰۶)

(۳) والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون۔ (الزمر: پ ۲۴)

اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں۔ (کنزالایمان ص ۶۶۸)

یہ آیت کریمہ بھی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعلان کر رہی ہے۔ جیسا کہ بزار اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حق لانے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حق کی تصدیق کرنے والے آپ کے یار غار حضرت سیدنا صدیق اکبر ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۲۳۱)

صاحب تفسیر کبیر امام رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر الجزء السادس والعشرون ص ۲۷۹ میں اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ان المراد شخص واحد فالذی جاء بالصدق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) والذی صدق بہ ھو ابوبکر وھذا القول مروی عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وجماعۃ من المفسرین رضی اللہ عنھم۔

یعنی اس سے ایک ہی شخص مراد ہے کہ جاء بالصدق۔ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور والذی صدق بہ۔ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اور یہ قول حضرت سیدنا علی ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین کا ہے۔

لہٰذا ان مفسرین کرام کی تفاسیر سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی متقی فرمایا ہے۔ اسی لیے آپ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام متقیوں کے سردار اور سید المتقین ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اسی لیے تو فرماتے ہیں:

اصدق الصادقین سید المتقین
چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

(۴) لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجه من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعدالله الحسنی والله بما تعملون خبیر۔ (الحدید: پ ۲۷)

تم میں برابر نہیں، وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان ص ۷۷۹)

کلبی نے کہا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ کیونکہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام لائے اور پہلے وہ شخص ہیں جس نے راہ خدا میں مال خرچ کیا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت کی۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۷۷۹)

صاحب تفسیر حسینی قادری اپنی تفسیر کے ص ۵۰۸ پر اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس واسطے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جو ایمان لائے اور خرچ کیا اور کافروں سے جنگ کی۔

ابن حزم نے کہا کہ تمام صحابہ قطعی طور پر جنتی ہیں اور مذکورہ بالا آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (صواعق محرقہ ص ۶۹۸)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ

امیرالمومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں کثرت سے احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

(ا) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

من انفق زوجین من شئی من الاشیاء فی سبیل الله

جو اللہ کی راہ میں ایک چیز کا جوڑا خرچ کرے تو اللہ اسے جنت کے سب

دعی من ابواب یعنی الجنه یا عبدالله هذا خیر فمن کان من اهل الصلوٰة دعی من باب الصلوٰه ومن کان من اهل الجهاد دعی من باب الجهاد ومن کان من اهل الصدقه دعی من باب الصدقه ومن کان من اهل الصیام دعی من باب الصیام باب الریان فقال ابوبکر ما علی هذا الذی یدعی من تلک الابواب من ضروره وقال هل یدعی منها کلها احد یارسول الله قال نعم وارجوا ان تکون منهم یا ابابکر۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۳۸۰)

دروازوں سے بلائے گا۔ جو مجاہد ہے اسے جہاد والے دروازے سے، جو خیرات کرتا ہے اسے خیرات والے دروازے سے، اور جو روزے رکھے گا اسے روزوں والے باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر کہنے لگے جو ان سارے دروازوں سے بلائے جائے تو اسے خدشہ ہی کیا پھر عرض گزار ہوئے یارسول اللہ! کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ فرمایا: ہاں اے ابوبکر مجھے امید ہے تم ایسے لوگوں میں سے ہو۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

ما لاحد عند نایدٍ الا وقد کافیناه ما خلا ابابکر فان له عند نایدا یکا فیه الله بها یوم القیمه وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا الا وان

ہم پر کسی کا احسان نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ کر دیا سوا ابوبکر کے ہم پر ان کا احسان ہے کہ اللہ انہیں اس کا بدلہ قیامت کے دن دے گا۔ اور مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے دیا۔ اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا: خیال رکھو کہ تمہارے صاحب اللہ

صاحبکم خلیل اللہ۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۸۸) کے دوست ہیں۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت صاحبی فے الغار وانت صاحبی علی الحوض۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۹۲) تم میرے غار ثور کے ساتھی ہو اور حوض پر بھی میرے ساتھ رہو گے۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا:

انت عتیق من النار۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۹۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے جہنم سے آزاد فرمادیا ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اسی روز سے میرے والد کا نام عتیق ہو گیا۔

(۵) ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنہ من امتی۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵۷) یعنی اے ابوبکر سن لو کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔

(۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی شخص کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں گی؟ فرمایا ہاں، وہ عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں اتنی ہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پھر پوچھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں کہاں گئیں؟ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

انما جمیع حسنات عمر لحسنه واحده من حسنات ابی بکر۔ (مراۃ المناجیح ص ۳۹۰)

یعنی عمر رضی اللہ عنہ کی ساری عمر کی نیکیاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔

(۷) ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حب ابی بکر وشکرہ واجب علی کل امتی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۱)

یعنی ابوبکر سے محبت کرنا اور ان کا شکریہ ادا کرنا میری پوری امت پر واجب ہے۔

(۸) ابن عساکر نے حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں کچھ بدمزگی ہوگئی۔ حضرت ابوبکر فہیم و ہوشمند تھے۔ دوسرے حضرت عقیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت دار بھی تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان سے کچھ نہ کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت ابوبکر کی شکایت سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین میں کھڑے ہوئے اور فرمایا:

الا تدعون لی صاحبی ما شانکم وشانہ فواللہ ما منکم رجل الا علی باب بیتہ ظلمہ الا باب ابی بکر فان علی بابہ النور فواللہ لقد قلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت وامسکتم الاموال وجادلی بمالہ وخذلتمونی وواسانی واتبعنی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۷)

یعنی لوگو! تم میرے دوست کو میرے لیے چھوڑ دو۔ تمہاری حیثیت کیا ہے اور ان کی حیثیت کیا ہے (تم کو اس کا کچھ اندازہ ہے) بخدا تم سب لوگوں کے دروازوں پر اندھیرا ہے لیکن ابوبکر کا دروازہ نورانی ہے۔ خدائے ذوالجلال کی قسم! تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکر نے میری تصدیق کی۔ اسلام کے لیے تم نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا اور ابوبکر نے مال خرچ کیا۔ اور تم لوگوں نے میری مدد نہیں کی مگر ابوبکر

نے میری غم خواری کی اور میری اتباع کی۔

یہ چند حدیثیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کریم کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔ بعدہ آپ کی خلافت پر احادیث کریمہ پیش کی جائیں گی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر آیات قرآنی

خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استدلال علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس آیت کریمہ سے کیا ہے:

یایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ۔ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین۔ یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔ (المائدہ: پ٦)

اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ کو ایسے لوگوں کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ (کنزالایمان)

علمائے کرام نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ قوم سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہی ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال فرمانے کے بعد جب کچھ عرب مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکر اور ان کے اصحاب ہی نے ان سے جہاد کیا اور پھر ان کو مسلمان بنایا۔

یونس بن بکیر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو عرب کے بہت سے لوگ مرتد ہو گئے حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔ اس زمانے میں ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ آیت کریمہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ۔ حضرت ابوبکر اور ان کے اصحاب کی ہی شان میں نازل ہوئی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸)

بیہقی نے حضرت حسن بصری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ اس آیت سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۷۵)

صاحب تفسیر حسینی نے تیسیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق ہیں کہ آیت کریمہ میں قوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے یار مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم ہیں کہ انہوں نے مرتدوں سے جنگ کی۔ (تفسیر حسینی ج ۱ ص ۲۳۱)

(۲) آپ کی خلافت پر دلالت کرنے والی دوسری آیت یہ ہے:

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون فان تطیعوا یوتکم اللہ اجرا حسنا وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما۔ (الفتح: پ ۲۶ ع ۱۰)

ان پیچھے رہ گئے ہوئے گنواروں سے فرماؤ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں پھر اگر تم فرمان مانو گے اللہ تمہیں اچھا ثواب دے گا اور اگر پھر جاؤ گے جیسا پہلے پھر گئے تو تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ (کنز الایمان ص ۷۴۱)

صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس قوم سے بنی حنیفہ یمامہ کے رہنے والے جو مسیلمہ کذاب کی قوم کے لوگ ہیں وہ مراد ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ فرمائی۔ اور یہ آیت کریمہ شیخین جلیلین حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے صحت خلافت کی دلیل ہے کہ ان کی اطاعت پر جنت کا اور مخالفت پر جہنم کا وعدہ ہے۔ (خزائن العرفان ص ۷۴۱)

ابن ابی حاتم اور ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حجت اور واضح دلیل ہے کیونکہ آپ ہی نے مرتدین سے قتال کرنے کی دعوت دی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸)

امام اہلسنت حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعباس بن شریح سے سنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے اس لیے کہ تمام علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جن لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور مرتد ہو گئے تھے ان لوگوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ کی۔ پس یہ آیت آپ کی خلافت پر دلالت کرتی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸ صواعق محرقہ ص ۸۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر احادیث کریمہ

خلیفتہ المسلمین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کثرت سے احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم ان میں سے چند پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک عورت حاضر ہوئی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا ان خاتون نے عرض کیا اگر میں پھر آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ اس کی مراد شاید وفات سے تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان لم تجدینی فاتی ابابکر۔ "اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آ جانا۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۳۷۸)

بخاری شریف کے علاوہ مشکوٰۃ، ترمذی، تاریخ الخلفاء اور صواعق محرقہ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اور اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اول ہونا ثابت ہے۔

(۲) ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ

ایک خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں جو آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتی تھیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ پھر آنا۔ انہوں نے کہا اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں اور حضور کا وصال ہو چکا ہو۔ تب آپ نے فرمایا:

ان جئت فلم تجدینی فأت ابی بکر الخلیفه من بعدی۔

اگر تم آؤ اور مجھ کو نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس آنا۔ میرے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۲۴ صواعق محرقہ ص ۸۵)

(۳) مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے دوران فرمایا کہ:

ادعی لی ابابکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمن متمن ویقول قائل انا۔ ولا یاتی اللہ والمومنون الا ابابکر۔

یعنی تم اپنے والد اور بھائی کو بلا لو تاکہ میں کچھ انہیں لکھ کر دے دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے یا کہنے والا کہے کہ میں (خلافت کا مستحق ہوں) پھر فرمایا کہ رہنے دو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور مومنین حضرت ابو بکر کے علاوہ کسی سے راضی نہ ہوں گے۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ ص ۳۴۸۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۴۔ صواعق محرقہ ص ۹۴ مظاہر حق ج ۴ ص ۹۲، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۱)

احمد اور دوسرے محدثین نے اسی حدیث کو ان الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کو بلا لو تاکہ ابو بکر کے لیے ایک وصیت (دستاویز) لکھ دوں کہ تاکہ میرے بعد ان سے کوئی اختلاف نہ کرے۔ پھر فرمایا اچھا رہنے دو کہ ابو بکر کے معاملے میں مومنین اختلاف نہ کریں گے۔

(صواعق محرقہ ص ۹۴۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۴۔ شرح فقہ اکبر ص ۷۴)

مظاہر حق نے قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث اجود ہے اس میں اشارہ ہے کہ میرے بعد خلافت کے حقدار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور شیعہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اور وصیت کا ان کے حق میں کرتے ہیں وہ محض باطل ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۹۲)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا ینبغی لقوم فیهم ابوبکر ان یومهم غیره۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۹۳)	یعنی جس قوم میں ابوبکر ہوں انہیں لائق نہیں کہ ان کی امامت ابوبکر کے سوائے کوئی اور کرے۔

اس حدیث پاک سے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ کرام جن میں حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی شامل ہیں ان سب کی موجودگی کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت کے لیے فرما رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ تمام صحابہ سے افضل اور اعلم قرآن تھے۔ کیونکہ امام اسی کو بنایا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عالم اور افضل ہو۔ معراج میں سارے نبیوں کی امامت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کیونکہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل اور بڑے عالم تھے۔ اور حضرت صدیق اکبر کا امامت کے لیے اپنی موجودگی میں آگے بڑھانا آپ کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں کہ اے صدیق اکبر آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمارے دین میں ہمارا پیشوا بنا دیا تو دنیا میں آپ کو (خلافت کے لیے) پیچھے کرنے والا کون ہے۔ (مراۃ المناجیح ص ۳۵۵ مظاہر حق ص ۹۴ ج ۴)

(۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۸۹)

یعنی میرے بعد ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی اقتداء کرو۔

اس حدیث پاک سے تو بالکل واضح طور پر حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا ثبوت مل رہا ہے۔ اور پھر اس میں بھی اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام مبارک ہے اس کے بعد حضرت عمر فاروق کا یعنی پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق ہوں گے اس کے بعد حضرت عمر و فاروق۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی المصطلق کے سفیروں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ سے پوچھوں کہ اگر آئندہ سال آئیں اور آپ کو نہ پائیں تو صدقات کس کو دیں؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں سے کہہ دو کہ اپنے صدقات ابوبکر کو دیں۔ میں نے ان کو یہ بات پہنچا دی تو انہوں نے کہا کہ اگر ابوبکر کو نہ پائیں تو پھر صدقات کس کو دیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا عمر کو دیں۔ میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ اگر عمر کو نہ پائیں تو کس کو دیں۔ آپ نے فرمایا عثمان کو دیں اور جس روز عثمان شہید ہوں اس روز تمہیں ہلاکت ہو۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۹۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع فرمائی تو پہلا پتھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا۔ پھر بحکم نبی ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر اٹھایا۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر اٹھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اصحاب میرے بعد خلفاء ہوں گے۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۱۸۹)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجماع

اسد السنہ نے فضائل میں معاویہ بن قرہ کے حوالے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کبھی شک نہیں کیا۔ اور وہ آپ کو ہمیشہ خلیفہ رسول اللہ ہی کہتے رہے۔ علاوہ زیں صحابہ کرام کا اجماع کبھی بھی خطا اور ضلال پر نہیں ہو سکتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲۹)

حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عام مسلمانوں نے جس چیز کو اچھا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس چیز کو عام مسلمانوں نے برا جانا وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ اور چونکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو احسن اور پسندیدہ سمجھا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی احسن ہے۔ اور حاکم ہی نے مستدرک اور ذہبی نے اپنی صحیح میں مراۃ الطیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوسفیان ابن حرب ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ انہوں نے قریش کے ایک معمولی آدمی سے بیعت کر لی (یعنی حضرت ابوبکر صدیق سے) اگر آپ چاہتے تو آپ کو بہت آسانی سے یہ خلافت مل جاتی۔ تو حضرت علی نے فرمایا: ابوسفیان! تم اسلام اور مسلمانوں دونوں کے دشمن ہو۔ مجھے تو ابوبکر کی خلافت میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی کیونکہ وہ ہر طرح اس کے اہل تھے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے رافضی، شیعہ، بوہرہ اور دیگر دشمنان صدیق کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ خلافت کے حق دار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرنے والے کافر ہیں

حضور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق و امام مطلق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی، پھر حضرت مولیٰ علی۔ پھر چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم ہوئے۔ ان حضرات کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نیابت کا پورا پورا حق ادا فرمایا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق اور آپ کے بعد دونوں خلفاء راشدین کو حضرت علی حضرت امام حسن اور امام حسین نے قبول فرمایا اور ان کے ماتحت رہ کر جنگیں لڑیں اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ لیکن فرقہ روافض و فرقہ امامیہ نے حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کیا۔ اور ان کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں اور نازیبا الفاظ بکتے رہے۔ ہم اس سلسلے میں قدوۃ المحققین سند المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ عزیزیہ سے چند اقتباس پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

بلاشبہ فرقہ امامیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے منکر ہے اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے انکار کرے تو وہ اجماع قطعی کا منکر ہوا اور وہ کافر ہو گیا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللہ فهو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجهه	یعنی رافضی جو برا کہتا ہو حضرات شیخین کو اور ان حضرات پر لعنت بھیجتا ہو نعوذ باللہ من ذالک تو وہ کافر ہے۔ اور اگر برا نہ کہتا ہو مگر اس امر کا قائل ہو کہ حضرت

الکریم علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لا یکون کافرا لکنہ مبتدع ولو قذف عائشہ رضی اللہ عنہا بالزنا فقد کفر۔

ابوبکر پر حضرت علی کو فضیلت ہے تو وہ کافر نہیں بدعتی ہے۔ اور اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں قذف کا مرتکب ہو تو وہ بھی کافر ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

من انکر امامہ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافرٌ وعلی قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذلک من انکر خلافہ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال۔

تو وہ کافر ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک وہ بدعتی ہے کافر نہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور ایسا ہی جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے امام ہونے سے انکار ہو تو زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی کافر ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۲۴۰)

صاحب بہار شریعت حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمہ بہار شریعت حصہ اول ص ۴۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی خلافت سے انکار فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے۔

روافض حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں تبرا بازی بھی کرتے ہیں۔ اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

حب ابی بکر وعمر ایمان وبغضھما کفر۔ و (مظاہر حق ج ۴ ص ۸۴)

یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی محبت ایمان کی علامت ہے۔ اور ان سے دشمنی کفر ہے۔

اور خلاصہ میں ہے کہ:

من انکر خلافہ الصدیق فھو کافر۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۸۴)

یعنی جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی

محبت و غلامی عطا فرمائے۔ اور آپ کے سچے جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت و الفت سے ہمارا دل منور و مجلی فرمادے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

خلیفہ دوم

حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

وہ عمر جس کے اعداء پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارقِ حق و باطل امام الہدیٰ
تیغ مسلولِ شدت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی، ہمزبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام
(سیّدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ)

نام ونسب

خلیفہ دوم کا نام عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ کے والد کا نام خطاب اور ماں کا نام عتمہ ہے جو ہشام بن مغیرہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔ آٹھویں پشت میں آپ کا شجرہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شجرہ سے ملتا ہے۔

آپ کا اسلام قبول کرنا

واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ اور نبوت کے چھٹے برس ستائیس برس کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے اسلام لائے۔

اللھم اعزالاسلام لعمر بن الخطاب خاصہ۔	الٰہ العالمین! عمر بن الخطاب سے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۸۳ بحوالہ حاکم)

آپ کے اسلام لانے پر آسمان کے فرشتوں نے خوشیاں منائیں۔ اور اسلام کی شان و شوکت میں اضافہ ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے جو حضرات اسلام لائے تھے وہ چھپ چھپ کر عبادت و بندگی کیا کرتے تھے لیکن جیسے ہی حضرت عمر فاروق مسلمان ہوئے آپ نے اعلان فرما دیا کہ اب اللہ تعالیٰ کی عبادت چھپ کر نہیں بلکہ کھلم کھلا ظاہر میں ہوگی۔ چنانچہ تمام مسلمان دو صفیں بنا کر نکلے۔ ایک صف کی قیادت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ایک صف کی قیادت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کی۔ اور اسی طرح صفوں کی شکل میں مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب قریش نے حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آتے دیکھا تو ان کو حد درجہ ملال ہوا۔ اسی روز سے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے آپ کو فاروق کا لقب مرحمت فرمایا کیونکہ اسلام ظاہر ہوا اور حق و باطل میں فرق پیدا ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۸۹)

آپ کا شمار اشراف و اکابر قریش میں ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کے خاندان سے کعبہ کی سفارت مختص اور مخصوص تھی۔ یعنی جب بھی قریشی خاندان کے درمیان یا کسی اور ملک سے جنگ ہوتی تھی تو آپ ہی کے خاندان کے افراد صلح و صفائی کے لیے سفیر بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ یا اگر کبھی تفاخر نسب کے اظہار کی ضرورت پیش آتی تو آپ ہی کے بزرگ اس کام کے لیے روانہ کیے جاتے تھے۔ آپ جس وقت ایمان لائے تو چالیس مرد اور گیارہ عورتیں اسلام قبول کر چکی تھیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ انتالیس مرد اور تیئس عورتیں مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ آپ کا شمار بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں بھی داخل ہیں۔ (یعنی وہ دس خوش نصیب صحابی جن کو دنیا میں جنت کی خوشخبری دی گئی۔) آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر (سسر) ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ علماء و زہاد صحابہ کرام میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ سے پانچ سو انتالیس حدیثیں مروی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۸۶)

عسکری کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جن کو امیر المومنین کے خطاب سے موسوم کیا گیا۔ آپ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے تاریخ و سال ہجری (سن ہجری) جاری کیا، بیت المال قائم کیا، ماہ رمضان میں تراویح کی نماز باجماعت جاری فرمائی، لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے راتوں کو آبادی کا گشت بذات خود آپ ہی نے شروع فرمایا، ہجو اور مذمت کرنے والوں پر حد جاری فرمائی، شراب پینے والوں پر اسی کوڑے لگوائے، متعہ کی حرمت کو عام کیا اور اسے روک دیا گیا۔ دفاتر قائم کیے اور وزارتیں متعین فرمائیں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کی۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اطال اللہ بقاءک اور ایدک اللہ کہہ کر دعا دی۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے درہ ایجاد کیا۔ شہروں میں قاضی مقرر فرمائے اور آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسجد نبوی شریف کو وسیع کرایا اور اس میں ٹاٹ کا

فرش بچھوایا' آپ ہی نے مقام ابراہیم کو اس جگہ قائم کیا جہاں وہ اب تک موجود ہے ورنہ پہلے وہ بیت اللہ سے ملا ہوا تھا' اور جتنی فتوحات آپ کے دور خلافت میں ہوئیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ غرضیکہ اس مرد مجاہد نے دس سال چھ مہینے اور پانچ دن بڑی ہی شان و شوکت کے ساتھ خلافت و نیابت رسول کا حق ادا کیا۔ اور ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز بدھ ۶۳ سال کی عمر پا کر مسجد نبوی شریف میں نماز فجر کے وقت ابولولوء کے زہر آلو خنجر سے تین کاری ضربیں لگیں۔ بے ہوش ہوئے جب ہوش آیا تو فرمایا الحمد للہ ایک کافر کے ہاتھ سے شہادت ملی۔ اور آپ کا وصال ہو گیا۔ گنبد خضراء میں پہلوئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تدفین کی گئی اور نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۱۵' ۲۱۶)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور قرآن حکیم

ابن مردویہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کچھ رائے (کسی اہم مسئلے میں) دیتے تھے قرآن حکیم کا حکم اسی کے مطابق نازل ہوتا تھا۔ ابن عساکر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں اکثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائیں موجود ہیں۔ ابن عمر رضی عنہ سے مروی ہے کہ اگر بعض امور میں لوگوں کی رائیں کچھ اور ہوتیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کچھ اور' تو قرآن شریف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے رب نے میری رائے سے اکیس جگہ قرآن کریم میں موافقت فرمائی ہے۔ ہم ان میں سے چند آیتوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) بخاری و مسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے رب نے میری رائے سے تین موقعوں پر اتفاق کیا۔ اول اس وقت کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کاش ہم مقام ابراہیم کو اپنی نماز کی جگہ بناتے۔ تو

اس کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی:

واتخذوا من مقام ابراھم مصلی۔ (البقرہ: پ۱ ع۱۵) یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔

دوم میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اور ازواج مطہرات بھی ہوتی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ ان کو پردہ کرنے کا حکم فرما دیں تو حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ اس گزارش کے بعد امہات المومنین کے لیے پردہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

سالتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب۔ (احزاب: پ۲۲ ع۴) یعنی اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر (سے) مانگو۔

سوم جب تمام ازواج مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (نان ونفقہ کی تنگی کے سلسلے میں) غیرت دلانے پر یک زبان اور متحد ہوگئیں تو میں نے کہا ممکن ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق دے دیں تو ان کا رب انہیں تم سے بہتر بیویاں دے دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بالکل میرے انہی الفاظ میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن۔ (التحریم: پ۲۸ ع۱۹) یعنی ان کا رب، قریب ہے کہ اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں کہ انہیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے اطاعت والیاں۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۹۷)

(۲) پہلی شریعتوں میں افطار کے بعد کھانا پینا، مجامعت کرنا صرف نماز عشاء تک حلال تھا۔ بعد نماز عشاء یہ سب چیزیں رات میں حرام ہو جاتی تھیں۔ یہ حکم زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک باقی تھا کہ اچانک رمضان المبارک میں بعد نماز عشاء رات میں بعض صحابہ کرام اور خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مباشرت وقوع میں آئی تو اس پر ان حضرات کو شرمندگی ہوئی اور بہت نادم ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم۔ (البقرہ: پ۲ع۷) — یعنی روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۱۹)

(۳) ابن حاتم نے بروایت عبدالرحمٰن بن ابو یعلیٰ بیان کیا ہے کہ ایک یہودی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملا اور آپ سے کہا کہ جبرئیل فرشتہ جس کا ذکر تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کرتے ہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من کان عدواللہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکل فان اللہ عدو للکفرین۔ (البقرہ: پ۱ ع۱۲) — یعنی جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

تو انہی الفاظ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۹۹) علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ اس آیت کریمہ کے آخری الفاظ فان اللہ عدو للکفرین سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور ملائکہ کی عداوت کفر اور غضب الٰہی کا موجب ہے اور محبوبان حق سے دشمنی خدا سے دشمنی کرنا ہے۔

(۴) بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا تو یہودی نے کہا چلو سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فیصلہ کرا لیں۔ منافق نے خیال کیا حضور تو بے رعایت محض حق فیصلہ دیں گے جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو گا۔ اس لیے اس نے باوجود مدعی ہونے کے یہ کہا کہ کعب بن اشرف یہودی کو پنچ بناؤ یہودی جانتا تھا کہ کعب رشوت خور آدمی ہے اس لیے اس نے باوجود ہم مذہب ہونے کے اس کو پنچ تسلیم نہ کیا۔ ناچار منافق کو فیصلے کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا پڑا۔ حضور نے جو فیصلہ دیا وہ یہودی کے موافق ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سننے کے بعد پھر وہ منافق یہودی کے درپے ہوا اور اسے مجبور کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ یہودی نے آپ سے عرض کیا کہ میرا اور اس کا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طے

فرما چکے ہیں لیکن یہ حضور کے فیصلے سے راضی نہیں ہوا۔ اب آپ سے فیصلہ چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا ٹھہرو، ہاں میں ابھی آکر اس کا فیصلہ کر دیتا ہوں۔ یہ فرما کر مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار لا کر اس منافق کو قتل کر دیا۔ اور فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے سے راضی نہ ہو اس کا میرے پاس یہ فیصلہ ہے۔ اسی دن حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب دیا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

الم تر الی الذین یزعمون انھم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ و یرید الشیطن ان یضلھم ضلالا بعیدا۔ (النساء: پ۵ ع۶)

یعنی کیا تم نے انہیں نہ دیکھا کہ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہارے اوپر اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا۔ پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے۔

(تفسیر کبیر مصری الجزء العاشر ص ۱۵۳، تفسیر حسینی ج ا ص ۱۷۵، تاریخ الخلفاء ص ۲۰۰)

پھر دوسرا شخص بھاگا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی اطلاع حضور کو پہنچائی۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تو عمر سے یہ امید نہیں کہ وہ کسی مومن کے قتل پر اس طرح جرات کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (النساء: پ۵ ع۶)

تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس منافق کے خون سے بری ہو گئے۔ اور اس

کا خون رائیگاں گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۰)

محترم قارئین! ان تمام باتوں سے اللہ تعالٰی کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عزت و عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے جو باتیں کیں اس کی موافقت میں اکثر و بیشتر آیتیں نازل ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات قرآنیہ ہیں۔ شائقین حضرات تاریخ الخلفاء تفسیر کبیر و صواعق محرقہ کا مطالعہ کریں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ

خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بینا انا نائم شربت یعنی اللبن حتی انظرو الی الری یجری فی ظفری او فی اظفاری ثم ناولت عمر فقالوا فما اولته قال العلم۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۳۸۸)

یعنی میں سو رہا تھا کہ دوران خواب میں نے اتنا دودھ پیا جس کی تازگی میرے ناخنوں سے بھی ظاہر ہونے لگی۔ پھر بچا ہوا (دودھ) میں نے عمر کو دے دیا۔ لوگ عرض گزار ہوئے کہ اس (دودھ) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا علم مراد ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۳۹۰)

یعنی تم سے پہلے امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میں سو رہا تھا کہ لوگوں کو میری خدمت میں پیش کیا گیا- وہ قمیض پہنے ہوئے تھے پس کسی کی قمیض تو سینے تک آتی تھی اور کسی کی اس سے بھی اونچی تھی- لیکن جب عمر کو میرے سامنے پیش کیا گیا تو ان کی قمیض زمین پر لٹک رہی تھی- لوگ عرض گذار ہوئے- یا رسول اللہ! آپ اس سے کیا تعبیر لیتے ہیں فرمایا: دین- (بخاری شریف ج ۲ ص ۳۹۱)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ- (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۹۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو جاری فرمادیا-

(۵) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

لو کان بعدی نبی لکان عمر ابن الخطاب- (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۹۷)

یعنی اگر میرے بعد نبی ہوتا تو جناب عمر ابن خطاب ہوتے-

(۶) طبرانی نے کبیر اور ابن عدی نے کامل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عمر معی و انا مع عمر و الحق بعدی مع عمر حیث کان- (صواعق محرقہ ص ۳۴۳، الدرر السنیہ ص ۲۴)

یعنی عمر میرے ساتھ ہے اور میں عمر کے ساتھ ہوں اور میرے بعد حق وہاں ہوگا جہاں عمر ہوگا- (رضی اللہ عنہ)

(۷) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اول من یصافحه الحق عمرواول من یسلم علیه واول من یاخذ بیده فیدخله الجنه۔ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۳)

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ عمر سے مصافحہ کرے گا اور سب سے پہلے عمر کو سلام کرے گا سب سے پہلے عمر کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل فرمائے گا۔

(۸) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یطلع علیکم رجل من اهل الجنه فاطلع ابوبکر ثم قال یطلع علیکم رجل من اهل الجنه فاطلع عمر۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۰۱)

یعنی ایک شخص تم میں آرہا ہے وہ جنتی ہے تو حضرت ابوبکر آئے۔ پھر فرمایا ایک شخص تم میں آرہا ہے وہ جنتی ہے تو حضرت عمر فاروق تشریف لائے۔ (رضی اللہ عنہما)۔

(۹) طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمر سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفہ پر عموماً اور عمر پر خصوصاً فخر و مباہات کی ہے۔ جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ہر ایک کی امت میں ایک محدث ضرور ہوا ہے اگر میری امت کا کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔ صحابہ کرام نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محدث کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی زبان سے ملائکہ گفتگو کریں۔
(تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴۔ خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۳)

(۱۰) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں جن وانس اور شیاطین کو عمر سے بھاگتے ہوئے دیکھتا ہوں۔
(ترمذی۔ ج ۲ ص ۷۵۷)

حضرت عمر فاروق، صحابہ کرام اور صلحاء امت رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور ہم ان سب میں حضرت عمر کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ سکینہ عمر کی زبان پر ناطق ہوتا ہے۔ اور طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ ہم لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ حضرت عمر فرشتے کی زبان سے ناطق ہوتے ہیں۔ (خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر مجھے عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر فرمایا تو لوگوں کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: میں نے تم سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنایا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ نہایت زود فہم، تیز طبع اور معاملہ فہم تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، حضرت علی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کے بعد اس چادر اوڑھنے والی ہستی کے اقوال سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۵)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگو! حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کون تھے وہ دونوں حضرات اسلام کے لیے بمنزلہ ماں باپ کے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھلائی کے ساتھ یاد نہ کرے تو میں ایسے شخص سے بالکل بیزار اور الگ ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تابوت میں رکھا گیا تو لوگوں کا جمگھٹا ہو گیا۔ آپ کا جنازہ اٹھنے سے پہلے لوگ دعائیں مانگتے اور نمازیں پڑھتے رہے اور میں بھی ان میں تھا۔ اچانک ایک شخص نے میرا کندھا پکڑ لیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عمر کے لیے دعائے رحمت کی اور فرمایا، آپ کے بعد ایسا کوئی شخص نہیں جو مجھے آپ کے برابر محبوب ہو کہ وہ خدا کی بارگاہ میں آپ جیسے عمل لے کر جائے۔ (بخاری شریف ج۲ ص۳۸۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت

امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ بات ہر صاحب عقل و فہم جانتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت سے حضرت عمر کی خلافت کی حقیقت لازم آتی ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت اجماع اور نصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ پس اس سے حضرت عمر کی خلافت کی حقیقت پر نصوص قرآن و حدیث اور اجماع لازم آتا ہے کیونکہ جو چیز اصل کے لیے ثابت ہے وہ فرع کے لیے ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ضمن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر چند حدیثیں پیش کی ہیں اس وقت ہم قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کی خلافت کو علامہ واقدی کی روایت سے بیان کر رہے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان سے فرمایا کہ تم عمر فاروق کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر بھی تمہاری ان کے بارے میں کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں تو وہ اس سے بڑھ کر ہیں جتنا آپ ان کے بارے میں خیال فرماتے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہی

بات دریافت فرمائی انہوں نے بھی یہی کہا کہ آپ ان کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جانتا ہے ہم لوگوں میں ان کا مثل موجود نہیں۔ پھر آپ نے سعید بن زید' اسید بن حضیر اور دوسرے انصار و مہاجرین حضرات سے بھی مشورہ لیا اور ان کی رائے معلوم کی۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ کے بعد عمر ہی وہ شخص ہیں جو اللہ کی رضا کو اپنی رضا سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس سے ناخوش ہوتا ہے وہ بھی اس سے ناخوش ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بھی اچھا ہے اور کار خلافت کے لیے ان سے زیادہ قوی اور مستعد کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد اور صحابہ کرام تشریف لائے۔ ان میں سے ایک نے حضرت صدیق سے عرض کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی سے آگاہی کے باوجود اگر آپ نے ان کو خلیفہ نامزد کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تم نے مجھ کو خوفزدہ کر دیا۔ لیکن میں بارگاہ الٰہی میں عرض کروں گا کہ یا الٰہ العالمین! میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین شخص کو خلیفہ منتخب کیا ہے اور جو کچھ میں نے کیا وہ اس سے بھی بالاتر ہیں۔ اور یہ جو کچھ میں نے کہا ہے تم دوسروں تک بھی پہنچا دینا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا' آپ لکھیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیت نامہ ہے جو ابوبکر بن قحافہ نے اپنے آخر عہد میں دنیا سے جاتے وقت اور عہد آخرت کے آغاز میں عالم بالا میں داخل ہوتے وقت لکھایا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور ایک کاذب بھی سچ بولتا ہے اور فاسق و فاجر بھی نور یقین حاصل کر لیتا ہے۔ لوگو! میں نے اپنے بعد تمہارے اوپر عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ ان کے احکام کو سننا اور ان کی تعمیل کرنا۔ میں نے حتی المقدور خدا اور اس کے رسول اور دین اسلام' اپنے نفس کی اور تمہاری خدمت کی ہے اور جہاں تک ممکن تھا تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) عدل و انصاف سے کام لیں گے۔ اور اگر ایسا ہوا تو میرے ظن و خیال کے مطابق ہو گا اور اگر وہ بدل جائیں تو ہر

شخص اپنے کیے کا جواب دہ ہوگا۔ البتہ میں نے تمہارے لیے نیکی اور بھلائی کا قصد کیا ہے اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

پھر آپ نے اس وصیت نامہ کو سربمہر کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور حضرت عثمان غنی اس کو لے کر چلے گئے اور لوگوں نے برضا و رغبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلوت میں بلا کر جو کچھ وصیتیں کرنا تھیں وہ کیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب چلے گئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا الٰہی یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اس سے میرا مقصود مسلمانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ تو اس امر سے واقف ہے کہ میں نے فتنہ و فساد کے انسداد کے لیے یہ کام کیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں اجتہاد سے کام لیا ہے۔ میں نے ان میں جو سب سے بہتر تھا اس کو ان کا والی بنایا ہے اور وہ ان میں سب سے زیادہ قوی اور نیکی پر حریص ہے۔ الٰہی میں تیرے حکم سے تیرے حضور حاضر ہو رہا ہوں الٰہی تو ہی اپنے بندوں کا مالک و مختار ہے اور ان کی باگ دوڑ تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ الٰہی ان (حاکموں) میں صلاحیت و درستی پیدا کرنا اور عمر کو خلفاء راشدین میں شامل کرنا اور عوام کو صالح زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمانا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۸)

ابن عساکر نے بروایت یسار بن حمزہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شدید علالت میں دریچہ (کھڑکی) سے سر باہر نکال کر لوگوں سے اس طرح خطاب فرمایا: اے لوگو! میں نے ایک شخص کو تم پر (خلیفہ) مقرر کیا ہے کیا تم اس انتخاب پر راضی ہو۔ لوگوں نے بالاتفاق کہا یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بالکل راضی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ وہ شخص اگر عمر نہیں ہیں تو ہم راضی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک وہ عمر ہی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۰)

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ جس شخص نے یہ خیال کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ خلافت کے

مستحق تھے تو اس نے صرف حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہی کو نہیں بلکہ تمام مہاجرین و انصار کو خطا کار ٹھہرایا اور حضرت شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرا سی بھی نیکی ہے وہ یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۶)

گستاخان ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سزائیں

امام مستغفری "دلائل النبوۃ" میں ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ کوفہ میں ایک شخص رہتا تھا جو حضرت سیدنا صدیق اکبر و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتا تھا۔ ایک دن وہ ہمارے ساتھ سفر میں ہو گیا تو ہم نے اسے ہر چند سمجھایا لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔ آخر ہم نے اسے کہہ دیا کہ ہم سے دور ہو جا۔ وہ ہم سے جدا ہو گیا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو ہم نے اس کے نوکر سے کہا کہ اپنے آقا سے کہو کہ ہمارے پاس آ جائے۔ اس نے کہا میرے آقا سے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آگیا ہے اس کے دو ہاتھ سور کے ہاتھوں جیسے ہو گئے ہیں ہم اس کے پاس گئے تو اپنے پاس آنے کی دعوت دی لیکن اس نے کہا کہ میرے ساتھ ایک عظیم حادثہ ہو چکا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ اپنی آستین سے باہر نکالے جو سور کی طرح تھے وہ ہمارے ساتھ ہو لیا چلتے چلتے ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں سوروں کا ایک گلہ تھا وہ گھوڑے سے اترا اور سور بن کر سوروں میں جا ملا۔ اس کے بعد ہم اسے پہچان نہ سکے۔ (شواہد النبوۃ ص ۲۶۹)

اہل بصرہ سے ایک کا بیان ہے کہ میں نے اپنا مال و متاع اہواز کے ایک رئیس کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ رافضی ہے اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو برے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ جب میرا اس کے یہاں مسلسل آنا جانا ہوا تو ایک دن میری موجودگی میں اس نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ میں اس کے یہاں سے بہت مغموم و محزون ہو کر اٹھا۔

اس اندوہ غم کے باعث میں اس رات کھانا نہ کھا سکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم دیکھیے وہ شخص حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں کیا بکتا ہے۔ حضور حتمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تجھے اس کی باتیں اچھی نہیں لگتیں؟ میں نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جاؤ اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں گیا اور اسے لے آیا پھر فرمایا اسے سلا دو میں نے اسے سلا دیا پھر آپ نے مجھے ایک چھری دی اور فرمایا اسے قتل کر دو میں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیک وسلم! میں اسے مار دوں؟ میں نے تین بار اسی طرح پوچھا کیونکہ کسی کو قتل کرنا میرے لیے کار عظیم تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اسے مار دو۔ میں نے اسے قتل کر دیا۔ صبح ہوئی تو مجھے اس خبیث کا حال دریافت کرنے کا خیال آیا۔ جب میں محلے میں پہنچا تو اس کے گھر سے ہاو ہو اور شور و فغاں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا یہاں کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ کل رات کسی نے اسے بستر پر ہی ختم کر دیا ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم! میں نے اسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم سے قتل کیا ہے۔ جب اس کے بیٹے کو صورت حال کا پتہ چلا تو اس نے کہا تم اپنا مال و اسباب سنبھالو اور اسے چھوڑ دو۔ میں اسے دفن کر دوں۔ میں اپنا مال و متاع لے کر وہاں سے چل دیا۔ (شواہد النبوہ ص ۲۷۰)

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں نے شام کے سفر میں صبح کی نماز ایک مسجد میں پڑھی جب امام نماز سے فارغ ہوا تو اس نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بد دعائیں دینا شروع کر دیں۔ آئندہ سال جب میں دوبارہ شام گیا تو اتفاق سے پھر صبح کی نماز اسی مسجد میں ادا کرنی پڑی۔ جب امام نماز سے فارغ ہوا تو اس نے حضرات شیخین کے حق میں دعائے خیر کی۔ میں نے نمازیوں سے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ گذشتہ سال تو یہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتا تھا اور اب دعائیں دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم سابقہ امام کو دیکھنا چاہتے ہو؟

میں نے کہا ہاں۔

وہ مجھے ایک سرائے میں لے گئے جہاں ایک کتا بندھا ہوا تھا۔ اور اس کی آنکھیں

آنسوؤں سے تر تھیں۔

میں نے اس کتے سے دریافت کیا کیا تم وہی امام ہو جو پچھلے سال حضرات شیخین کو گالیاں دیتا تھا؟

اس نے سر سے اشارہ کیا۔ ہاں میں وہی ہوں۔ (شواہد النبوۃ ص ۲۷۲)

اللہ تعالیٰ ان رافضیوں کو عقل سلیم عطا فرمائے جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں اور تبرا بازی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات شیخین کی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیفہ سوم

حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

زاہد مجد احمدی پر درود
دولتِ جیش عسرت پہ لاکھوں سلام
درِ منثور قرآں کی سلک بہی
زوجِ دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اسم شریف عثمان کنیت ابو عمر تھی بعض کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ اور ابو یعلیٰ آپ کی کنیت ہے۔ لقب جامع القرآن و ذوالنورین ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام عفان اور والدہ محترمہ کا نام اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس تھا۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب قرشی اموی۔

آپ کی نانی کا نام ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ آپ کی نانی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ایک ہی پیٹ سے پیدا ہوتے تھے۔ اس رشتہ سے حضرت عثمان کی والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

آپ کی پیدائش عام الفیل کے چھ برس بعد ہوئی۔ آپ ابتدائے اسلام ہی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے انہی کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ آپ قدیم الاسلام ہیں یعنی ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لائے تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، اور حضرت زید بن حارثہ رضوان اللہ اجمعین کے بعد اسلام قبول کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳)

قبولِ اسلام پر مصائب

ابن سعد نے محمد بن ابراہیم کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو پکڑ کر ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اور کہا تم نے آبائی مذہب ترک کر کے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ جب تک تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ چچا خدا کی قسم، میں مذہب اسلام کبھی نہیں چھوڑوں گا اور اس دولت سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گا اس طرح حکم ابن ابی

العاص نے جب آپ کا اسلام پر مستحکم اور مستقل پایا تو مجبور ہو کر آپ کو قید و بند سے آزاد کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۴)

آپ صاحب ہجرتین ہیں: پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ پاک کی طرف فرمائی۔ آپ کا لقب ذوالنورین (دو نور والے) تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم آگے پیچھے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام تک حضرت عثمان کے سوا کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں۔ اسی لئے آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ آپ حضرت عثمان غنی سے فرما رہے تھے کہ اگر میری چالیس لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے اس سب کا نکاح تم سے کر دیتا۔ یہاں تک کہ کوئی بھی باقی نہ رہتی۔ ایک روایت میں سو(۱۰۰) لڑکیوں کا ذکر آیا ہے۔
(تاریخ الخلفاء ص ۲۳۶)

آپ کو جنگ بدر اور بیعت رضوان کے شرکاء میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں آپ شریک نہیں ہوئے تھے۔ جنگ بدر میں تو اس لیے شریک نہیں ہوسکے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت بہت زیادہ ناساز اور نازک ہو گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت رقیہ کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ طیبہ میں ہی روک دیا۔ مگر شرکاء بدر میں شمار فرمایا اور مال غنیمت سے بھی حصہ دیا۔ اسی طرح بیعت رضوان میں بھی شریک نہ ہوسکے۔ اس لیے کہ اس وقت آپ مکہ معظمہ میں اپنے نبی کے قاصد کی حیثیت سے مکہ کے قریش سے صلح کی بات چیت کرنے گئے تھے۔ واپس آنے میں تاخیر ہوئی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ اسی پر حضور نے بیعت رضوان لی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کے

بارے میں فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اپنے داہنے ہاتھ کے بارے میں فرمایا کہ یہ محمد مصطفیٰ کا ہاتھ ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر حضور نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا یہ بیعت عثمان کی ہے۔ نیز آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں بھی ہوتا ہے۔ آپ ہی نے قرآن حکیم کے جمع شدہ مکمل کتابی شکل والے قرآن کے چند نسخے تیار کروا کے ممالک اسلامیہ میں روانہ فرمائے۔ آپ سے ایک سو چھیالیس احادیث مروی ہیں جن میں گیارہ امام بخاری نے تحریر کی ہیں۔

عسکری کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کے لیے جاگیریں مقرر فرمائیں۔ جانوروں کے لیے چراگاہیں قائم کیں۔ مسجدوں میں بخورات جلانے کا رواج دیا جس میں زعفران کی آمیزش ہوتی تھی۔ جمعہ کے دن اذان اول دینے کا حکم صادر فرمایا۔ موذنوں کی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے پولیس اور اس کے عہدیدار مقرر فرمائے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے مع اہل و عیال راہ خدا میں ہجرت فرمائی۔ آپ کا سب سے اہم دینی و علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآتوں کے اختلاف ختم کرنے کی غرض سے عہد صدیقی و عہد فاروقی میں مدون قرآن مجید کو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا اور زید بن ثابت، عبداللہ ابن زبیر وغیرہ سے نقول بنا کر اسلامی ممالک میں روانہ فرمائے۔ اور حکم دیا کہ آئندہ اسی کے مطابق قرآن لکھے اور پڑھے جائیں۔۔

الغرض اس مرد مجاہد نے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو مسند خلافت سنبھالا اور بارہ (۱۲) سال تک امور خلافت کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ اور بیاسی سال (۸۲) سال کی عمر پا کر اسود تحیبی مصری کے ہاتھ سے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ چالیس (۴۰) دن کے سخت محاصرے کے بعد جو باغیوں نے آپ کے مکان پر کیا تھا۔ شہید ہوئے۔ اور سنیچر کی شب مابین مغرب و عشاء آپ کو جنت البقیع (مدینہ منورہ) کے مشرقی کنارے حش کوکب میں مدفون کیا گیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ جس وقت شہید ہوئے قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔ کو تلاوت فرما رہے تھے۔ اور اسی پر آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے

پڑھائی اور آپ ہی نے ان کو دفن کیا آپ نے ان کو ان باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔

ابن عساکر حضرت یزید بن حبیب سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر جن لوگوں نے چڑھائی کی تھی ان میں سے اکثر دیوانے اور مجنون ہو گئے تھے۔

حضرت عثمان غنی اور قرآنِ حکیم

خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بھی قرآن حکیم کی بہت سی آیات کریمہ کا نزول ہوا ہے ان میں سے چند قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

(ا) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم۔ اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔
(البقرہ: پ ۳ ع ۴)

وہ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دیئے پیچھے نہ احسان رکھیں نہ تکلیف دیں، ان کا (اجر و ثواب) ان کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔ (کنزالایمان ص ۶۵)

حضرت صدر الافاضل علامہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان ص ۶۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی۔

صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ غزوہ تبوک جسے غزوہ عسرت بھی کہتے ہیں، یہ غزوہ مسلمانوں کی سخت تنگی، ناداری اور بے سامانی کے عالم میں ہوا۔ گرمی سخت تھی اور تبوک مدینہ منورہ سے چھ سو ساٹھ میل کی دوری پر واقع تھا۔ اور یہ غزوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا جو ۹ھ میں ہوا۔ اس کے بعد حضور نے کسی غزوہ میں شرکت

نہیں فرمائی۔ اس غزوہ میں چالیس ہزار اور ستر ہزار کے درمیان صحابہ کرام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کے لیے چندہ دینے کا حکم دیا۔

ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۰۳ میں حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا جب آپ شرکاء جنگ کو تبوک کی مدد کے لیے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پرجوش الفاظ سن کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں سو اونٹ، ان کے کمبل اور پالان کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ترغیب دلائی تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ذمہ دو سو (۲) اونٹ مع ساز و سامان کے ہیں میں اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کر دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر رغبت دلائی۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ذمہ تین (۳) سو اونٹ مع ساز و سامان کے ہیں میں پیش کروں گا۔ حدیث کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

ما علی عثمان ما عمل بعد هذه۔ ما علی عثمان ما عمل بعد هذه۔

یعنی اس کے بعد عثمان پر کوئی گناہ نہیں وہ جو بھی کریں۔ اس کے بعد عثمان پر کوئی گناہ نہیں وہ جو بھی کریں۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے بعد دیگر کوئی نیک کام نہ بھی کریں تو ان کے مدارج عالیہ میں کچھ رکاوٹ نہ آئے گی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۴)

حضرت امام رازی تفسیر کبیر مصری الجزء السابع ص ۴۸ میں اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی۔ حضرت عثمان غنی غزوہ تبوک کے لیے ایک ہزار اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست شفقت دراز فرمایا اور بارگاہ الٰہی میں یوں دعا فرمائی:

یارب عثمان رضیت عنہ فارض عنہ۔

اے اللہ یہ عثمان ہے، میں اس سے راضی ہوا تُو بھی اس سے راضی ہو جا۔

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام پاک میں ارشاد فرما رہا ہے:

سیذکر من یخشی ویتجنبھا الا شقی الذی یصلی النار الکبری۔ (الاعلیٰ: پ ۳۰)

یعنی عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔ (کنزالایمان ص ۸۶۲)

صاحب تفسیر کبیر نے الجزء الحادی والثلاثون ص ۱۴۶ پر لکھا ہے کہ:

نزلت ھذہ الایہ فی عثمان بن عفان۔

یعنی یہ آیت کریمہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۳) ارشاد خدواندی ہے:

امن ھو قانت اناء الیل ساجدا او قائما یحذر الاخرہ ویرجوا رحمۃ ربہ۔ (الزمر: پ ۲۳ ع ۱۵)

یعنی کیا وہ جسے فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں گزریں سجود میں اور قیام میں۔ آخرت میں ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے۔ (کنزالایمان ص ۶۶۵)

صاحب تفسیر کبیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امن ھو قانت اناء الیل عثمان لانہ کان یحی اللیل فی رکعۃ واحدہ ویقرء القران فی رکعۃ واحدہ۔

یعنی اس آیت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مراد ہیں اس لیے کہ آپ پوری رات ایک ہی رکعت میں گزار دیا کرتے تھے اور پورا قرآن حکیم ایک ہی رکعت میں ختم فرماتے تھے۔

(تفسیر کبیر الجزء السادس والعشرون ص ۲۵۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن پ ۲۳ ص ۲۳۹)

صاحب تفسیر حسینی بھی لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر حسینی ج ۲ ص ۳۴۲)

حضرت عثمانِ غنی اور احادیث کریمہ

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کثرت سے احادیث کریمہ آئی ہیں ان میں سے چند قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل نبی رفیق و رفیقی یعنی فی الجنۃ عثمان۔ یعنی ہر نبی کا ساتھی ہوگا اور میرا ساتھی جنت میں عثمان بن عفان ہے۔

(ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲)

(۲) مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا جبکہ آپ نے فتنوں کا ذکر کیا اور انہیں بہت قریب بتایا تو ایک چادر پوش شخص گزرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دن یہ ہدایت پر ہوگا۔ میں اس شخص کی طرف گیا تو وہ عثمان بن عفان تھے۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے ان کا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور کہا کہ کیا یہ شخص ہوگا۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۶)

(۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ کے ایک باغ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ ایک صاحب آئے اور دروازہ کھولنے کو کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افتح لہ وبشرہ بالجنۃ۔ یعنی ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت دے دو۔

میں نے دروازہ کھولا تو حضرت ابوبکر تھے۔ پس میں نے انہیں وہ بشارت دے دی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ پس انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک صاحب آئے۔ انہوں نے دروازہ کھلوایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افتح لہ وبشرہ بالجنہ۔ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی بشارت دے دو۔

میں نے دروازہ کھولا تو وہ حضرت عمر تھے۔ پس میں نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک اور صاحب نے دروازہ کھلوایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افتح لہ وبشرہ بالجنہ علی بلوی تصیبہ۔ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انہیں بھی جنت کی بشارت دو اور ایک مصیبت پر جو انہیں پہنچے گی۔

میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا وہ عثمان تھے۔ میں نے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور بولے اللہ مددگار ہے۔ (بخاری شریف ج۲ ص ۳۹۲)

(۴) ابونعیم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان میری امت کا سب سے زیادہ حیادار اور کریم آدمی ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۳۷۵)

(۵) ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان کی شفاعت سے ستر ہزار ایسے آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے جو آگ سے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ (صواعق محرقہ ص ۳۷۸)

(۶) حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنت خریدی ہے، ایک مرتبہ تو بیئر رومہ خرید کر اس کی

کھدائی کرا کے۔ (یہ کنواں ایک یہودی کا تھا مسلمانوں کی تکلیف کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ نے خریدا تھا تاکہ مسلمانوں کو زیادہ پانی مل سکے۔) اور دوسری مرتبہ جیش عسرت کو ساز و سامان فراہم کر کے۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یحفر بئر رومہ فلہ الجنہ فحفرھا عثمان وقال من جھز جیش العسرہ فلہ الجنہ فجھزہ عثمان۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۳۶ بخاری ج۲ ص۳۹۳)

(۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان میرے پاس ایسے حال میں آئے کہ میرے پاس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ موجود تھا۔ اس نے کہا عثمان شہید ہوں گے۔ اور ان کی قوم انہیں شہید کرے گی اور ہم فرشتے عثمان سے حیا کرتے ہیں۔ (خصائص کبریٰ ج۲ ص۲۰۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام و صلحائے امت

ابن عساکر نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حیاء کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواباً فرمایا کہ (آپ کی حیاء کا کیا پوچھتے ہو) اگر آپ کبھی نہانے کا قصد کرتے تو گھر میں کواڑ بند کر کے بھی کپڑے اتارنے میں اس قدر شرم فرماتے تھے کہ اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۴۷)

ابن عساکر نے ابو خلدہ حنفی سے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے خود سنا کہ بنوامیہ کا یہ خیال ہے کہ میں نے عثمان کو قتل کرایا۔ میں اللہ کی الوہیت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں نہ قتل کیا ہے اور نہ قتل کی سازش میں تعاون کیا۔ بلکہ میں نے تو لوگوں کو قتل سے ہر طرح باز رکھنے کی کوشش کی لیکن لوگوں نے میرا کہنا نہ سنا۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۴۹)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کئے گئے اور جنہوں نے آپ کو قتل کیا وہ ظالم تھے اور جنہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا وہ معذور تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۱)

حضرت سمرہ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے لوگوں نے اسلام کے مضبوط قلعے میں ایسا رخنہ ڈال دیا جو قیامت تک بند نہیں ہو گا۔ اسی طرح محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرشتوں نے اسلامی جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کرنا ترک کر دیا۔ اور مسلمانوں میں رویت ہلال کے سلسلے میں آپ کی شہادت سے پہلے تک کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۹)

حضرت عبداللہ رومی کا بیان ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رات کو اٹھ کر خود ہی وضو کا سامان فراہم کر لیتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کسی ملازم کو بیدار کر لیا کیجئے تاکہ وہ انتظام کر دیا کرے۔ تو آپ نے فرمایا میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ رات کو وہ بھی تو آرام کرتے ہوتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۰)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غنی کی خلافت

خلیفہ دوم سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ابو لولو مجوسی کے ہاتھ سے زہر آلود خنجر سے زخمی ہو گئے اور زخم بتدریج بڑھتا ہی چلا گیا تو لوگوں نے عرض کیا یا امیرالمومنین آپ کو جو وصیتیں کرنا ہیں کر دیجئے اور کسی کو خلافت کے لیے بھی منتخب فرما دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کام کے لیے سوائے ان چھ اشخاص کے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش رہ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں کسی اور کو حقدار نہیں سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے ان چھ حضرات کے نام لئے کہ وہ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد ابن وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سے کسی ایک کا انتخاب ہو جاتا ہے تو وہ اس کے

حقدار تھے۔ ورنہ ان چھ میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔ اور میں نے سعد کو کسی خیانت، کسی نااہلی کی بناپر امارت سے معزول نہیں کیا تھا۔ پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے اور تمام مہاجرین و انصار اور تمام رعایا کے ساتھ نیکی سے کام لے۔ اور اسی قسم کی بہت سی وصیتیں فرمائیں اور پھر جان جان آفریں کے سپرد فرمادی۔

پھر جب تجہیز وتکفین سے فارغ ہوگئے تو تین روز بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لیے لوگ جوق در جوق جمع ہوگئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ اولاً تین آدمی منتخب کرلینے چاہییے۔ چنانچہ حضرت زبیر نے اپنی طرف سے حضرت علی کو، حضرت سعد بن وقاص نے حضرت عبدالرحمٰن کو، اور حضرت طلحہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو منتخب کیا۔ پھر یہ تینوں حضرات باہم مشورہ کرنے کے لیے ایک طرف چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا میں امر خلافت کے لیے پسند نہیں کرتا۔ تم میں بھی اگر کوئی خلافت کی ذمہ داری سے بری ہونا چاہے تو مجھے بتادے۔ اس لیے کہ ایسا ہی شخص خلیفہ کا انتخاب کرے گا۔ اور جو کوئی خلیفہ منتخب ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ امت محمدی میں سب سے افضل ہو، اور اصلاح امت کی خواہش رکھتا ہو۔ حضرت عبدالرحمٰن کا یہ فیصلہ سن کر حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما خاموش رہے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے خود ہی دریافت کیا۔ اچھا اس انتخاب کا کام تم میرے سپرد کردو تاکہ میں سب سے افضل اور بہتر شخص کا انتخاب کردوں۔ دونوں حضرات نے کہا ہمیں منظور ہے۔ تب عبدالرحمٰن بن عوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک طرف لے گئے اور ان سے کہا۔ اے علی! رضی اللہ عنہ، آپ پہلے اسلام لائے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز بھی ہیں اس لیے آپ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ پس اگر میں آپ کو خلیفہ مقرر کردوں تو آپ قبول کرلیں۔ اور اگر آپ پر کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کردوں تو آپ اس کی اطاعت کریں گے۔ حضرت علی نے فرمایا مجھے تسلیم ہے۔ پھر آپ اسی طرح حضرت عثمان کو ایک طرف لے گئے اور ان سے بھی ان ہی دونوں باتوں کا اقرار لیا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے

ان دونوں حضرات سے عہد و پیمان لے لیا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ نے بھی آپ سے بیعت کرلی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۱۴۔۲۱۳)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف کتاب تاریخ الخلفاء میں ابن عساکر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا تو اس کی وجہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے جو بھی صائب الرائے شخص تخلیہ میں ملتا تو وہ یہی مشورہ دیتا کہ خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملنا چاہیے اس لئے کہ وہی اس کے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف بیعت لینے کے لیے بیٹھ گئے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حمد و صلوۃ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے علی! میں نے تمام لوگوں کی رائے معلوم کرلی ہے۔ سب کی رائے حضرت عثمان کے لیے ہے یہ کہہ کر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا میں آپ سے سنت اللہ، سنت رسول اللہ، اور ہر دو خلفاء رضی اللہ عنہما کی سنت پر بیعت کرتا ہوں۔ اس طرح سب سے پہلے آپ نے بیعت کی اور پھر تمام مہاجرین و انصار نے آپ کی بیعت کی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷)

مسند امام احمد میں حضرت ابی وائل رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت عثمان سے بیعت کیوں کی؟ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑ دیا، ان سے بیعت کیوں نہیں کی؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اس میں میرا کچھ قصور نہیں میں نے اولاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ سے کتاب اللہ، سنت رسول، اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر بیعت کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ میں اس کی استطاعت نہیں ہے۔ پھر میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے یہی باتیں

کیں تو انہوں نے قبول فرمالیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۸)

تاریخ الخلفاء نے اسی صفحے پر ایک روایت اور لکھی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تخلیہ میں حضرت عثمان سے کہا اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کا مشورہ دیں گے آپ نے فرمایا حضرت علی سے۔ پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح تخلیہ میں کہا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کا مشورہ دیں گے تو انہوں نے کہا عثمان سے۔ میں نے اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا میرا اور آپ کا ارادہ تو خلافت کرنے کا نہیں ہے۔ لیکن آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے۔ اس کے بعد میں نے تمام اصحاب اور اعیان سے مشورہ کیا تو اکثریت کی رائے حضرت عثمان ہی کی طرف پائی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام روایتوں کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ خلافت کے لیے اکثریت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے۔ اس لئے آپ نے اسلام کی بقاء و تحفظ اور باہمی اتحاد و اتفاق کی خاطر خود بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بیعت فرمالی۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پاک بھی تھی۔ جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ اے عثمان! ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیص پہنائے گا۔ (خلافت عطا فرمائے گا) تو اگر لوگ تم سے اس کو اتار دینا چاہیں تو تم ان کی وجہ سے اسے مت اتارنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح جلد ہشتم ص ۴۰۲)

ایک اور حدیث پاک جو ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بلایا وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم مقتول و شہید ہوگے تو صبر کرنا اور جو لباس اللہ تمہیں پہنائے گا (خلافت) وہ بارہ سال[1] اور چھ ماہ رہے گی۔ مگر تم خود نہ اتارنا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ عثمان کو صبر دے کہ عنقریب وہ روزے کی حالت میں شہید ہوں گے۔ اور میرے ساتھ

روزہ افطار کریں گے۔ چنانچہ فرمان نبوی کے مطابق ایسا ہی ہوا کہ باغیوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ خلافت سے الگ ہو جائیں۔ لیکن آپ نے جام شہادت نوش فرمالیا مگر خلافت سے علیحدگی قبول نہ کی کہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہی تھا۔

لہ تاریخ الخلفاء میں بارہ سال لکھا ہے۔

خلیفہ چہارم

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعیں
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصل نسل صفا وجہ وصل خدا
بابِ فضل ولایت پہ لاکھوں سلام

اوّلیں دافع اہلِ رفض و خروج
چارمی رکن ملت پہ لاکھوں سلام

شیر شمشیر زن، شاہ خیبر شکن
پرتو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

(سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ)

خلیفہ چہارم حضرت علی سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم بارہ اماموں میں سے پہلے امام ہیں۔ آپ کا اسم شریف علی اور حیدر ہے، کرار آپ کا لقب اور کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے۔ آپ کو ابو تراب سے زیادہ کوئی نام پسندیدہ نہ تھا۔ جب کوئی آپ کو ابو تراب کہہ کر پکارتا تھا تو آپ بہت مسرور اور شاداں ہوتے تھے کیونکہ یہ نام آپ کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت عطا فرمایا تھا جب آپ مسجد شریف کی دیوار کے پاس لیٹے ہوئے تھے اور پشت مبارک میں مٹی لگ گئی تھی۔ اسی وقت حضور تشریف لائے تو آپ کو اس عالم میں دیکھ کر فرمایا: اجلس یا ابو تراب اٹھئے اے ابو تراب۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۰۲)

اور آپ کا نام حیدر ہے اس کے معنی ہیں شیر۔ یہ نام آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے والد کے نام کے پر رکھا تھا۔ اور کرار کے معنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا۔ آپ کے والد گرامی کا نام ابو طالب ہے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ حضرت ابو طالب نے آپ کا نام علی رکھا۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسداللہ کا خطاب عطا فرمایا۔ یعنی اللہ کا شیر۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ علی ابن ابی طالب المعروف بہ عبدمناف بن عبدالمطلب شیبہ بن ہاشم بن عبدمناف المعروف بہ مغیرہ بن قصی المعروف بہ زید بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ آپ کی ولادت مبارکہ عین جوف خانہ کعبہ میں جمعہ کے دن ۱۳ رجب المرجب ۳۰ عام الفیل میں ہوئی۔ آپ وہ واحد شخص ہیں جن کو یہ شرف حاصل ہوا۔ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی ولادت کے بعد فوراً آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دے دیا جب تک حضرت علی کی آنکھ بند تھی۔ جیسے ہی آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تشریف لائے فوراً آنکھ کھول دی۔ اور دنیا میں آنے کے بعد سب سے بڑا شرف آپ کو یہ حاصل ہوا کہ آپ نے سب سے پہلے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس چہرہ دیکھا۔ غسل ولادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دیا۔ اور اپنا لعاب دہن حضرت علی کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر

آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ذمہ کرم لے لی تھی۔ اس لئے آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اسی وجہ سے آپ کو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ اور اللہ کے رسول اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو آپ نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے جس وقت آپ ایمان لائے اس وقت آپ کی عمر شریف دس سال تھی۔ بعض لوگوں کے قول کے مطابق نو سال اور بعض آٹھ سال اور کچھ اس سے بھی کم بتاتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے مطابق اپنی چہیتی بیٹی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ کے ساتھ کیا۔ اور آپ ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل پاک چلی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت کو اس کی صلب میں رکھا ہے اور میری ذریت کو علی ابن ابی طالب کی صلب میں رکھا ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۲۲۴)

آپ امامین کریمین حضرت سیدنا امام حسن و حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما کے والد گرامی ہیں۔ اور ولایت کی مرکزی شخصیت ہیں کہ آپ کی ذات سے ہر ولی کو فیض ولایت ملتا ہے اور شریعت کے دریائے ناپیدا کنار ہیں۔ آپ کا شمار پنجتن پاک عشرہ مبشرہ اور خلفاء راشدین میں ہوتا ہے۔ آپ ہی کے گھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہوئی۔ جس روز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ ہی کو اپنے بستر مبارک پر لٹا کر اہلیان مکہ کی امانتیں سپرد فرمائی تھیں۔ آپ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ سوائے غزوہ تبوک کے کہ اس غزوہ کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اور ارشاد فرمایا' اے علی! کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں جس طرح موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر مناجات کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ بس فرق اتنا ہے کہ ہارون علیہ السلام خود بھی نبی تھے اور ایک نبی کے خلیفہ بھی اور تم صرف میرے نائب ہو نبی نہیں۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۰۳)

آپ کی شجاعت اور بہادری کا ڈنکا پورے عرب میں مشہور تھا کہ آپ کا صرف نام سنتے ہی دشمنان اسلام تھرا اٹھتے تھے۔ قلعہ خیبر کو آپ ہی نے فتح فرمایا۔ جنگ احد میں انتہائی نازک وقت میں بھی حضور کے ساتھ ساتھ رہے اور اس غزوہ میں سولہ زخم کھائے۔ مگر قدم میں لغزش نہ ہوئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد باتفاق تمام اہلِ حل وعقد نے ۳۵ ہجری بروز جمعہ ۱۸ ذی الحجہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ تین ماہ کچھ دن کم پانچ سال تک مسند خلافت پر جلوہ افروز رہے اور ۱۸ یا ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ میں نماز فجر کے لیے جاتے ہوئے مسجد کوفہ میں عبدالرحمٰن بن ملجم نے سراقدس پر زہر آلود تلوار اس زور سے ماری کہ دماغ تک پہنچ گئی اور آپ کا وصال ہو گیا۔ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین اور عبداللہ ابن جعفر طیار نے غسل دیا اور امام حسن نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بروایت صحیح کوفہ میں بمقام نجف مدفون ہوئے اس وقت عمر شریف ۶۳ سال تھی۔ آپ کی نو بیویاں تھیں جن سے کل ۲۱ اولادیں ہوئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قرآن حکیم

خلیفہ چہارم امیرالمومنین حضرت سیدنا علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب میں بھی قرآن پاک کی بہت سی آیتوں کا نزول ہوا ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ جمع الجوامع میں ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

القران مع العلی وعلی مع القران۔ یعنی قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ۔

طبرانی نے بھی حضرت ام سلمہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علی اور قرآن حوض کوثر تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے بلکہ ساتھ ساتھ رہیں گے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۲)

حکیم الامت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ

الرحمہ نے اسی کی منظر کشی فرمائی ہے:

یہ ہے خاموش قرآن اور وہ قرآن ناطق ہیں
نہ ہوں جس دل میں یہ اس میں نہیں قرآن کا رشتہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان القران انزل علی سبعہ احرف ما فیھا حرف الا ولہ ظھر وبطن وان علیا عندہ من الظاھر والباطن۔ (سفینہ نوح ج۱ ص ۸۴)

یعنی بے شک قرآن سات حرفوں (سات قراتوں) میں نازل ہوا ہے اور کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا ظاہر اور باطن ایک نہ ہو اور ہر حرف کے ظاہر و باطن کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہے۔

اب ہم ان آیات کریمہ کا ذکر کر رہے ہیں جو حضرت مولا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں:

(۱) حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ

وتعیھا اذن واعیہ۔ (الحاقہ: پ۲۹)

اور اسے محفوظ رکھے وہ کان کہ سن کر محفوظ رکھتا ہو۔ (کنزالایمان ص ۸۲۴)

نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے علی کرم اللہ وجہہ کے لیے سوال کیا کہا یا اللہ علی کو نہ بھولنے والی یاداشت عطا فرما۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد میں جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا مجھے یاد ہو گیا اور ہمیشہ یاد رہا اور پھر کبھی نہ بھولا۔ (تفسیر کبیری مصری الجزء الثلاثون ص ۱۰۷ تفسیر حسینی ج ۲ ص ۵۶۹)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چار درہم تھے اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے ان چار درہموں کو اس طرح خیرات کیا کہ ایک درہم رات کو، ایک دن کو، ایک پوشیدہ، اور ایک علانیہ طور پر۔ تو آپ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

الذین ینفقون اموالھم

بالیل والنهار سرا و علانیه فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ (البقرۃ: پ ۳ ع ۶)

یعنی وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں، اور چھپے ہوئے اور ظاہر، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کو کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔

(کنزالایمان ص ۶۸، تفسیر کبیر مصری الجزء السابع ص ۸۹، صواعق محرقہ ص ۲۴۵)

صاحب تفسیر حسینی حضرت ملا حسین واعظ کاشفی اپنی مشہور و معروف تفسیر حسینی ج ۲ ص ۸۷ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے علی! کس بات نے تمہیں اس طرح صدقہ دینے پر آمادہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! صدقہ و خیرات دینے کا طریقہ ان چار صورتوں کے سوا میں نے اور کوئی نہ دیکھا اس لئے میں نے ان چاروں صورتوں کو لازم پکڑ لیا کہ ان میں سے ایک تو قبول ہو کر محل رضا پر پہنچ جائے گی۔

(۳) حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

انما انت منذر ولکل قوم ہاد۔ (الرعد: پ ۱۳ ع ۷) • تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی۔ (کنزالایمان ص ۳۶۱)

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک پر دست اقدس رکھ کر فرمایا:

انا المنذر ثم اوما الی منکب علی رضی اللہ عنہ وقال انت الهادی المهتدون من بعدی۔ (تفسیر کبیر مصری الجزء التاسع عشر ص ۱۴)

یعنی میں ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اے علی تو ہادی ہے اور میرے بعد راہ پانے والے تجھ سے راہ پائیں گے۔ (تفسیر کبیر مصری الجزء التاسع عشر ص ۱۴)

یعنی ولایت کے تمام سلسلے تجھ سے جاری ہوں گے اور امت کے اولیاء علماء اور اغواث واقطاب تجھ سے فیض پائیں گے۔

(۴) تفسیر کشاف میں ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں تشریف لے جارہے تھے۔ منافقین نے انہیں دیکھ کر آنکھوں سے اشارے کیے اور ہنسی اور تمسخر کیا۔ اور ان کی شان میں نازیبا کلمات کہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ وقت پر مسجد نبوی میں نہ پہنچے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آیت نازل ہوئی:

واذ امروا بھم یتغامزون۔ (المطففین: پ۳۰ ع۸) یعنی اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں۔

(کنزالایمان ص۸۵۸، تفسیر حسینی قادری ج۲ ص۶۱۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ

خلیفہ چہارم حضرت سیدنا مولا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی کثرت سے احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں۔ بلکہ امام احمد فرماتے ہیں کہ جتنی احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں وارد نہیں ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۵۵)

(ا) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے روز فرمایا: کل میں یہ جھنڈا ضرور اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح مرحمت فرمائے گا۔ لوگ تمام رات اسی حسرت میں رہے کہ دیکھئے صبح کس خوش نصیب کو جھنڈا عطا فرمایا جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو ہر ایک یہ تمنا لیے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا کہ جھنڈا اسے مرحمت ہو۔ (اتنے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: این علی بن ابی طالب۔ علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی

آنکھیں دکھتی ہیں۔ فرمایا: انہیں بلا لاؤ۔ پس انہیں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا۔ اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ پس وہ اس طرح شفایاب ہو گئے جیسے انہیں تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ پھر آپ نے انہیں جھنڈا عطا فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خیبر کی جنگ آپ کے ہاتھوں میں فتح عطا فرمائی۔ (بخاری شریف ج۲ ص۱۰۱)

(۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایحب علیا منافق ولا یبغضہ مومن۔ یعنی علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور ان سے مومن بغض نہیں رکھتا۔

(ترمذی ج۲ ص۲۱۷ مراۃ المناجیح ج۸ ص ۴۲۳)

اور آپ ہی سے ایک اور حدیث مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سب علیا فقد سبنی۔ یعنی جس نے علی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا۔

(ترمذی ج۲ ص۲۱۷ مراۃ المناجیح ج۸ ص ۴۲۳)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی آئے۔ اس وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے اپنے صحابہ میں بھائی چارہ کرا دیا لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انت اخی فی الدنیا والاخرہ۔ یعنی اے علی! تم دین و دنیا میں میرے بھائی ہو۔

(ترمذی شریف ج۲ ص۲۱۳)

نوٹ: خیال رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور جب مدینہ میں انصار و مہاجرین میں مواخات (بھائی

چارہ) کرایا تو اس وقت بھی ان کو اپنا بھائی فرمایا۔ لیکن کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور انور کو اپنا بھائی یا بڑا بھائی کہہ کر نہیں پکارا بلکہ جب بھی پکارا تو یارسول اللہ، یانبی اللہ، یا حبیب اللہ کہہ کر ہی پکارا۔ پھر کسی ایرے غیرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی، اپنے جیسا یا بڑا بھائی کہہ کر پکارے۔ القادری۔

(۴) طبرانی اور البزاز حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اور حاکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۷) — میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اور جنہوں نے اس کو موضوع کہا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔

ایک اور روایت اس طرح بھی آئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا دار الحکمہ وعلی بابھا۔ (ترمذی شریف ج۲ ص ۷۷۵) — میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

(۵) احمد ابوالطفیل سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک وسیع مقام پر لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم غدیر خم کے موقع پر میری نسبت کیا فرمایا تھا۔ اس مجمع سے تیس آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۶) — اے اللہ! میں جس کا دوست ہوں علی بھی اس کے دوست ہیں۔ الٰہی علی سے جو محبت رکھے تو اس سے تو بھی محبت فرما۔ اور جو علی سے بغض رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔

(۶) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

انا وعلی نورا بین یدی اللہ تعالی قبل ان یخلق آدم باربعہ عشر عام فلما خلق اللہ آدم قسم ذلک النور جزئین فجزء انا وجزء علی۔ (مشکل کشا ص ۱۳۵ بحوالہ ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۲۱۷)

یعنی میں اور علی تخلیق آدم سے چودہ ہزار سال پہلے ایک نور کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور موجود تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس نور کو دو اجزاء میں تقسیم فرمایا چنانچہ ایک جزء میں اور ایک جزء علی ہیں۔

(۷) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۷۷، مراۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۴۱۶)

یعنی بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور علی ہر مومن کے ولیؓ (مددگار) ہیں۔

(۸) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصیٰ اللہ ومن اطاع علیا فقد اطاعنی ومن عصیٰ علیا فقد عصانی۔ (سفینہ نوح ج ۱ ص ۵۷ بحوالہ الریاض النضرۃ ص ۲۲۰)

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(۹) ابن عدی اور ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو میں نے عرش کے پائے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا اور ساتھ میں (حضرت) علی کا

نام بھی تھا۔ (خصائص الکبریٰ ج ا ص ۲۵)

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی قسیم دوزخ ہیں، اپنے دوستوں کو بہشت میں اپنے دشمنوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے۔ (الامن والعلی ص ۵۹ صواعق محرقہ ص ۴۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام و صلحائے امت

ابویعلیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین فضیلتیں ایسی ملی ہیں کہ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی مل جاتی تو وہ میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہوتی۔ لوگوں نے دریافت کیا وہ فضائل کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اوّل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنی صاحبزادی (حضرت) فاطمہ کا نکاح کیا۔ دوم: آپ نے ان دونوں کو مسجد میں رکھا اور جو کچھ ان کو وہاں حلال ہے مجھے حلال نہیں۔ سوم: جنگ خیبر میں علم ان کو عطا فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۹)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: علی سے زیادہ علم سنت کا جاننے والا کوئی نہیں۔ اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مشکل سوال آتا اور حضرت علی موجود نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تعوذ پڑھا کرتے کہ کہیں اس سوال کا جواب غلط نہ ہو جائے۔ حضرت سعید بن مسیب کا یہ بھی قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں سوائے حضرت علی کے اور کوئی یہ کہنے والا نہ تھا کہ جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھ لو۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بھی قول ہے کہ حضرت علی ہی سب سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والے (قاضی) ہیں۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام آپس میں کہا کرتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ ہم اہلِ مدینہ میں سب سے

زیادہ معاملہ فہم ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں فصل قضایا (مقدمات کے فیصلے کرنے) اور علم فرائض میں علی ابن ابی طالب سے زیادہ علم رکھنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۸)

حضرت عبداللہ ابن عیاش بن ابی ربیعہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں علم کی قوت، ارادے کی پختگی، مضبوط اور استقلال موجود تھا۔ خاندان بھر میں اپ کی بہادری مشہور تھی۔ آپ احکام فقہ و سنت کے ماہر تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جس جگہ یاایھا الذین امنوا ہے وہاں سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی ان کے امیرو شریف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی حضرت علی کا ذکر فرمایا خیر کے ساتھ فرمایا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۸)

خلفائے ثلاثہ کی خلافت اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین

خلیفہ چہارم حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے اپنے پیش رو خلفائے ثلاثہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، حضرت سیدنا عمر فاروق اور حضرت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین میں ہر ایک کی خلافت کو بخوشی منظور فرمایا تھا اور آپ نے کبھی بھی ان میں سے کسی کی خلافت کا انکار نہیں فرمایا۔ جیساکہ ابن عساکر نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے تو ابن الکواء اور حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر آپ سے یہ دریافت کیا کہ ہمیں یہ بتلایئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ ہو گے۔ یہ بات کہاں تک سچ ہے کیونکہ آپ سے زیادہ اس معاملے میں صحیح بات اور کون کہہ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا

تھا۔ جب میں نے آپ کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کی تو اب آپ پر جھوٹ کیوں تراشوں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اس قسم کا کوئی وعدہ کیا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کیوں کھڑا ہونے دیتا میں ان دونوں کو قتل کر ڈالتا خواہ میرا ساتھ دینے والا کوئی بھی نہ ہوتا۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفعتاً نہ کسی نے قتل کیا اور نہ آپ نے یکایک انتقال فرمایا۔ بلکہ آپ چند روز مرض الموت میں مبتلا رہے۔ اور جب آپ کی بیماری نے شدت اختیار کی اور موذن نے نماز پڑھانے کے لیے آپ کو بلایا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور آپ نے بموجب حکم نبوی نماز پڑھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا۔ جب دوسری نماز کا وقت آیا تو موذن نے آپ کو نماز پڑھانے کے لیے بلایا آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا انہوں نے نماز پڑھائی اور آپ اپنے مقام سے مشاہدہ فرماتے رہے۔ حالانکہ اس عرصہ میں ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کے لیے آپ کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا تو آپ کو غصہ آیا اور آپ نے فرمایا کہ تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورت ہو۔ جاؤ ابوبکر ہی کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو ہم نے اپنے معاملات میں (یعنی خلافت میں) غور کیا۔ اور پھر اسی شخص کو اپنی دنیا کے واسطے بھی اختیار کر لیا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین (امامت) کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ کیونکہ نماز دین کی اصل ہے اور حضور دین اور دنیا دونوں کے قائم رکھنے والے تھے۔ لہٰذا ہم سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر لی۔ سچی بات بھی یہی ہے کہ آپ ہی اس کے اہل بھی تھے۔ اسی واسطے آپ کی خلافت میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اور نہ کسی نے آپ کی خلافت سے سرگردانی کی۔ میں نے بھی اسی بناء پر آپ کا حق ادا کیا اور آپ کی اطاعت کی۔ میں نے آپ کے لشکر میں شریک ہو کر کافروں سے جنگ کی۔ مال غنیمت اور بیت المال سے آپ نے جو دے دیا وہ بخوشی قبول کر لیا۔ اور

جہاں آپ نے مجھے جنگ کے لیے بھیجا تو دل کھول کر لڑا۔ یہاں تک کہ آپ کے حکم سے شرعی سزائیں بھی دیں (یعنی حد جاری کی)۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آگیا تو آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اکبر کے بہترین جانشین اور سنت نبوی پر عمل کرنے والے تھے، تو ہم نے ان کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ بنانے پر کسی شخص نے مطلق اختلاف نہیں کیا اور نہ کوئی نقصان رسانی کے درپے ہوا اور یقینی طور پر کوئی بھی فرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بیزار نہیں ہوا اور پہلے کی طرح حضرت عمر کے بھی میں نے حقوق ادا کیے اور ان کی مکمل طور پر اطاعت کی۔ جو کچھ انہوں نے دیا میں نے لے لیا۔ انہوں نے مجھے جنگوں میں بھیجا جہاں میں نے دشمنوں سے مقابلے کیے اور آپ کے عہد میں بھی اپنے کوڑوں سے مجرموں کو سزا دی۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وقت وصال آیا تو اس وقت میں نے اپنے دل میں غور کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی قرابت، اسلام لانے میں اپنی سبقت، اپنے اعمال اور اپنی بعض دیگر فضیلتوں کی جانب غور کیا تو مجھے خیال ضرور پیدا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اب میری خلافت میں اعتراض نہیں کریں گے لیکن شاید حضرت عمر کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ وہ کہیں ایسا خلیفہ نامزد نہ کریں جس کے اعمال کا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبر میں جواب دینا پڑے۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے اپنی اولاد کو بھی نظر انداز کر دیا اور خلافت کے لیے نامزد نہیں فرمایا، بلکہ خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ چھ قریشیوں کے سپرد کر دیا جن میں ایک میں بھی تھا۔ جب ان چھ ارکان نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے مجلس طلب کی تو مجھے خیال آیا کہ اب خلافت کا بار میرے کندھوں پر رکھ دیا جائے گا اور یہ مجلس میرے برابر کسی دوسرے کو حیثیت نہیں دے گی اور مجھے ہی خلیفہ منتخب کرے گی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہم سب سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جس کو خلیفہ مقرر فرمادے ہم سب اس کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکام کو برضا و رغبت بجالائیں گے۔ اس

کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خود بیعت کی۔

اس وقت میں نے سوچا کہ میری اطاعت میری بیعت پر غالب آگئی اور مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ (اصل میں) دوسرے کی بیعت کے لیے تھا۔ بہرحال میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلی اور خلفائے سابقین کی طرح ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی اور حضرت عثمان غنی کے حقوق ادا کیے۔ ان کی قیادت میں جنگیں لڑیں، ان کے عطیات کو قبول کیا اور شرعی سزائیں بھی دیں۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجھے خیال ہوا کہ وہ دونوں خلیفہ جن سے میں نے لفظ بالصلوہ کے ساتھ بیعت کی تھی انتقال فرما چکے اور جن کے لیے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ بھی اب رخصت ہوگئے۔ پس یہ سوچ کر میں نے بیعت لینی شروع کردی چنانچہ مجھ سے اہلِ حرمین شریفین (مکّہ اور مدینہ) کے باشندوں نے اور کوفہ اور بصرہ کے باشندوں نے بیعت کرلی۔ اب خلافت کے لیے میرے مقابلہ میں وہ شخص کھڑا ہے (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) جو قرابت، علم اور سبقت اسلام میں میرے برابر ہو ہی نہیں سکتا اور میں ہر طرح اس شخص کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۴)

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے خطبہ میں آپ کو فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! ہم کو ویسی ہی صلاحیت عطا فرما جیسی تُو نے ہدایت یاب خلفائے راشدین کو عطا فرمائی تھی۔ ازراہ کرم مجھے ان ہدایت یاب خلفائے راشدین کے نام بتادیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا: وہ میرے دوست ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان میں سے ہر ایک امام ہدیٰ اور شیخ الاسلام تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ دونوں قریش کے مقتداء تھے۔ جس شخص نے ان کی پیروی کی وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت میں داخل ہوگیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۶)

محترم قارئین! امیر المومنین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ان فیصلہ کن

ارشادات کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہر وہ شخص جو حب علی کا دعویدار ہے اسے فرمانِ علی کو دل و جان سے تسلیم کر لینا چاہیے اور دل سے اس بات کو قطعی طور سے نکال دینا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق تھے مگر حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے ان کا حق چھین لیا۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ اللہ ہم کو صحابہ کرام و خلفائے راشدین کی محبت عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے روز تمام صحابہ کرام نے، جو مکہ و مدینہ منورہ میں تھے (سوائے حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے) حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ تمام مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما مکہ چلے گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر خونِ عثمان کا مطالبہ کرتے ہوئے بصرہ پہنچے۔ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے اور بصرہ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت عائشہ سے ملے۔ آمنا سامنا ہوا اور پھر جنگ شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی جنگ جمل کے نام سے جمادی الآخر ۳۶ھ میں ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے اور طرفین کے تیرہ ہزار مسلمان بھی شہید ہو گئے۔

بصرہ میں آپ پندرہ روز رکے پھر کوفہ تشریف لے گئے۔ آپ کے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خروج کیا۔ ان کے ساتھ شامی لشکر تھا۔ آپ آگے بڑھے اور صفین کے مقام پر ماہ صفر ۳۷ھ میں خوب معرکہ آرائی ہوئی اور کئی روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ آخر ایک معاہدہ پر یہ جنگ ختم ہوئی، اسے جنگ صفین کہتے ہیں۔

سیدۃالنساء حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اس بتول جگر، پارہ مصطفیٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

(سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ)

نام، لقب اور پیدائش

آپ کا اسم گرامی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور لقب سیدۃ النساء، زہرا، بتول ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی مخدومہ کائنات رضی اللہ عنہا کا نام فاطمہ رکھا تو اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

انما سمیت ابنتی فاطمہ لان اللہ فطمھا ومحبیھا عن النار۔ (صواعق محرقہ ص ۱۵۴۰ شرح فقہ اکبر ص ۱۳۲)

یعنی میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے چاہنے والوں کو دوزخ سے آزاد کیا ہے۔

اور طبرانی نے اپنے آدمیوں کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما سمیت فاطمہ لان اللہ تعالی قد فطمھا و ذریتھا عن النار یوم القیمہ۔ (صواعق محرقہ ص۱۵۴۰، شرح فقہ اکبر ص ۱۳۳)

یعنی میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کی اولاد کو قیامت کے دن کوئی عذاب نہیں دے گا۔

اور لقب زہرا یعنی کلی۔ آپ جنت کی کلی تھیں۔ آپ کے جسم سے جنت کی خوشبو آتی تھی جسے حضور سونگھا کرتے تھے۔ اور آپ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے فضیلت دین اور حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھیں۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ سیدہ چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین و جمیل تھیں۔ (سفینہ نوح ج ۱ ص ۱۴) اور آپ کے لقب بتول کے معنی ہیں منقطع ہونا۔ چونکہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے الگ اور بے تعلق تھیں۔ آپ کی توجہ اس فانی دنیا کے عیش و عشرت کی طرف بالکل نہیں تھی بلکہ ہر وقت آپ یاد الٰہی میں مصروف رہتی

تھیں اسی لیے آپ کو بتول کہا جاتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۳) حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا
کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

آپ کے والد گرامی حضور سید الانبیاء و المرسلین سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت خدیجہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ حضور سید الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مطہرہ ہیں۔ جب تک آپ زندہ رہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے ایمان قبول فرمایا۔ آپ کے بطن مبارک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنھن ہیں اور تین صاحبزادے۔ اور ایک روایت میں دو صاحبزادوں کے بارے میں لکھا ہے۔ حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت ابراہیم۔ حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی پیدائش کے سن میں اختلاف پایا جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ آپ کی ولادت اعلان نبوت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ولادت نبوی کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ مشہور تر روایت یہی ہے۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۷۸۷)

حضرت سیدہ کا بچپن شریف اور زندگی کا ہر لحہ نہایت پاکیزہ تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ایک طرف حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری طرف حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی آغوش رحمت آپ کی تربیت گاہ تھی۔ اور آپ دن رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زبان پاک سے پاکیزہ اقوال اور خدا شناسی کے تذکرے سنتیں اور ان کے مقدس اعمال و افعال کا مشاہدہ فرماتی تھیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمۃ الزہرا سے زیادہ کسی کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرت و کردار، راہ و روش اور قیام و قعود میں مشابہ نہیں دیکھا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ

عادت کریمہ تھی کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو حضور ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ چومتے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آگے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

حضرت سیدہ کی عمر شریف جب نو برس کی تھی کہ آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کی بہترین تربیت فرما کر انتقال فرما گئیں اور جب آپ کی عمر مبارک باختلاف روایت ۲۳ سال کی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جس کے باعث آپ ہمیشہ بیمار رہتیں اور اسی غم میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح

مخدومہ کائنات جگرپارہ مصطفیٰ سیدتنا خاتون جنت رضی اللہ عنہا عالم طفولیت سے جب عالم بلوغیت میں پہنچیں تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں آپ کے لیے بہت سے پیغام آئے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پیغام کو یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے۔ ہم ذرا قدرے تفصیل کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہرا کے نکاح کے متعلق معتبر و مستند کتابوں کے حوالہ جات کی روشنی میں کچھ اہم اور ضروری باتیں تحریر کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

صحیح ترین روایت کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک میں حضرت خاتون جنت کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرما دی۔ بعض نے رجب میں نکاح ہونے کا ذکر کیا ہے اور بعض ماہ صفر بھی کہتے ہیں۔ وقت نکاح حضرت فاطمۃ الزہرا کی عمر شریف ۱۵ سال ساڑھے پانچ ماہ تھی۔ بعض کہتے ہیں ۱۶ سال اور بعض ۱۸ سال بھی کہتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اکیس (۲۱) سال پانچ ماہ تھی۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی زندگی میں کوئی

دوسری شادی نہیں کی۔ ہاں البتہ ایک دفعہ ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی اس سے فاطمہ کو تکلیف پہنچے گی اور فاطمہ کی تکلیف میری تکلیف کا باعث بنتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور احمد نے بھی ایک ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی حضرت فاطمہ کے نکاح کے پیغام کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے انکار فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ فاطمہ کے نکاح کے لیے مجھے وحی الٰہی کا انتظار ہے۔ اور دوسرے حضرت عمر کو فرمایا کہ فاطمہ ابھی خورد سال ہیں۔ پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کو ترغیب دی۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیغام کو رد فرمادیا تو ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ کو اس معاملے میں ترغیب دی اور فرمایا اے علی! آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور خواص میں سے ہیں۔ آپ جا کر حضرت فاطمہ کے لیے پیغام دے دیجیے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کے کہنے کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں پہنچے اور سلام عرض کیا حضور نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اے ابوطالب کے فرزند، کیا بات ہے؟ کیسے آنا ہوا؟ حضرت علی عرض کرتے ہیں کہ میں آپ کی بارگاہ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ میں فاطمہ کا پیغام اپنے لیے پیش کروں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا واھلا فرمایا اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ اس وقت حضور پر وہ کیفیت طاری ہوئی جس کا نزول وحی کے وقت ظہور ہوتا تھا۔ پھر جب آپ کی حالت معمول پر آئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے انس! رب العرش کے پاس سے میرے حضور جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کہ فاطمہ کا نکاح علی مرتضیٰ کے ساتھ کردو۔ تو اے انس جاؤ اور ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر اور جماعت انصار کو بلالاؤ۔ جب یہ سب حاضر ہو گئے

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نکاح کی ترغیب فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علی سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کیا ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجاہد ہو اور گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ چنانچہ وہ زرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم میں خرید لی (جو بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بطور ہدیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی) حضرت علی نے پوری پوری رقم لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دی۔ حضور نے اس میں سے کچھ حضرت بلال کو دیا کہ خوشبو خرید لائیں اور کچھ رقم جہیز وغیرہ کے لیے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دی۔ انہوں نے اس رقم سے دو چادریں، دو کتان والی چادریں اوڑھنے کے لیے، چار بالشت کپڑا، دو چاندی کے بازو بند، گدا، تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے اور ان کو ترتیب کے ساتھ رکھ دیا۔ ایک اور روایت میں حضرت فاطمہ کے جہیز کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں بان کی ایک چارپائی، ایک لحاف، ایک چمڑے کا تکیہ (بستر) جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو گھوڑے شامل تھے۔ (سیرت رسول عربی ص ۶۱۹۔ روضۃ الشہداء ج ۱ ص ۲۹۲) اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی کے ساتھ چار سو مثقال چاندی پر مہر باندھا اور فرمایا: اے علی! تم قبول کرتے ہو اور اس پر راضی ہو؟ حضرت علی نے عرض کیا میں نے قبول کیا اور میں راضی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھا دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طباق کھجوروں کا لیا اور جماعت صحابہ پر بکھیر کر لٹایا۔ اسی بناء پر فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ کھجور و بادام وغیرہ کا نکاح کی مجلس میں بکھیر کر لٹانا مستحب ہے۔ (مدارج النبوہ ج ۲ ص ۱۲۷) (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۲۵)

صاحب روضۃ الشہداء حضرت علامہ معین کاشفی ابو المؤید خوارزمی کی کتاب مناقب خوارزمی سے یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ پر جلوہ افروز تھے کہ

ایک فرشتہ خدمت عالیہ میں حاضر ہوا جس کے بیس (۲۰) سر تھے اور ہر سر میں ایک ہزار (۱۰۰۰) زبان تھی۔ ہر زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتا تھا۔ اس کی ہتھیلی ساتوں آسمان اور ساتوں زمین سے زیادہ کشادہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اس فرشتے نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صرصائیل فرشتہ ہوں حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں نور کی نور کے ساتھ شادی کے لیے بھیجا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے صرصائیل کس کا کس کے ساتھ عقد کروں؟ تو فرشتہ صرصائیل نے عرض کیا حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ فرما دیجیے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل و حضرت میکائیل کو گواہ بنا کر اس فرشتے کی موجودگی میں اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردیا تو سیدہ فاطمہ رونے لگیں۔ (صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ یہ رونا حضرت فاطمہ کا اپنے باپ کے گھر سے جدائی کی وجہ سے تھا۔ ان لوگوں کا یہ خیال غلط ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اس لیے روئی تھیں کہ حضرت علی کے گھر میں دنیاوی مال و متاع نہیں تھی۔ اس لیے کہ سیدہ فاطمہ نے پہلے ہی اپنے والد گرامی کی تعلیم و تربیت سے اپنے آپ کو دنیا سے الگ تھلگ کرلیا تھا اور فقر و فاقہ تو ان کی امتیازی شان تھی۔) اس پر حضور نے ان سے دریافت فرمایا: میری لخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کردیا ہے جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی چیز۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اما ترضین یا فاطمہ ان اللہ اختار من اھل الارض رجلین جعل احدھما اباك والاخر بعلك۔	یعنی اے فاطمہ! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ حق تعالیٰ نے زمین سے دو شخصوں کو برگزیدہ بنایا ہے جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر ہے۔

اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما ترضین انی زوجتک اقدم امتی سلما و اکثرھم علما واعظم حلما۔

یعنی اے فاطمہ، کیا تم اس سے راضی نہیں کہ میں نے تمہاری شادی اس سے کی ہے جو ازروئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے اور علم و حلم کے اعتبار سے ان سب سے دانا ترین ہے۔

صاحب مدارج النبوہ لکھتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کا عقد حضرت علی کے ساتھ فرمادیا تو ان کے کاشانہ پر تشریف لے گئے اور حضرت سیدہ فاطمہ سے فرمایا تھوڑا پانی لاؤ۔ پھر سیدہ فاطمہ نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ حضور نے پانی لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈالا اور سیدہ فاطمہ سے فرمایا قریب آؤ وہ قریب آئیں تو حضور نے اس پانی کو ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا اور فرمایا: اللھم انی اعیذھا بک و ذریتھا من الشیطن الرجیم۔ یعنی اے اللہ میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا پانی اور لاؤ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ اب حضور کیا کریں گے تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر کر لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو لیا اور اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا میرے سامنے آؤ۔ میں حضور کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حضور نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیے اور فرمایا: اللھم انی اعیذبک و ذریتہ من الشیطن الرجیم۔ یعنی اے اللہ میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا: بسم اللہ والبرکہ کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۹)

دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کیا اور صحابہ کرام میں انصار و مہاجرین کو ملا کر سات سو آدمیوں نے اس میں شرکت فرمائی۔ ولیمہ کے کھانے میں باختلاف روایت خرما، روغن، پنیر، چند صاع، کھجوریں اور جو کا کھانا تھا۔

آسمان پر حضرت فاطمہ و حضرت علی کا نکاح

صاحب روضۃ الشہداء حضرت علامہ حسین احمد کاشفی مناقب خوارزمی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آسمان پر حضرت فاطمہ و حضرت علی کے نکاح کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے ان کا عقد نکاح آسمان پر اس طرح منعقد کیا کہ سب سے پہلے بہشت بریں کو حکم فرمایا کہ وہ خود کو زیب و زینت سے اچھی طرح آراستہ و پیراستہ کر لیں۔ اور پھر حوران بہشتی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو زیور ہائے جنت سے اچھی طرح مزین کر لیں اور پھر شجر طوبیٰ کو حکم دیا کہ وہ خود کو زریں برگ و بار سے بار آور کرے۔ اس کے بعد آسمانوں کے تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ سب کے سب چوتھے آسمان پر بیت المعمور کے نزدیک جمع ہو جائیں تو جب یہ سب کچھ ہو گیا تو نور کا وہ منبر جو بیت المعمور کے سامنے رکھا ہوا ہے اس پر بیٹھ کر حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام والصلوۃ نے خطبہ پڑھا۔ بعدہ اللہ تعالیٰ نے راحیل فرشتہ کو حکم دیا کہ وہ منبر پر آئے اور حمد و ثنا بیان کرے کیونکہ وہ تمام فرشتوں میں سب سے زیادہ شیریں کلام تھے۔ پس راحیل فرشتے نے خطبہ پڑھا تو آسمان کے سارے فرشتے اس کی خوش الحانی پر جھومنے لگے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ اے جبرئیل میں نے اپنی بیٹی فاطمہ بنت محمد کے ساتھ اپنے بندہ علی ابن طالب کا نکاح کر دیا ہے تو بھی اس نکاح مبارکہ کی تقریب کو ملائکہ کرام میں منعقد کر۔ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان دونوں کا عقد نکاح کر کے تمام ملائکہ کو گواہ کیا اور یہ تمام واقعہ دستاویز کی صورت میں اس ریشمی کپڑے پر تحریر کر دیا گیا ہے اور مجھے حکم خداوندی ہوا ہے کہ سے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ (روضۃ الشہداء ج ا ص ۲۸۸، مشکل کشا ج ا ص ۷۶-۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امور خانہ داری

شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی اور چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا پورا کام کاج خود انجام دیا کرتی تھیں۔ جھاڑو اپنے ہاتھ سے دیتی تھیں، چکی اپنے ہاتھ سے پیستی تھیں۔ جس سے ہاتھ میں گٹھے پڑ گئے تھے۔ مشکیزہ میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں جس سے کندھے چھل گئے تھے اور آگ کے پاس بیٹھ کر گرمی کی شدت کے باوجود کھانا خود پکاتی تھیں۔ ان تمام امور کو انجام دینے کے باوجود اپنے شوہر حضرت علی کی خدمت میں کبھی بھی کمی واقع نہ ہونے دی اور نہ ہی کبھی ایک وقت کی نماز قضا ہوئی۔

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مال غنیمت میں کچھ باندیاں اور غلام آئے تو آپ اپنے شوہر کے بے حد اصرار پر ڈرتے ڈرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ایک باندی گھریلو کام کاج کے لیے طلب کرنے گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جو اس سے بہتر ہے جس کا تم نے مجھ سے سوال کیا ہے؟ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سونے کا ارادہ کرو تو ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔ (بخاری شریف ج۲ص ۴۰۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق احادیث کریمہ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر، لخت جگر، اہل بیت اطہار میں سب سے زیادہ چہیتی اور پیاری بیٹی۔ فاتح خیبر حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی اہلیہ محترمہ۔ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ اور تمام جہاں کی عورتوں کی سردار۔ خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، جن سے پروردگار عالم نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ان

کے فضائل و مناقب میں بھی کثرت سے احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم یہاں مختصراً چند احادیث کریمہ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاطمه بضعه منی فمن اغضبها اغضبنی۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۳۰۶)

فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاطمه سیده النساء اهل الجنه۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۰۵)

فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا ترضین ان تکونی سیده النساء العلمین و سیده نساء المومنین وسیده نساء هذه الامه۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۵)

یعنی اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہو، تمام مومن عورتوں کی سردار ہو اور میری امت کی عورتوں کی بھی سردار ہو۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے میں یا فاطمہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاطمه احب الی منك و انت آعز علی منها۔ (صواعق محرقہ ص ۶۳۵)

یعنی فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور میرے نزدیک تم ان سے زیادہ عزت والے ہو۔

(۵) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کان یوم القیمۃ نادی مناد من وراء الحجاب یا اھل الجمع غضوا ابصارکم حتی تمر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتمروا معھا سبعون الف جاریہ من حور العین کالبرق اللامع۔ (صواعق محرقہ ص ۱۴۳، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۳)

قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا پردے میں سے ندا کرے گا کہ حشر کے میدان میں جمع ہونے والو! اپنی نگاہیں جھکا لو، یہاں تک کہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (پل صراط) سے گزر جائیں۔ چنانچہ آپ ستر ہزار باندیوں کے ساتھ جو حوریں ہوں گی بجلی کی طرح (پل صراط) سے گزر جائیں گی۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

إن اللہ یغضب بغضب فاطمہ و یرضی برضاء ھا۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۹۵)

بے شک اللہ تعالیٰ فاطمہ کے غضب ناک ہونے سے غضب ناک ہوتا ہے اور اس کے راضی ہونے سے راضی ہوتا ہے۔

(۷) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابنتی فاطمہ حوراء ادمیہ لم تحض و لم تطمث۔ (الامن والعلی ص ۲۰۳)

میری صاحبزادی فاطمہ انسانی حور ہے کہ نجاستوں کے عارضے (حیض و نفاس) سے پاک و منزہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور عبادت خداوندی

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ دیکھا کہ وہ گھر کے محراب میں رات رات بھر نماز میں مشغول رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی۔ اور میں نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری اور نہایت عاجزی سے التجا و دعا کرتے ہوئے دیکھا ہے مگر

میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ دعا میں اپنے واسطے کوئی درخواست کی ہو بلکہ آپ کی تمام دعائیں نانا جان حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و سلم کی امت کی بخشش اور بھلائی کے لیے ہوتیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۹۰)

وہ شب بیدار و صرف رکوع و سجدہ پیہم
وہ جن کی ذات پر نازاں حضور رحمت عالم ﷺ

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان شریف کا مہینہ تھا، دوپہر کا وقت تھا اور نہایت شدت کی گرمی پڑ رہی تھی۔ میں حضرت فاطمہ کے مکان پر حاضر ہوئی۔ دروازہ بند تھا اور چکی چلنے کی آواز آ رہی تھی میں نے روزن در سے جھانک کر دیکھا کہ سیدہ تو چکی کے پاس سو رہی ہیں اور چکی خود بخود چل رہی تھی اور پاس ہی حسنین کریمین کا گھوارہ بھی خود بخود ہل رہا تھا یہ دیکھ کر میں نہایت حیران و متعجب ہوئی اور اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اس شدت کی گرمی میں فاطمہ روزے سے ہے۔ پروردگار عالم نے فاطمہ پر نیند غالب کر دی تاکہ اس کو گرمی کی شدت اور تشنگی محسوس نہ ہو اور فرشتوں کو حکم دے دیا کہ وہ فاطمہ کے کام سرانجام دیں۔

وہ خاتونِ جناں، معصوم حوریں باندیاں جن کی
ملک جنّت سے آ کر پیستے تھے چکیاں جن کی

(سفینہ نوح ج ۲ ص ۳۵)

وصال حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و سلم کے وصال مبارکہ کا حضرت فاطمہ کو اتنا سخت صدمہ تھا کہ اس کے بعد آپ کبھی ہنسی نہیں اور ہمیشہ اپنے والد ماجد کی جدائی میں روتی رہیں۔ یہاں تک کہ وصال سرور کائنات صلی اللہ علیہ و سلم کے چھ مہینے بعد ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ منگل کی رات کو ہجرو فراق اور درد و غم کی کٹھن منزلوں سے گزر

کر اپنے والد ماجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملیں۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۲ سال تھی۔ انا للہ وانا الیہ رٰجعون۔

انتقال کے روز آپ نے مبالغہ کے ساتھ غسل فرمایا اور پاکیزہ کپڑے پہن کر نماز ادا فرمائی اور امت محمدیہ کے لیے مغفرت کی دعائیں کیں۔ بعد ازاں اپنا داہنا رخسار کے نیچے رکھ کر قبلہ رو لیٹ گئیں اور فرمایا کہ میں اپنی جان خداوند قدوس کے سپرد کرتی ہوں۔ آپ کی وفات سے حضرت علی، حضرات حسنین کریمین، اور حضرت زینب و حضرت ام کلثوم رضوان اللہ علیہم کو بے حد صدمہ ہوا۔

تجہیز و تکفین

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں شرم و حیا بہت زیادہ تھی۔ اس لیے وفات سے کچھ روز پہلے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت صدیق اکبر) سے فرمایا: اے اسماء! آج کل جس طرح عورتوں کا جنازہ لے کر جاتے ہیں مجھے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ حضرت اسماء نے فرمایا اے جگر گوشہ رسول! میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے جس سے عورتوں کے جنازہ کا پورا پورا پردہ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے آپ کے سامنے کر کے دکھادوں۔ پھر حضرت اسماء نے کھجور کی تازہ شاخیں منگوائیں اور ان کو چارپائی پر کمان کی طرح لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا حضرت فاطمہ نے یہ دیکھ کر فرمایا یہ تو بہت ہی اچھا اور حسین و جمیل طریقہ ہے۔ اس سے مرد و عورت کے جنازے کی پہچان بھی ہو جاتی ہے۔ تو جب میں وفات پاؤں تو میرا جنازہ بھی اسی طرح بنانا۔ (آج کل جو عورتوں کے جنازے پر پردے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اس کی ابتداء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ہی تجویز سے ہوا ہے۔) اور تم اور میرے شوہر دونوں مل کر مجھے غسل دینا۔ اور کسی کو شامل نہ کرنا۔

جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو حضرت اسماء و حضرت علی نے ان کو غسل دیا۔ اور اسی طرح آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جنازہ پر دو رویہ تازہ کھجور کی شاخیں لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ اور باختلاف روایات حضرت علی یا حضرت

کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خود بیعت کی۔

اس وقت میں نے سوچا کہ میری اطاعت میری بیعت پر غالب آگئی اور مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ (اصل میں) دوسرے کی بیعت کے لیے تھا۔ بہرحال میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کرلی اور خلفائے سابقین کی طرح ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی اور حضرت عثمان غنی کے حقوق ادا کیے۔ ان کی قیادت میں جنگیں لڑیں، ان کے عطیات کو قبول کیا اور شرعی سزائیں بھی دیں۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجھے خیال ہوا کہ وہ دونوں خلیفہ جن سے میں نے لفظ بالصلوہ کے ساتھ بیعت کی تھی انتقال فرماچکے اور جن کے لیے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ بھی اب رخصت ہوگئے۔ پس یہ سوچ کر میں نے بیعت لینی شروع کردی چنانچہ مجھ سے اہلِ حرمین شریفین (مکّہ اور مدینہ) کے باشندوں نے اور کوفہ اور بصرہ کے باشندوں نے بیعت کرلی۔ اب خلافت کے لیے میرے مقابلہ میں وہ شخص کھڑا ہے (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) جو قرابت، علم اور سبقت اسلام میں میرے برابر ہو ہی نہیں سکتا اور میں ہر طرح اس شخص کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۴)

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے خطبہ میں آپ کو فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! ہم کو ویسی ہی صلاحیت عطا فرما جیسی تُو نے ہدایت یاب خلفائے راشدین کو عطا فرمائی تھی۔ ازراہ کرم مجھے ان ہدایت یاب خلفائے راشدین کے نام بتادیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا: وہ میرے دوست ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان میں سے ہر ایک امام ہدیٰ اور شیخ الاسلام تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ دونوں قریش کے مقتداء تھے۔ جس شخص نے ان کی پیروی کی وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت میں داخل ہوگیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۶)

محترم قارئین! امیر المومنین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ان فیصلہ کن

ارشادات کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہر وہ شخص جو حب علی کا دعویدار ہے اسے فرمانِ علی کو دل و جان سے تسلیم کر لینا چاہیے اور دل سے اس بات کو قطعی طور سے نکال دینا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق تھے مگر حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے ان کا حق چھین لیا۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ اللہ ہم کو صحابہ کرام و خلفائے راشدین کی محبت عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے روز تمام صحابہ کرام نے، جو مکہ و مدینہ منورہ میں تھے (سوائے حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ تمام مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما مکہ چلے گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر خونِ عثمان کا مطالبہ کرتے ہوئے بصرہ پہنچے۔ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے اور بصرہ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت عائشہ سے ملے۔ آمنا سامنا ہوا اور پھر جنگ شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی جنگ جمل کے نام سے جمادی الآخر ۳۶ھ میں ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے اور طرفین کے تیرہ ہزار مسلمان بھی شہید ہو گئے۔

بصرہ میں آپ پندرہ روز رکے پھر کوفہ تشریف لے گئے۔ آپ کے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خروج کیا۔ ان کے ساتھ شامی لشکر تھا۔ آپ آگے بڑھے اور صفین کے مقام پر ماہ صفر ۳۷ھ میں خوب معرکہ آرائی ہوئی اور کئی روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ آخر ایک معاہدہ پر یہ جنگ ختم ہوئی، اسے جنگ صفین کہتے ہیں۔

سیدۃ النساء حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر
ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

اس بتول جگر پارہ مصطفیٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

(سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ)

نام، لقب اور پیدائش

آپ کا اسم گرامی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور لقب سیدۃ النساء، زہرا، بتول ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی مخدومہ کائنات رضی اللہ عنہا کا نام فاطمہ رکھا تو اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

انما سمیت ابنتی فاطمہ لان اللہ فطمہا ومحبیہا عن النار۔ (صواعق محرقہ ص ۱۴۰ شرح فقہ اکبر ص ۱۳۳)

یعنی میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے چاہنے والوں کو دوزخ سے آزاد کیا ہے۔

اور طبرانی نے اپنے آدمیوں کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انما سمیت فاطمہ لان اللہ تعالیٰ قد فطمہا و ذریتہا عن النار یوم القیمہ۔ (صواعق محرقہ ص ۱۴۰، شرح فقہ اکبر ص ۱۳۳)

یعنی میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کی اولاد کو قیامت کے دن کوئی عذاب نہیں دے گا۔

اور لقب زہرا یعنی کلی۔ آپ جنت کی کلی تھیں۔ آپ کے جسم سے جنت کی خوشبو آتی تھی جسے حضور سونگھا کرتے تھے۔ اور آپ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے فضیلت دین اور حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھیں۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ سیدہ چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین و جمیل تھیں۔ (سفینہ نوح ج ۱ ص ۱۴) اور آپ کے لقب بتول کے معنی ہیں منقطع ہونا۔ چونکہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے الگ اور بے تعلق تھیں۔ آپ کی توجہ اس فانی دنیا کے عیش و عشرت کی طرف بالکل نہیں تھی بلکہ ہر وقت آپ یاد الٰہی میں مصروف رہتی

تھیں اسی لیے آپ کو بتول کہا جاتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۳) حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا
کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

آپ کے والد گرامی حضور سید الانبیاء و المرسلین سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت خدیجہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ حضور سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مطہرہ ہیں۔ جب تک آپ زندہ رہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے ایمان قبول فرمایا۔ آپ کے بطن مبارک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن ہیں اور تین صاحبزادے۔ اور ایک روایت میں دو صاحبزادوں کے بارے میں لکھا ہے۔ حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت ابراہیم۔ حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی پیدائش کے سن میں اختلاف پایا جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ آپ کی ولادت اعلان نبوت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ولادت نبوی کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ مشہور تر روایت یہی ہے۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۷۸۷)

حضرت سیدہ کا بچپن شریف اور زندگی کا ہر لمحہ نہایت پاکیزہ تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ایک طرف حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری طرف حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی آغوش رحمت آپ کی تربیت گاہ تھی۔ اور آپ دن رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زبان پاک سے پاکیزہ اقوال اور خدا شناسی کے تذکرے سنتیں اور ان کے مقدس اعمال و افعال کا مشاہدہ فرماتی تھیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمۃ الزہرا سے زیادہ کسی کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرت و کردار، راہ و روش اور قیام و قعود میں مشابہ نہیں دیکھا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ

عادت کریمہ تھی کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو حضور ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ چومتے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آگے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

حضرت سیدہ کی عمر شریف جب نو برس کی تھی کہ آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کی بہترین تربیت فرما کر انتقال فرما گئیں اور جب آپ کی عمر مبارک باختلاف روایت ۲۳ سال کی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جس کے باعث آپ ہمیشہ بیمار رہتیں اور اسی غم میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح

مخدومہ کائنات جگرپارہ مصطفیٰ سیدتنا خاتون جنت رضی اللہ عنہا عالم طفولیت سے جب عالم بلوغیت میں پہنچیں تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں آپ کے لیے بہت سے پیغام آئے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پیغام کو یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے۔ ہم ذرا قدرے تفصیل کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہرا کے نکاح کے متعلق معتبر و مستند کتابوں کے حوالہ جات کی روشنی میں کچھ اہم اور ضروری باتیں تحریر کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

صحیح ترین روایت کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک میں حضرت خاتون جنت کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرما دی۔ بعض نے رجب میں نکاح ہونے کا ذکر کیا ہے اور بعض ماہ صفر بھی کہتے ہیں۔ وقت نکاح حضرت فاطمۃ الزہرا کی عمر شریف ۱۵ سال ساڑھے پانچ ماہ تھی۔ بعض کہتے ہیں ۱۶ سال اور بعض ۱۸ سال بھی کہتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اکیس (۲۱) سال پانچ ماہ تھی۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی زندگی میں کوئی

دوسری شادی نہیں کی۔ ہاں البتہ ایک دفعہ ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی اس سے فاطمہ کو تکلیف پہنچے گی اور فاطمہ کی تکلیف میری تکلیف کا باعث بنتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور احمد نے بھی ایک ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی حضرت فاطمہ کے نکاح کے پیغام کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے انکار فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ فاطمہ کے نکاح کے لیے مجھے وحی الٰہی کا انتظار ہے۔ اور دوسرے حضرت عمر کو فرمایا کہ فاطمہ ابھی خورد سال ہیں۔ پھر ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کو ترغیب دی۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیغام کو رد فرمادیا تو ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ کو اس معاملے میں ترغیب دی اور فرمایا اے علی! آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور خواص میں سے ہیں۔ آپ جاکر حضرت فاطمہ کے لیے پیغام دے دیجیے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کے کہنے کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں پہنچے اور سلام عرض کیا حضور نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اے ابوطالب کے فرزند' کیا بات ہے؟ کیسے آنا ہوا؟ حضرت علی عرض کرتے ہیں کہ میں آپ کی بارگاہ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ میں فاطمہ کا پیغام اپنے لیے پیش کروں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحبا و اہلا فرمایا اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ اس وقت حضور پر وہ کیفیت طاری ہوئی جس کا نزول وحی کے وقت ظہور ہوتا تھا۔ پھر جب آپ کی حالت معمول پر آئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے انس! رب العرش کے پاس سے میرے حضور جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کہ فاطمہ کا نکاح علی مرتضیٰ کے ساتھ کردو۔ تو اے انس جاؤ اور ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر اور جماعت انصار کو بلاؤ۔ جب یہ سب حاضر ہوگئے

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نکاح کی ترغیب فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علی سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کیا ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجاہد ہو اور گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ چنانچہ وہ زرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم میں خرید لی (جو بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بطور ہدیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی) حضرت علی نے پوری پوری رقم لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دی۔ حضور نے اس میں سے کچھ حضرت بلال کو دیا کہ خوشبو خرید لائیں اور کچھ رقم جہیز وغیرہ کے لیے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دی۔ انہوں نے اس رقم سے دو چادریں، دو کتان والی چادریں اوڑھنے کے لیے، چار بالشت کپڑا، دو چاندی کے بازو بند، گدا، تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے اور ان کو ترتیب کے ساتھ رکھ دیا۔ ایک اور روایت میں حضرت فاطمہ کے جہیز کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں بان کی ایک چارپائی، ایک لحاف، ایک چمڑے کا تکیہ (بستر) جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور دو گھوڑے شامل تھے۔ (سیرت رسول عربی ص ۶۱۹۔ روضۃ الشہداء ج ۱ ص ۲۹۲) اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی کے ساتھ چار سو مثقال چاندی پر مہر باندھا اور فرمایا: اے علی! تم قبول کرتے ہو اور اس پر راضی ہو؟ حضرت علی نے عرض کیا میں نے قبول کیا اور میں راضی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھا دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طباق کھجوروں کا لیا اور جماعت صحابہ پر بکھیر کر لٹایا۔ اسی بناء پر فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ کھجور و بادام وغیرہ کا نکاح کی مجلس میں بکھیر کر لٹانا مستحب ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۷) (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۲۵)

صاحب روضۃ الشہداء حضرت علامہ معین کاشفی ابو المؤید خوارزمی کی کتاب مناقب خوارزمی سے یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ پر جلوہ افروز تھے کہ

ایک فرشتہ خدمت عالیہ میں حاضر ہوا جس کے بیس (۲۰) سر تھے اور ہر سر میں ایک ہزار (۱۰۰۰) زبان تھی۔ ہر زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتا تھا۔ اس کی ہتھیلی ساتوں آسمان اور ساتوں زمین سے زیادہ کشادہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر اس فرشتے نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صرصائیل فرشتہ ہوں حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں نور کی نور کے ساتھ شادی کے لیے بھیجا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے صرصائیل کس کا کس کے ساتھ عقد کروں؟ تو فرشتہ صرصائیل نے عرض کیا حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ فرما دیجیے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل و حضرت میکائیل کو گواہ بنا کر اس فرشتے کی موجودگی میں اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو سیدہ فاطمہ رونے لگیں۔ (صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ یہ رونا حضرت فاطمہ کا اپنے باپ کے گھر سے جدائی کی وجہ سے تھا۔ ان لوگوں کا یہ خیال غلط ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اس لیے روئی تھیں کہ حضرت علی کے گھر میں دنیاوی مال و متاع نہیں تھی۔ اس لیے کہ سیدہ فاطمہ نے پہلے ہی اپنے والد گرامی کی تعلیم و تربیت سے اپنے آپ کو دنیا سے الگ تھلگ کر لیا تھا اور فقر و فاقہ تو ان کی امتیازی شان تھی۔) اس پر حضور نے ان سے دریافت فرمایا: میری لخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر دیا ہے جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی چیز۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اما ترضین یا فاطمہ ان اللہ اختار من اھل الارض رجلین جعل احدھما اباک والاخر بعلک۔

یعنی اے فاطمہ! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ حق تعالیٰ نے زمین سے دو شخصوں کو برگزیدہ بنایا ہے جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر ہے۔

اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما ترضین انی زوجتک اقدم امتی سلما و اکثرھم علما واعظم حلما۔

یعنی اے فاطمہ، کیا تم اس سے راضی نہیں کہ میں نے تمہاری شادی اس سے کی ہے جو ازروئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے اور علم و حلم کے اعتبار سے ان سب سے دانا ترین ہے۔

صاحب مدارج النبوہ لکھتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی بیٹی کا عقد حضرت علی کے ساتھ فرمادیا تو ان کے کاشانہ پر تشریف لے گئے اور حضرت سیدہ فاطمہ سے فرمایا تھوڑا پانی لاؤ۔ پھر سیدہ فاطمہ نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ حضور نے پانی لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈالا اور سیدہ فاطمہ سے فرمایا قریب آؤ وہ قریب آئیں تو حضور نے اس پانی کو ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا اور فرمایا: اللھم انی اعیذھا بک و ذریتھا من الشیطن الرجیم۔ یعنی اے اللہ میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا پانی اور لاؤ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ اب حضور کیا کریں گے تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر کر لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے اس پانی کو لیا اور اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا میرے سامنے آؤ۔ میں حضور کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حضور نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیے اور فرمایا: اللھم انی اعیذہ بک و ذریتہ من الشیطن الرجیم۔ یعنی اے اللہ میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا: بسم اللہ و البرکہ کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۹)

دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کیا اور صحابہ کرام میں انصار و مہاجرین کو ملا کر سات سو آدمیوں نے اس میں شرکت فرمائی۔ ولیمہ کے کھانے میں باختلاف روایت خرما، روغن، پنیر، چند صاع، کھجوریں اور جو کا کھانا تھا۔

آسمان پر حضرت فاطمہ و حضرت علی کا نکاح

صاحب روضتہ الشہداء حضرت علامہ حسین احمد کاشفی مناقب خوارزمی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آسمان پر حضرت فاطمہ و حضرت علی کے نکاح کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے ان کا عقد نکاح آسمان پر اس طرح منعقد کیا کہ سب سے پہلے بہشت بریں کو حکم فرمایا کہ وہ خود کو زیب و زینت سے اچھی طرح آراستہ و پیراستہ کرلین۔ اور پھر حوران بہشتی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو زیورہائے جنت سے اچھی طرح مزین کرلیں اور پھر شجر طوبیٰ کو حکم دیا کہ وہ خود کو زریں برگ و بار سے بار آور کرے۔ اس کے بعد آسمانوں کے تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ سب کے سب چوتھے آسمان پر بیت المعمور کے نزدیک جمع ہوجائیں تو جب یہ سب کچھ ہوگیا تو نور کا وہ منبر جو بیت المعمور کے سامنے رکھا ہوا ہے اس پر بیٹھ کر حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام والصلوۃ نے خطبہ پڑھا۔ بعدہ اللہ تعالیٰ نے راحیل فرشتہ کو حکم دیا کہ وہ منبر پر آئے اور حمد و ثنا بیان کرے کیونکہ وہ تمام فرشتوں میں سب سے زیادہ شیریں کلام تھے۔ پس راحیل فرشتے نے خطبہ پڑھا تو آسمان کے سارے فرشتے اس کی خوش الحانی پر جھومنے لگے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ اے جبرئیل میں نے اپنی بیٹی فاطمہ بنت محمد کے ساتھ اپنے بندہ علی ابن طالب کا نکاح کردیا ہے تو بھی اس نکاح مبارکہ کی تقریب کو ملائکہ کرام میں منعقد کر۔ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان دونوں کا عقد نکاح کرکے تمام ملائکہ کو گواہ کیا اور یہ تمام واقعہ دستاویز کی صورت میں اس ریشمی کپڑے پر تحریر کردیا گیا ہے اور مجھے حکم خداوندی ہوا ہے کہ اسے آپ کی خدمت میں پیش کردوں۔ (روضتہ الشہداء ج ۱ ص ۲۸۸، مشکل کشا ج ۱ ص ۲۷۶)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امور خانہ داری

شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی اور چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا پورا کام کاج خود انجام دیا کرتی تھیں۔ جھاڑو اپنے ہاتھ سے دیتی تھیں، چکی اپنے ہاتھ سے پیستی تھیں۔ جس سے ہاتھ میں گٹھے پڑ گئے تھے۔ مشکیزہ میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں جس سے کندھے چھل گئے تھے اور آگ کے پاس بیٹھ کر گرمی کی شدت کے باوجود کھانا خود پکاتی تھیں۔ ان تمام امور کو انجام دینے کے باوجود اپنے شوہر حضرت علی کی خدمت میں کبھی بھی کمی واقع نہ ہونے دی اور نہ ہی کبھی ایک وقت کی نماز قضا ہوئی۔

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مال غنیمت میں کچھ باندیاں اور غلام آئے تو آپ اپنے شوہر کے بے حد اصرار پر ڈرتے ڈرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں ایک باندی گھریلو کام کاج کے لیے طلب کرنے گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جو اس سے بہتر ہے جس کا تم نے مجھ سے سوال کیا ہے؟ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سونے کا ارادہ کرو تو ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۰۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق احادیث کریمہ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر، لخت جگر، اہل بیت اطہار میں سب سے زیادہ چہیتی اور پیاری بیٹی۔ فاتح خیبر حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی اہلیہ محترمہ۔ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ اور تمام جہاں کی عورتوں کی سردار۔ خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جن سے پروردگار عالم نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ان

کے فضائل و مناقب میں بھی کثرت سے احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم یہاں مختصراً چند احادیث کریمہ تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاطمہ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی۔ (بخاری شریف ج۲ ص۴۰۶)

فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

(۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاطمہ سیدہ النساء اھل الجنہ۔ (بخاری شریف ج۲ ص۴۰۵)

فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا ترضین ان تکونی سیدہ النساء العلمین و سیدہ نساء المومنین و سیدہ نساء ھذہ الامہ۔ (خصائص کبریٰ ج۲ ص۴۹۵)

یعنی اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو سارے جہان کی عورتوں کی سردار ہو، تمام مومن عورتوں کی سردار ہو اور میری امت کی عورتوں کی بھی سردار ہو۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے میں یا فاطمہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاطمہ احب الی منک و انت اعز علی منھا۔ (صواعق محرقہ ص۶۳۵)

یعنی فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور میرے نزدیک تم ان سے زیادہ عزت والے ہو۔

(۵) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کر اپنے والد ماجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملیں۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۲ سال تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کے روز آپ نے مبالغہ کے ساتھ غسل فرمایا اور پاکیزہ کپڑے پہن کر نماز ادا فرمائی اور امت محمدیہ کے لیے مغفرت کی دعائیں کیں۔ بعد ازاں اپنا داہنا رخسار کے نیچے رکھ کر قبلہ رو لیٹ گئیں اور فرمایا کہ میں اپنی جان خداوند قدوس کے سپرد کرتی ہوں۔ آپ کی وفات سے حضرت علی، حضرات حسنین کریمین، اور حضرت زینب و حضرت ام کلثوم رضوان اللہ علیہم کو بے حد صدمہ ہوا۔

تجہیز و تکفین

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں شرم و حیا بہت زیادہ تھی۔ اس لیے وفات سے کچھ روز پہلے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت صدیق اکبر) سے فرمایا: اے اسماء! آج کل جس طرح عورتوں کا جنازہ لے کر جاتے ہیں مجھے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ حضرت اسماء نے فرمایا اے جگر گوشہ رسول! میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے جس سے عورتوں کے جنازہ کا پورا پورا پردہ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے آپ کے سامنے کر کے دکھاوں۔ پھر حضرت اسماء نے کھجور کی تازہ شاخیں منگوائیں اور ان کو چارپائی پر کمان کی طرح لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا حضرت فاطمہ نے یہ دیکھ کر فرمایا یہ تو بہت ہی اچھا اور حسین و جمیل طریقہ ہے۔ اس سے مرد و عورت کے جنازے کی پہچان بھی ہو جاتی ہے۔ تو جب میں وفات پاؤں تو میرا جنازہ بھی اسی طرح بنانا۔ (آج کل جو عورتوں کے جنازے پر پردے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اس کی ابتداء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ہی تجویز سے ہوا ہے۔) اور تم اور میرے شوہر دونوں مل کر مجھے غسل دینا۔ اور کسی کو شامل نہ کرنا۔

جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو حضرت اسماء و حضرت علی نے ان کو غسل دیا۔ اور اسی طرح آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جنازہ پر دو رویہ تازہ کھجور کی شاخیں لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا گیا۔ اور باختلاف روایات حضرت علی یا حضرت

عباس (رضی اللہ عنہما) نے آپ کی نماز جنازہ کی امامت کی اور حضرت علی و عباس و فضل نے آپ کو قبر میں اتارا۔ اور صحیح و مختار قول کے مطابق جنت البقیع میں آپ کو مدفون کیا گیا۔ (سیرت رسول عربی و روضۃ الشہداء وغیرہ)

سید المحققین حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۷۵۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کی اجازت سے حضرت سیدہ کی نماز جنازہ کی امامت فرمائی اور چار تکبیریں کہیں۔

اولادِ امجاد

خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھ بچے ہوئے تھے۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں۔

(۱) حضرت امام حسن (۲) حضرت امام حسین (۳) حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اور تین صاحبزادیاں

(۱) حضرت ام کلثوم (۲) حضرت زینب (۳) حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

حضرت محسن اور حضرت رقیہ بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ حضرت ام کلثوم جن کی شادی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر اور حضرت امام حسین کو میدانِ کربلا میں تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کیا گیا۔ (رضی اللہ عنہما) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ اولاد قیامت تک انہی صاحبزادوں سے جاری ہوا ہے۔

امیرالمومنین حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

حسن مجتبیٰ، سیّد الاسخیا
راکب دوش عزت پہ لاکھوں سلام
اوج مہر ہدیٰ موج بحر ندیٰ
روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام
شہد خوار لعاب زبان نبی
چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

(سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ)

نام ونسب اور پیدائش

سید السادات، صاحبِ کرامات، امامِ شریعت و طریقت، عکس جمال مصطفیٰ، نور چشم شیر خدا و جگر گوشہ خاتون جنت، خاتم خلافت راشدہ، جنت کے جوانوں کے سردار اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر، آپ کا نام نامی و اسم گرامی حسن ہے۔ اور ائمہ اثنا عشریہ (بارہ اماموں) میں دوسرے امام ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور القاب تقی و سید اور ریحانہ النبی ہے۔ نسب نامہ اس طرح ہے: ابو محمد حسن بن علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی مطلبی ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سیدہ بتول فاطمہ جگر گوشہ رسول ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ اور آپ کے نانا جان حضور سید الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کی فضیلت کا جواب نہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ شب منگل بمقام مدینہ منورہ ہوئی۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں حسن کے پیدا ہونے کے وقت حضرت فاطمہ کے پاس تھی۔ جس طرح عورتوں کو پیدائش بچہ کے بعد نفاس کا خون آتا ہے حضرت فاطمہ کو نہ آیا۔ میں نے یہ تعجب آمیز اور حیرت انگیز بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا میری بیٹی فاطمہ اس نجاست کی آلودگی سے پاک ہے۔ وہ حیض و نفاس سے بالکل منزہ ہے۔ (سعادت الکونین ص۲۰) ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت ابن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام چھ مہینے کے حمل سے پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے شریعت نے حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے قرار دی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ حضرت اسماء بنت عمیس نے آپ کو حضرت امام حسن کی ولادت باسعادت کی خوشخبری پہنچائی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خوشی کے عالم میں اٹھے اور حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور حضرت اسماء سے فرمایا: اسماء میرے فرزند کو

میرے پاس لاؤ۔ حضرت اسماء نے شہزادہ بتول کو زرد رنگ کے کپڑے میں لپیٹا اور آپ کی آغوش رحمت میں دے دیا۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شہزادے کے جسم پر زرد رنگ کا کپڑا دیکھا تو فوراً اس کپڑے کو علیحدہ کر دیا اور حضرت اسماء سے فرمایا: میرے شہزادے کو زرد کپڑے میں نہ لپیٹا کرو۔ چنانچہ حضرت اسماء فوراً سفید کپڑا لے آئیں اور شہزادے کو اس سفید کپڑے میں لپیٹ کر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہزادے کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اے علی! تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ میری کیا مجال کہ میں آپ سے پہلے اس فرزند ارجمند کا نام رکھ لوں۔ تاہم اگر آپ اجازت فرمائیں تو میرے دل میں ایک خیال آتا ہے کہ ان کا نام حرب رکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اس فرزند کا نام تجویز کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم میں سبقت نہیں کر سکتے۔ یکایک حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سلام کے بعد اس فرزند کی ولادت پر آپ کو مبارک پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ (حضرت) علی مرتضیٰ کو آپ کی بارگاہ میں وہ قرب حاصل ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں تھا۔ لہٰذا اس فرزند کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے فرزند شبر کے نام پر رکھو جس کے معنی حسن کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اپنے فرزند ارجمند کا نام حسن رکھا۔ اور پیدائش کے ساتویں دن سیاہ دھبوں والے سفید رنگ کے دو مینڈھے ذبح کیے اور حضرت امام حسن کا عقیقہ فرمایا۔ بعد شہزادے کے سر کے بال اتروا کر ان کے ہم وزن چاندی خیرات کر دی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۷۷، روضۃ الشہداء ج ۱ ص ۳۹۷، سعادت الکونین ص ۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الحسن اشبه برسول الله صلی الله علیه وسلم ما بین الصدر الی الراس و الحسین اشبه برسول الله صلی الله علیه وسلم ما کان اسفل من ذلک۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۳۳)

یعنی حضرت حسن سر سے لے کر سینہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ اور حضرت حسین سینہ شریف سے نیچے تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم یکن احد اشبه بالنبی من الحسن ابن علی۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۱۵)

یعنی کوئی شخص حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہ تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ۔

ایک سینہ تک مشابہ اک دہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط تو ام میں لکھا ہے یہ ورقہ نور کا

دوسری جگہ ارشاد اعلیٰ حضرت ہے ۔

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین
وہ سایہ تھا جلوہ گر بذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کیے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

حضرت امام حسن اور عہد نبوی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لخت جگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

کے ساتھ بہت زیادہ محبت و پیار سے پیش آتے تھے۔ یہ سعادت بہت کم خوش قسمتوں کے حصے میں آئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی ناز و نعم سے ان کی پرورش فرمائی۔ کبھی آغوش رحمت میں لیتے تو کبھی کاندھے پر سوار فرماتے۔ ان کی ادنیٰ ادنیٰ تکلیف پر بے قرار ہو جاتے روزانہ حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لاتے تھے۔ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین بھی آپ سے بے حد مانوس تھے۔ کبھی نماز کی حالت میں پشت مبارک پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تو آپ اس وقت سجدے سے سر نہ اٹھاتے جب تک خود امام حسن پیٹھ پر سے اتر نہ جاتے۔ غرض کہ نانا جان نے انتہائی پیار و محبت اور شفقت سے ان کی پرورش فرمائی۔ اور تادیبا بھی آپ نے ان کو نہیں جھڑکا بلکہ ہمیشہ ان کی بچپن کی شوخیوں کو دیکھ کر ہنس دیا کرتے تھے۔ ابھی امام حسن کی عمر باختلاف روایات ۷ سال ۶ مہینے اور امام حسین کی عمر ۶ سال یا تقریباً ۷ سال کی تھی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض وفات کا دور شروع ہوا۔ ان آخری لمحات میں حضرات حسنین کریمین کے معصوم دلوں پر غم و الم کا جو طوفان برپا ہوا تھا اس کا بیان ہمارے قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ان ایام میں اپنے محبوب فرزندوں کا حد درجہ خیال فرمایا ہے۔ چنانچہ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں اپنے دونوں شہزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ھذان ابنای فورثھما شیئا یا رسول اللہ! یہ میرے دونوں بیٹے ہیں انہیں اپنی میراث کریم سے کچھ عطا فرمائیے۔ ارشاد ہوا: اما حسن فلہ ھیبتی و سوددی و اما حسین فلہ جرائتی و جودی۔ حسن کے لیے تو میری ہیبت اور میری سرداری ہے اور حسین کے لیے میری جرات اور میرا کرم۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا: کہ حسن کے لیے اپنا حلم و ہیبت عطا فرمایا اور حسین کے لیے محبت و رضا کی نعمت دی۔ (الامن والعلی ص ۸۹)

امام حسن عہد صدیقی میں

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال سے زیادہ حضرات حسنین کریمین کا خیال فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی محبت سے اپنے دل کو منور و مجلی فرمائے ہوتے تھے ایک روز حضرت صدیق اکبر نماز عصر ادا فرمانے کے بعد باہر نکلے۔ حضرت علی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ دیکھا کہ حضرت حسن بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ فوراً ان کو اپنے کاندھے پر سوار کر لیا اور اسی عالم میں ارشاد فرمایا: بابی شبیہ بالنبی لیس شبیہ بعلی وعلی یضحک۔ میرے باپ کی قسم تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو علی کے مشابہ نہیں ہو۔ اور حضرت علی ہنس پڑے۔

(بخاری ج ۲ ص ۴۱۵)

امام حسن عہد فاروقی میں

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں حضرات حسنین کریمین کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس یمن کے حلے آئے۔ (کپڑا قیمتی ہو تو اسے حلہ کہتے ہیں۔ یہ قدیم عرب میں وہی درجہ رکھتا ہے جو آج کے دور میں قیمتی سوٹ کا ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ ان کے جسم پر کوئی حلہ نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر افسردہ اور مغموم ہو گئے۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا، میں ان بچوں کی وجہ سے مغموم ہوں کہ ان کے بدن کے مطابق کوئی حلہ نہیں تھا۔ پھر آپ نے یمن میں اپنے عامل کو لکھا کہ حسن و حسین کے لیے دو حلے بھیجو اور جلدی روانہ کرو۔ انہوں نے دونوں کو حلے بھیجے۔ آپ نے جب ان دونوں کو پہنایا تو آپ کو اطمینان

ہوا۔ (دین اسلام اور دو متضاد تصویریں ص ۴۰)

حضرت امام حسن عہد عثمانی میں

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی شفقت آمیز طرز عمل حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ساتھ رکھا۔ صدیقی و فاروقی عہد میں تو یہ دونوں صاحبزادے اپنی کم سنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہ لے سکے تھے۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے ۳۰ھ میں طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شرکت فرمائی۔

اور جب حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بلوائیوں نے محاصرہ کرلیا اور آپ کے خلاف فتنہ و شورش حد سے زیادہ بڑھ گئی تو حضرت مولیٰ علی مشکل کشا نے حضرت حسن اور حضرت حسین سے فرمایا کہ اپنی اپنی تلواریں لے کر عثمان کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو ان تک پہنچنے نہ دو۔ چنانچہ آپ دونوں نے انتہائی شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روکے رکھا۔ اس مدافعت میں آپ زخمی بھی ہوئے لیکن کسی باغی کو مکان کے اندر داخل ہونے نہیں دیا۔ بالآخر جب بلوائیوں کی تمام تدبیریں ناکام ہوگئیں تو دوسری طرف جا کر دیوار پھاندی اور اندر جا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اگر حضرات حسنین کریمین کی طرح بنی امیہ کے نوجوان بھی مکان کے ہر طرف کھڑے ہو کر حفاظت کرتے تو یقیناً بلوائی ناکام ہو جاتے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴، سیر الصحابہ ص ۲)

حضرت امام حسن اور عہد مرتضوی

معرکہ جمل و صفین جو حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئے۔ ان دونوں معرکوں میں بھی حضرات حسنین کریمین نے شرکت فرمائی اور

آخر تک اپنے والد گرامی کے ساتھ رہے۔ اور جب بھی کوئی اہم کام ہوا یہ دونوں شہزادے برابر انجام دیتے رہے۔ حضرت مولیٰ علی مشکل کشا کے بعد خلافت کی ذمہ داری آپ ہی کو سونپی گئی۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احادیث کریمہ میں تذکرہ

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کثرت سے احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم ان میں سے چند کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں تھے اور وہ اپنی انگلیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں ڈال رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈالتے اور فرماتے:

اللھم انی احبہ فاحبہ — اے اللہ! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ۔

(صواعق محرقہ ص ۴۶۷)

(۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا۔ امام حسن آپ کے پہلو میں تشریف فرما تھے۔ حضور کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حضرت حسن کی طرف۔ اور فرماتے کہ:

ان ابنی ھذا سید یصلح اللہ علی یدیہ بین فئتین۔ — میرا یہ فرزند سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

(ترمذی شریف ج۲ ص ۷۳۶)

(یہ صلح حضرت امیر معاویہ کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔)

(۳) حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن ابن علی کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ شہزادے تم بہت اچھی سواری پر سوار ہو۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

و نعم الراکب ھو۔ (ترمذی   اور سوار بھی کتنا اچھا ہے۔

شریف ج ۲ ص ۲۳۵)

(۴) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہوتے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کی گردن یا پیٹھ پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور جب تک وہ خود نہیں اترتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہیں اتارتے تھے۔ میں نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت رکوع میں ہوتے اور حضرت تشریف لاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاہائے مبارک کے اندر سے ہو کر دوسری طرف نکل جاتے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۸)

(۵) ابوداؤد طیالسی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھے دوست رکھنا چاہے وہ پہلے حسن کو دوست رکھے۔ (سعادت الکونین ص ۲۷)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیدنا امام حسن کو بلایا۔ حضرت زہرا بتول نے بھیجنے میں کچھ دیر کی تو میں نے سمجھا کہ انہیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی۔ اتنے میں امام حسن دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے گلے میں ہار تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس بڑھائے۔ حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلائے یہاں تک کہ دونوں لپٹ گئے۔ حضور نے گلے لگا کر دعا کی۔ الٰہی میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ۔ اور جو اسے دوست رکھے اسے بھی دوست رکھ۔ اور اپنا دست اقدس حضرت حسن کے سینے پر رکھا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ نصف اول ص ۲۶ بحوالہ ابن ماجہ ج ۱ ص ۷۶)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر مناقب

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مناقب بے حد و بے شمار ہیں۔ آپ بڑے بردبار، حلیم الطبع، عزت و شان والے، پر وقار، صاحب جاہ و حشم تھے۔ آپ فتنہ و فساد اور خوں ریزی کو ناپسند فرماتے تھے۔ آپ سخاوت میں بے بدل تھے۔ بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے۔ ابن سعد علی بن زید بن جدعان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ اور تین بار نصف نصف مال راہ الٰہی میں دے دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۰)

ایک مرتبہ ایک بڑھیا نے حضرات حسنین کی دعوت کی تو آپ نے اسے ایک ہزار دینار اور ایک ہزار بکریاں دے دیں۔ اور حضرت حسین نے بھی اسی قدر دیا۔ (صواعق محرقہ ص ۴۶۹)

حاکم نے حضرت عبداللہ بن عبید بن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بغیر سواری کے پچیس حج پیدل ادا فرمائے۔ حالانکہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے پاس ہوتے تھے۔ لیکن آپ ان پر سوار نہیں ہوتے اور پاپیادہ راستہ طے فرماتے تھے۔ جب لوگوں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اپنے رب سے اس حال میں ملتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں اس کے گھر کی طرف پیدل نہ جاؤں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۹، صواعق محرقہ ص ۴۶۸)

آپ بہت شیریں کلام تھے۔ آپ کی شیریں کلامی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کسی سے تکلم (بات چیت) فرماتے تو سننے والے کا جی چاہتا کہ بس اسی طرح سلسلہ کلام جاری رکھیں اور خاموش نہ ہوں۔ اسی طرح آپ بڑے بردبار اور حلیم الطبع تھے۔ آپ کی بردباری اور صبر و تحمل کے بارے میں ابن سعد عمر بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ مروان جب حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا تھا۔ امام

حسن رضی اللہ عنہ (کمال تحمل کے ساتھ) اس کی ان گستاخیوں کو سنا کرتے تھے اور خاموش رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مروان نے آپ کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور حضرت حسن خاموش رہے اسی اثناء میں مروان نے اپنے سیدھے ہاتھ سے ناک صاف کی تو حضرت حسن نے اس سے فرمایا افسوس تجھے اتنا بھی نہیں معلوم کہ سیدھا دھونے اور بایاں ہاتھ بول و براز کے لیے ہے۔ یہ سن کر مروان خاموش ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۹)

امام حسن کی خلافت اور اس سے دست برداری

حضرت امام حسن رضی اللہ اپنے والد گرامی حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک خلافت کے منصب پر فائز رہے۔ چالیس ہزار اہالیان کوفہ نے آپ کے دست حق پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کو حکم اور فیصلہ دہندہ تسلیم کر کے مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ خلافت امیر معاویہ کے سپرد فرمانے کا عہد کیا۔ (۱) فی الوقت امیر معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں لیکن ان کے انتقال کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔ (۲) مدینہ' عراق اور حجاز کے باشندوں سے مزید کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا بلکہ صرف وہی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو حضرت علی کے زمانے سے لیا جا رہا ہے۔ (۳) حضرت امام حسن کے ذمہ جو قرض ہے اس کی تمام تر ادائیگی امیر معاویہ کریں گے۔

ان تمام شرطوں کو حضرت امیر معاویہ و حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما نے قبول کر لیا اور آپس میں صلح ہو گئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا جو آپ نے فرمایا تھا کہ "میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس صلح کے بعد تخت خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد فرمایا۔ یہ سپردگی ماہ ربیع الاول ۴۱ھ مطابق ۶۶۲ء میں اور بقول بعض ماہ ربیع الثانی ۴۱ھ میں ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۱)

حضرت امام حسن کا خلافت سے دست بردار ہونا آپ کے بعض احباب کو سخت ناگوار ہوا تو انہوں نے طرح طرح کی گستاخیاں آپ کے ساتھ کیں یہاں تک کہ بعض نے آپ کو "عار المسلمین" کہہ کر پکارا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ العار خیر من النار عار نار سے بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ کو یہ کہہ کر پکارا اے مسلمانوں کے ذلیل کرنے والے، السلام علیکم! اس پر آپ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کو ذلیل کرانے والا نہیں ہوں۔ البتہ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ملک کے لیے جدال و قتال کراؤں۔
(تاریخ الخلفاء ص ۲۸۲)

خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ سے مدینہ تشریف لے گئے اور پھر وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ حاکم نے حضرت جبیر بن نفیر کی زبانی لکھا ہے کہ میں نے امام حسن سے ایک روز عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پھر خلافت کے خواستگار ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: جس وقت عربوں کے سر میرے ہاتھ میں تھے (یعنی ان لوگوں نے میرے ہاتھ پر مرنے جینے کی بیعت کی تھی) اس زمانے میں جس سے چاہتا ان کو لڑا دیتا اور جس سے چاہتا صلح کرا دیتا۔ لیکن میں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لیے خلافت سے دست برداری دے دی اور امت محمدی کے خون کو مفت بہنے نہیں دیا۔ پس جس خلافت سے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے لیے دست بردار ہو گیا ہوں اب میں اس کو باشندگان حجاز کی خوشنودی کے لیے دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۲)

امام حسن کا ذریعہ معاش

خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد حضرت امام حسن کوفہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار اقدس میں آخر تک مقیم رہے۔ آپ شروع ہی سے بہت سخی تھے اور خلافت سے دست برداری کے بعد بھی آپ کی سخاوت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوئی۔ آپ ہر سال ایک لاکھ روپیہ خیرات کرتے تھے۔ اور حضرت امیر معاویہ کی جانب سے جو کچھ وظائف آپ کو ملتے تھے ان

میں سے بھی اکثر آپ خیرات و بخشش فرما دیا کرتے تھے۔ بیہقی اور ابن عساکر نے ہشام کے والد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بہت تنگ دست ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال ان کو ایک لاکھ درہم بطور وظیفہ دیا کرتے تھے۔ وہ انہوں نے روک دیا تو آپ کو بہت تنگی پیش آئی۔ آپ نے حضرت امیر معاویہ کی یاد دہانی کے لیے اپنی حالت پر مبنی ایک رقعہ لکھنا چاہا۔ قلم دوات طلب کیا لیکن پھر کچھ سمجھ کر اپنے آپ کو روک لیا۔ اسی روز آپ نے اپنے نانا جان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے فرمایا اے فرزند، کیا حال ہے؟ آپ نے عرض کیا نانا جان خیریت ہے لیکن تنگ دستی آ گئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے قلم دوات اسی غرض سے منگوائی تھی کہ اپنی تنگ دستی کے لیے ایک مخلوق کے پاس کچھ لکھو۔ آپ نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو۔

اللھم اقذف فی قلبی رجائک واقطع رجائی عمن سواک حتی لا ارجوا احدا غیرک اللھم وما ضعفت عنہ قوتی و قصر عنہ عملی ولم تنتہ الیہ رغبتی ولم تبلغہ مسالتی ولم یجر علی لسانی مما اعطیت احدا من الاولین والاخرین من الیقین فخصنی بہ یارب العلمین۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ دعا پڑھے ایک ہفتہ بھی نہ گزرنے پایا کہ معاویہ نے مجھے پانچ لاکھ درہم بھیج دیے جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو اپنے یاد کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں فرماتا اور اپنے مانگنے والوں کو محروم و نا امید نہیں فرماتا۔ اس کے بعد حضرت امام حسن نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فرمائی۔ امام حسن فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا حسن کیسے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اچھا ہوں اور پورا واقعہ بیان کر دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اللہ سے امیدوار ہونے اور مخلوق سے التجا نہ

کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۳)
نوٹ: امید ہے کہ جو پریشان حال اس دعا کو پڑھتا رہے گا انشاء اللہ اس کی پریشانی بہت جلد دور ہوگی۔

کرامات حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بہت سی کرامات ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امام حسن ایک مرتبہ پیدل حج کرنے تشریف لے گئے تو آپ کے پاؤں میں ورم آگیا۔ آپ کے کسی غلام نے عرض کی کاش کہ آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تاکہ ورم کم ہو جائے۔ آپ نے اس کی درخواست قبول نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا جب تم گھر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہوگا تم اس سے تیل خرید لینا اور جھگڑا مت کرنا۔ غلام نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان! ہم نے کسی جگہ بھی کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کے پاس تیل ہو۔ جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو وہ حبشی دکھائی دیا۔ حضرت امام حسن نے اپنے غلام سے فرمایا یہ ہے وہ حبشی جس کے متعلق میں نے بتایا تھا۔ جاؤ اور اس سے تیل خرید لاؤ اور قیمت ادا کر آؤ۔ جوں ہی غلام اس حبشی کے پاس گیا اور تیل طلب کیا تو اس نے کہا، تیل کس کے لیے خرید رہے ہو؟ غلام نے کہا حضرت امام حسن کے لیے۔ اس نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو، میں ان کا غلام ہوں۔ جب وہ حبشی آپ کے پاس پہنچا تو کہا میں آپ کا غلام ہوں تیل کی قیمت نہیں لوں گا۔ آپ بس میری بیوی کے لیے جو دردزہ میں مبتلا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک صحیح الاعضاء بچہ عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا فرمائے گا جیسا تم چاہتے ہو، وہ ہمارا پیروکار ہوگا۔ حبشی گھر گیا تو دیکھا کہ آپ کے فرمان کے مطابق بچہ پیدا ہو گیا۔ (شواہد النبوہ ص ۳۰۲، مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور)

دوسری بڑی کرامت آپ کی یہ ہے کہ ایک دن آپ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

کے کسی بچے کے ساتھ کہیں سفر پر تھے کہ ایک ایسے نخلستان میں قیام پذیر ہوئے جو بالکل خشک تھا۔ اور کھجوروں کے درخت بھی خشک پڑے ہوئے تھے۔ حضرت حسن نخلستان کے ایک کونے میں بیٹھے تھے۔ ابن زبیر نے عرض کیا اے کاش! اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں جنہیں ہم کھاتے حضرت امام حسن نے فرمایا کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ ابن زبیر نے کہا ہاں آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور زیر لب کچھ پڑھا جو کسی کو معلوم نہ ہوا۔ فوراً کھجور کا ایک درخت ترو تازہ اور بار آور ہو گیا۔ اس میں تازہ کھجوریں لگ گئیں۔ ان کا ساتھی شتربان بولا بخدا یہ تو جادو ہے حضرت حسن نے فرمایا یہ جادو نہیں بلکہ فرزند رسول کی دعائے مستجاب کا اثر ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ (شواہد النبوہ ص ۳۰۲)

تیسری کرامت یہ ہے کہ کسی شخص نے آپ کی قبر شریف پر پاخانہ کر دیا تو وہ فوراً دیوانہ ہو گیا۔ اور کتے کی طرح بھونکتا رہا۔ اور اسی حال میں بری طرح سے مرگیا۔ پھر اس کی قبر سے بھی بھونکنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (سعادت الکونین ص ۳۴، حاشیہ ۱)

حضرت امام حسن اور کثرت ازدواج

ابن سعد نے حضرت علی بن حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عورتوں کو بہت طلاق دیا کرتے تھے اور جو عورت آپ کے نکاح میں ایک بار آجاتی وہ آپ سے جدائی ہرگز نہیں چاہتی تھی آپ پر فریفتہ ہو جاتی تھی۔ اس طرح آپ نے نوے (۹۰) شادیاں کیں۔ جعفر بن محمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام حسن نکاح کرتے اور طلاق دے دیتے۔ آپ کی اس روش سے ہمیں خوف پیدا ہو گیا کہ اب قبائل میں دشمنی ہمیشہ قائم رہے گی۔ ابن سعد نے جعفر بن محمد کے حوالے سے اور انہوں نے اپنے والد کی زبانی بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا کہ اے کوفہ والو! حسن کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی مت کرو، وہ طلاق دینے کے عادی ہیں۔ یہ سن کر ہمدانی نے کہا خدا کی قسم! ہم ان سے اپنی بیٹیاں ضرور

بیاہیں گے جس کو وہ پسند فرمائیں رکھیں اور جو ناپسند ہو اس کو طلاق دے دیں۔ لوگوں کی اس محبت اور حضرت امام حسن سے اپنی بیٹی کی شادی کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ نواسہ رسول تھے۔ اسی لیے لوگ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے، اور اپنی بیٹیاں آپ کے نکاح میں دے دیا کرتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۰)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن عورتوں سے نکاح فرماتے اور پھر ان کو طلاق دے دیتے تھے اور پھر دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے تھے۔ اور ایسا بہ نیت ثواب کرتے تھے۔ اور جب حضرت امام حسن سے کثرت تزوج کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو میری وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ ہو جائے جو قیامت کے دن انہیں کام آئے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۲۳۷)

بیویوں سے اچھا سلوک

جب تک جو بھی عورت آپ کے حبالہ عقد میں رہتی تھی آپ اس سے بڑی محبت اور اس کی بڑی قدر فرماتے تھے اور طلاق دینے کے بعد بھی ان کو اتنا کچھ عطا فرماتے تھے کہ وہ بقیہ زندگی انتہائی سکون واطمینان سے گزارتی تھی۔ چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ فزاری اور ایک اسدی عورت کو رجعی طلاق دی تو ان کی دل دہی کے لیے دس دس ہزار درہم اور ایک ایک مشکیزہ شہد بطور متاع دی۔ جب فزاری عورت کو یہ رقم ملی تو اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لی۔ لیکن جب اسدی عورت کو ملی تو یہ تحفہ دیکھ کر بے اختیار حسرت بھرا شعر فرمایا ؎

متاع قلیل من حبیب مفارق۔

یعنی جدا ہونے والے دوست کے مقابلے میں یہ متاع حقیر ہے۔ (سعادت الکونین ص ۳۹)

حضرت امام حسن کی شہادت اور زہر خورانی

ابن سعد نے حضرت عمران بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان قل ھو اللہ احد لکھا ہوا ہے۔ جس وقت آپ نے یہ خواب بیان کیا تو اہل بیت بہت خوش ہوئے۔ لیکن جب حضرت سعید بن مسیب نے یہ خواب سنا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ کا یہ خواب سچا ہے تو آپ کی حیات کے چند روز باقی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ صرف چند روز بقید حیات رہے اور پھر زہر دے کر آپ شہید کر دیے گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۲)

زہر خورانی کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سب سے پہلے آپ کو شہد میں زہر ملا کر دیا گیا۔ آپ دردمندوں کے دارالشفاء اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور اپنے جسم انور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پاک کے ساتھ ملا تو آپ کو شفاء کلی حاصل ہو گئی اور آپ صحت یاب ہو کر اپنے مکان پر تشریف لے آئے۔ (اوراق غم ص ۲۴۴، روضۃ الشہداء ص ۴۱۷)

دوسری بار آپ کو زہر آلود کھجوریں کھلائی گئیں۔ ابھی آپ نے سات کھجوریں ہی کھائی تھیں کہ آپ کو سخت گھبراہٹ پیدا ہونے لگی۔ آپ نے فوراً کھجوروں سے ہاتھ کھینچ لیا اور اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور شدت تکلیف سے رات بھر تڑپتے کراہتے رہے صبح ہوئی تو پھر اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور دعا فرمائی تو اس بار بھی خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنے نانا جان کے طفیل زہر کا اثر ختم ہو گیا۔ (روضۃ الشہداء ج ۱ ص ۴۱۷)

تیسری بار، رات کے اندھیرے میں ہیرے کی کنی کے ساتھ زہر ملا کر آپ کی صراحی میں ڈال دی گئی۔ اس وقت آپ آرام فرما رہے تھے کہ اچانک اٹھے اور اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کو بلایا اور فرمایا بہن! ابھی جد امجد سرکار مدینہ کو خواب میں دیکھا

ہے۔ ان کی خدمت میں اباجان، امی جان بھی حاضر تھیں۔ لہٰذا پانی لاؤ تاکہ وضو کروں۔ حضرت زینب پانی لینے گئیں اور آپ نے اس صراحی میں سے پانی نوش فرمالیا۔ بس پانی پیتے ہی ایک سرد آہ بھری اور فرمایا یہ کیسا پانی ہے کہ میرے حلق سے ناف تک ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ پھر بہن سے فرمایا کہ جلدی جاؤ اور بھائی حسین کو بلا لاؤ۔ آپ نے فوراً بھائی کو بلوایا۔ آپ بھائی کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ اور بغل گیر ہو کر خوب ملے۔ اور فرمایا بھائی جان! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اب قیامت کے دن ہی ملاقات ہو گی۔

(روضۃ الشہداء ج ا ص ۴۲۳)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس نے دیا؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔ کسی نے یزید اور امیر معاویہ کے بارے میں لکھا ہے لیکن یہ محض قیاس ہے جس کو صحیح ماننے کا کوئی قطعی ثبوت نہیں۔ اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ یہ ناپاک حرکت کس نے کی ہے۔ لیکن اس معاملے میں صاحب زہر جن کو زہر دیا گیا وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے جس نے زہر دیا ہے اس کا معاملہ منعم حقیقی کے سپرد کرتا ہوں۔ حضرت امام حسین نے باصرار پوچھا کہ بھائی جان بتایئے آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ مگر اس صبر و تحمل کے تاجدار نے نام نہیں بتایا۔ اور فرمایا میں جس کو اس فعل کا مرتکب سمجھتا ہوں اگر واقعی وہی اس کا مرتکب ہے تو اللہ بہتر بدلہ دینے والا ہے۔ اور اگر وہ مرتکب نہیں تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی بے قصور مارا جائے۔ اس سلسلے میں ہم قدرے تفصیل کے ساتھ ایک محققانہ مضمون جو حضرت صدر الافاضل علامہ مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "سوانح کربلا" میں لکھا ہے، تحریر کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمایئے۔

آپ لکھتے ہیں کہ مورخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث بن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ زہر خورانی

بایمائے یزید ہوئی ہے اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اس طمع میں آکر اس نے حضرت امام کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی صحیح سند دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر سند صحیح کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لیے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتمد حوالہ کے لکھ دیا ہے۔

یہ خبر واقعات کے لحاظ سے بھی ناقابل اطمینان معلوم ہوتی ہے۔ واقعات کی تحقیق خود واقعات کے زمانے میں جیسی ہو سکتی ہے مشکل ہے کہ بعد کو ویسی تحقیق ہو۔ خاص کر واقعہ جب اتنا اہم ہو۔ مگر حیرت ہے کہ اہل بیت اطہار کے اس امام جلیل کا قتل۔ اور آپ کے قاتل کی خبر غیر کو تو کیا ہوتی خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں ہے۔ یہی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے برادر معظم سے زہر دہندہ کا نام دریافت فرماتے ہیں۔۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین کو زہر دینے والے کا علم نہ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کسی کا نام لیتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اب جعدہ کو قاتل ہونے کے لیے معین کرنے والا کون ہے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو، یا امامین کے صاحبزادوں میں سے کسی صاحب کو اپنی آخر حیات تک جعدہ کی زہر خورانی کا کوئی ثبوت نہ پہنچا اور نہ ان میں سے کسی نے اس پر شرعی مواخذہ کیا۔

ایک اور پہلو اس واقعہ کا خاص طور پر قابل لحاظ ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے یہ ایک بدترین تبرا ہے۔ عجب نہیں کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کے افتراء ہوں۔ جبکہ صحیح اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کثیر التزوج تھے اور آپ نے سو کے قریب نکاح کیے اور طلاقیں دیں۔ لیکن کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ طلاق کے بعد بھی وہ اپنی بقیہ زندگی حضرت امام کی محبت میں گزار دیتی تھیں۔ ایسی حالت میں بات بہت بعید ہے کہ امام کی بیوی حضرت امام کے فیض کی قدر نہ کرے اور یزید پلید کی طرف ایک طمع فاسد سے امام جلیل کے قتل جیسے سخت جرم کا ارتکاب

کرے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال۔ (سوانح کربلا ص ٦٦)

صاحب تاریخ الخلفاء تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یوں تو کئی بار زہر دیا گیا۔ لیکن ۴۹ھ میں ایسا زہر ہلاہل دیا گیا کہ کلیجے کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے اور یہی آپ کے انتقال کا سبب بنا۔ اس وقت آپ کے برادر صغیر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تھے۔ حضرت امام حسن کی گھبراہٹ اور بے قراری میں زیادہ اضافہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے برادر معظم یہ گھبراہٹ کیسی؟ آپ تو نانا جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بابا جان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اپنی جدہ کریمہ حضرت خدیجتہ الکبریٰ اور والدہ محترمہ حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہن سے ملاقات کریں گے اور اپنے چچا حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما سے ملیں گے۔ اور اپنے ماموں حضرت قاسم و حضرت طاہر رضی اللہ عنہما سے بھی ملاقات کریں گے یہ سن کر حضرت امام حسن نے فرمایا اے برادر عزیز میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں اب سے پہلے کبھی نہیں گیا تھا۔ اور میں ایسی مخلوق کو دیکھ رہا ہوں جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۴) اس کے ساتھ ہی آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اور کوفیوں کی بدسلوکی و ایذا رسانی کا بھی تذکرہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دے دی ہے لیکن میری وفات کے بعد تم پھر دوبارہ وہاں دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لینا۔ لیکن میں گمان کرتا ہوں کہ نبو امیہ ایسا کرنے نہ دیں گے۔ اگر وہ لوگ مزاحم ہوئے تو تم زیادہ اصرار مت کرنا۔
چنانچہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ۴۹ھ پانچویں ربیع الاول کو ۴۵ سال چھ ماہ چند روز کی عمر میں مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے امام حسن کی وصیت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ مگر مروان (حاکم مدینہ) مانع ہوا جس پر حضرت امام حسین اور آپ کے ساتھیوں نے ہتھیار سنبھال لیے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام

حسین کو اپنے بھائی کی وصیت یاد دلا کر واپس کیا۔ اور یہ فرزند ارجمند جگر گوشہ بتول اپنی والدہ محترمہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیے گیے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۴) آپ کی نماز جنازہ حضرت سعد بن عاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

اللھم اجعلہ ھادیا ومھدیا

نام ونسب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور بہت ہی مشہور و معروف صحابی ہیں۔ وہ سلطنت اسلامیہ کے اولین امیر بادشاہ ہیں۔ ان کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نبوت سے آٹھ سال پہلے مکہ میں ہوئی۔ آپ کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کے والدین بھی دولت اسلام سے مشرف ہو گئے تھے۔

آپ کا نام معاویہ اور کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔ آپ کے والد کا نام ابوسفیان اور والدہ کا نام ہندہ ہے۔ باپ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے معاویہ بن ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی الاموی اور ماں کی طرف سے نسب یوں ہے۔ معاویہ بن ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور عبد مناف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے دادا ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد رسول اللہ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ خلاصہ یہ ہوا کہ امیر معاویہ والد کی طرف سے پانچویں پشت میں اور والدہ کی طرف سے بھی پانچویں پشت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں

سے ہوئے اور دوسرے رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی سالے بھی ہوتے ہیں کیونکہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ وہ حضرت امیر معاویہ کی حقیقی بہن ہیں۔ اسی لیے مولانا روم نے آپ کو مثنوی شریف میں تمام مومنوں کا ماموں تحریر کیا ہے وہ اسی لحاظ سے ہے۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۳۴، تاریخ الخلفاء ص ۲۸۷)

حضرت امیر معاویہ کا قبولِ اسلام

حضرت امیر معاویہ نے کب اسلام قبول کیا اس کے بارے میں مفتی اعظم ہندو پاک علامہ احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہ خاص صلح حدیبیہ کے دن ۷ ھ میں اسلام لائے۔ مگر مکہ والوں کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ پھر فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے وہ ظہور ایمان کے لحاظ سے ہے۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۳۵)

ایمان لانے کے بعد غزوہ حنین میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سو (۱۰۰) اونٹ اور چالیس (۴۰) دینار اوقیہ سونا مرحمت فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں بھی آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ آپ کاتب وحی الٰہی بھی تھے۔

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا تو آپ نے فرمایا اے معاویہ! اگر تم حکومت کو پاؤ تو اللہ سے ڈرنا اور انصاف کرنا۔ حضرت امیر معاویہ کہتے ہیں کہ اس سے مجھے یقین کامل ہوگیا کہ مجھے حکومت ملے گی۔

آپ کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ ۱۹ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے بھائی یزید عثمان کے وصال کے بعد شام کا حاکم بنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں ان کو پورے شام کا حاکم بنا دیا۔ اور اس عہدے پر بیس سال تک فائز رہے۔ پھر عہد مرتضوی میں حضرت علی رضی اللہ

عنہ سے خون عثمان کے بدلے کا مطالبہ کیا اور نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت ہوگئی۔ امام حسن نے ۶ ماہ خلافت راشدہ فرما کر خلافت امیر معاویہ کے سپرد فرمادی۔ اس کے بعد آپ تمام مملکت اسلامیہ کے امیر ہوگئے اور چالیس (۴۰) سال تک حکومت فرمائی۔ پوری مدت حاکمیت میں آپ نے نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے آپ کے دور میں شام کے تمام سرحدی علاقے فتح ہوگئے تھے اور آپ ہی نے سب سے پہلے حضرت عثمان غنی کی اجازت سے بحری بیڑہ قائم کیا۔ اور رومیوں کے حملے کا منہ توڑ جواب دیا۔ عسکری اوائل میں کہتے ہیں کہ اسلام میں قاصد و پیامبر سب سے پہلے آپ ہی نے مقرر فرمائے۔ اور اپنی خدمت کے لیے خواجہ سرا رکھنے والے سب سے اول آپ ہی ہیں۔ سب سے اول رعایا آپ ہی سے ناراض ہوئی۔ (اس سے قبل کسی خلیفہ سے رعایا ناراض نہیں ہوئی۔) الشعبی کہتے ہیں کہ اول آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے خطبہ بیٹھ کر دیا۔ سب سے پہلے آپ ہی کو اس طرح سلام کیا گیا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمة الله و برکاته الصلوه یرحمک الله۔ دفتری کام کاج کے لیے آپ ہی نے سب سے اول مہر ایجاد کی۔ اور مہر برداری کے لیے عبداللہ بن اوس غسانی کو مامور کیا۔ اس مہر پر "لکل عمل ثواب" کندہ تھا۔

جامع مسجد میں سب سے پہلے آپ ہی نے چھوٹا سا حجرہ بنوایا۔ آپ ہی نے اولاً غلاف کعبہ اتار کر دوسرا غلاف چڑھانے کا حکم دیا۔ ورنہ اس سے قبل ایک غلاف پر دوسرا غلاف (تہہ بہ تہہ) چڑھا دیے جاتے تھے۔ بیعت سے پہلے قسم لینے کا طریقہ بھی حضرت امیر معاویہ ہی نے جاری فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۹۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دراز قد، خوبرو اور وجیہہ شخص تھے۔ امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ معاویہ کو برا نہ کہو۔ جب یہ تمہارے اندر سے اٹھ جائیں گے (یعنی ان کی وفات ہوجائے گی) تو تم دیکھو گے کہ بہت سے سرتن سے جدا کیے جائیں گے۔ (یعنی جدال و قتال ہوگا) مقری کہتے ہیں کہ لوگوں پر حیرت ہے کہ وہ کسریٰ (شاہ فارس) اور

ہرقل (شاہ روم) کا تو ذکر کرتے ہیں مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھول جاتے ہیں۔
(تاریخ الخلفاء ص ۲۸۸)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت نیک دل، سخی، بہت حلیم و کریم تھے۔ ان کی سخاوت ہر ایک پر بلا امتیاز موافق و مخالف سب پر یکساں ہوتی تھی۔ بالخصوص اہل بیت اطہار کو ہمیشہ خوش رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خلافت انہیں کا حق ہے اور انہیں کے خاندان کے باعث مجھے یہ عزت و اکرام حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت امیر معاویہ نے انہیں اپنی جگہ بٹھایا۔ اور خود سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا کہ اے امیر المومنین، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: امام حسن ہم شکل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس مشابہت کا احترام کرتا ہوں۔ اس کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا آج میں آپ کو ایسا نذرانہ دیتا ہوں کہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نذرانہ نہیں دیا اور نہ آئندہ آپ کے بعد کسی دوسرے کو ایسا نذرانہ دوں گا۔ چنانچہ آپ نے چار لاکھ درہم حضرت امام حسن کی بارگاہ میں پیش فرمائے جنہیں آپ نے قبول فرمایا۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۴۸)

حضرت امیر معاویہ بھی خلفائے راشدین کی طرح امہات المومنین کی خدمت اپنے لیے باعث سعادت و افتخار سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک لاکھ اشرفی کی قیمت کا زیور نذر فرمایا۔ اور حضرات حسنین کریمین کے لیے چالیس ہزار اشرفیاں پیش کیں۔ (تاریخ الاسلام مصنفہ شوق امرتسری ج ۳ ص ۷ ۵۳)

علامہ محمد بن محمود آملی اپنی کتاب "نفائس الفنون" میں کتاب الناہیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قصیدہ پڑھے تو میں اسے فی شعر ایک ہزار دینار دوں گا۔ چنانچہ حاضرین شعراء نے حضرت علی کی شان میں اشعار پڑھے اور خوب انعام لیے۔ حضرت امیر معاویہ ہر شعر پر فرماتے تھے کہ علی اس سے بھی افضل ہیں۔

یہاں تک کہ ایک شاعر عمرو بن عاص کا ایک شعر آپ کو اس قدر پسند آیا کہ اسی شعر پر اس کو سات ہزار دینار دے دیئے۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۴۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو ترسٹھ (۱۶۳) احادیث مروی ہیں۔

آپ بڑے عابد و زاہد تھے۔ آپ کی عبادت کے متعلق مشہور ہے کہ ایک بار آپ رات کے وقت اپنے محل میں سو رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے آپ کو جگایا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور اس محل میں کیسے پہنچ گیا؟ وہ بولا کہ میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا کام نماز کے لیے جگانا نہیں ہے۔ جب اسے ڈرایا دھمکایا تو اس نے کہا کہ اس سے پہلے ایک دفعہ میں نے آپ کو نماز فجر کے وقت سلا دیا تھا جس سے آپ کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ آپ اس کے غم میں اتنا روئے تھے کہ میں نے فرشتوں کو آپس میں کلام کرتے ہوئے سنا کہ امیر معاویہ کو اس رنج و غم کی وجہ سے پانچ سو نمازوں کا ثواب دیا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر آج پھر آپ نماز فجر نہ پڑھ سکے تو آج آپ پھر روئیں گے اور ایسا نہ ہو کہ ایک ہزار نمازوں کا ثواب حاصل کر لیں۔ اس لیے آپ کو جگا دیا کہ ایک ہی نماز کا ثواب حاصل کریں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ بہت عابد و زاہد اور مقبول بارگاہ الٰہی تھے اور ابلیس جیسا خبیث جو کسی کے قبضے میں نہ آوے وہ آپ کے قبضہ و گرفت سے نہ چھوٹ سکا۔ یہ سب نگاہ جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین ہے کہ جو نگاہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے اس کی نظروں سے کون سی چیز چھپ سکتی ہے۔

(حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۵۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام سے متعلق جس قدر فضائل و مراتب اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام پاک میں بیان فرمائے ہیں ان سب میں حضرت

امیر معاویہ بھی داخل ہیں۔ اس لیے ان سے بغض، کینہ اور حسد رکھنا سخت قسم کی محرومی اور ایمان کی کمی کا باعث ہے۔

آپ کے فضائل و مناقب تو کثرت سے ہیں لیکن ہم ان میں سے چند یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابو عمیرہ (صحابی رسول) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ کے لیے فرمایا:

اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدبہ۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۵۵)
اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا اور ان سے ہدایت دے۔

(۲) حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللھم علم المعاویہ الکتاب والحساب وقہ العذاب۔
اے اللہ! معاویہ کو کتاب (قرآن) اور حساب کا علم عطا فرما اور انہیں عذاب سے بچا۔

(حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۴۱، نزہتہ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۶۷)

(۳) حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ومن یکون یطعن فی معاویہ فذاک من کلاب الھاویہ۔ (احکام شریعت ج ۱ ص ۵۵)
جو شخص حضرت معاویہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔

(۴) حافظ حارث ابن اسامہ نے ایک بہت طویل حدیث روایت فرمائی ہے۔ اس میں خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے فضائل ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے

و معاویہ ابن ابی سفیان احلم امتی و اجودھا۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۴۱)
یعنی معاویہ میری امت کے بڑے حلیم اور سخی ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے کہا کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ فقیہ ہیں۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۴۱۸)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی علالت اور آخری خطاب

۶۰ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے عرصہ سے آپ کے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے اور جسمانی طاقت بھی جواب دے چکی تھی۔ اپنی موت سے کچھ دنوں پہلے انہوں نے حسب ذیل خطبہ دیا جس کے چند جملے حسب ذیل تھے۔

لوگو! میں اس کھیتی کی طرح ہوں جو کٹنے کے لیے تیار ہو۔ میں نے تم لوگوں پر طویل مدت تک حکومت کی کہ میں بھی اس سے تھک گیا اور غالباً تم لوگ بھی تھک گئے ہوگے۔ اب مجھے تم سے جدا ہونے کی تمنا ہے اور غالباً تم کو بھی یہی آرزو ہوگی۔ میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہ ہوگا۔ کسی کا یہ مقولہ ہے کہ جو شخص خدا سے ملنے کی تمنا کرتا ہے خدا بھی اس سے ملنے کا متمنی رہتا ہے اس لیے خدایا اب مجھ کو تجھ سے ملنے کی آرزو ہے اس لیے تو بھی مجھے اپنی حاضری کا شرف عطا فرما اور اس ملاقات میں برکت عطا فرما۔ اس خطبہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ سخت بیمار ہوئے اور مرض میں روز بروز زیادتی ہونے لگی۔ وقت آخر آچکا تھا اس لیے علاج و معالجہ سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تھا تو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میری آنکھوں میں سرمہ لگا دو، سر میں تیل ڈال دو، اور لوگوں سے کہہ دو کہ آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کر کے چلے جائیں۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور آپ تکیے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھے رہے۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۹۴ تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۵۳)

حضرت امیر معاویہ کی یزید کو وصیت

حضرت علامہ ابو اسحٰق اپنی کتاب "نور العین فی مشہد الحسین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو یزید نے پوچھا کہ ابا جان! آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا خلیفہ تو تو ہی بنے گا مگر جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سن کوئی کام حضرت امام حسین کے مشورے کے بغیر مت کرنا، انہیں کھلائے بغیر نہ کھانا، انہیں پلائے بغیر نہ پینا، سب سے پہلے ان پر خرچ کرنا پھر کسی اور پر، پہلے انہیں پہنانا پھر خود پہننا، میں تجھے امام حسین، ان کے گھر والے اور ان کے کنبے اور بلکہ سارے بنی ہاشم کے لیے اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ اے بیٹے! خلافت پر ہمارا حق نہیں ہے وہ امام حسین، ان کے والد (حضرت علی) اور ان کے اہل بیت کا حق ہے تو چند روز خلیفہ رہنا۔ پھر جب حضرت امام حسین پورے کمال کو پہنچ جائیں تو پھر وہی خلیفہ ہوں گے یا جسے وہ چاہیں۔ تاکہ خلافت اپنی جگہ پہنچ جائے۔ ہم سب امام حسین اور ان کے نانا جان کے غلام ہیں۔ انہیں ناراض نہ کرنا ورنہ تجھ پر اللہ و رسول ناراض ہوں گے تو پھر تیری شفاعت کون کرے گا۔

(حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۶۸، مطبوعہ کتب خانہ اہلسنّت کانپور)

تاریخ طبری و تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی کہ جان پدر میں نے تمہارے راستے کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لیے راستہ صاف کر دیا ہے اور دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں اور تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہو گا۔ مجھے اب اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ امر خلافت میں کوئی تم سے نزع کرے گا۔ ہاں البتہ قریش میں چار شخص ایسے ہیں جو تمہاری مخالفت کر سکتے ہیں۔ ان میں حضرت حسین ابن علی، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم ہیں۔ لیکن عبداللہ ابن عمر سے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں عبادت و ریاضت کے علاوہ اور

کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے۔ جب سب بیعت کرلیں گے تو وہ بھی بیعت کرلیں گے۔ حسین ابن علی کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کرلیں گے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اگر یہ تم پر خروج کریں اور تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو تو درگزر کرنا۔ ان کا بہت بڑا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ نواسے ہیں اور سیدھی سادی طبیعت کے مالک ہیں۔ اور ابن ابی بکر کی اپنی کوئی ذاتی رائے نہیں ہوتی ان کے دوست و احباب جیسا کریں گے وہ بھی ویسا ہی کریں گے۔ ہاں جو شخص تم پر شیر کی طرح حملہ کرے گا اور مثل لومڑی مکر و فریب کے ساتھ پیش آئے گا وہ عبداللہ ابن زبیر ہیں۔ پس اگر وہ ایسا کریں اور تم کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔ (تاریخ طبری ۵ ص ۱۵۱، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۶۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باختلاف روایات ۴ یا ۵ رجب المرجب ۶۰ھ میں لقوہ کی بیماری سے وفات پائی۔ دمشق میں باب جابیہ اور باب صغیر کے درمیان آپ کو دفن کیا گیا۔ صحیح روایت کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرض وفات میں باربار فرماتے تھے کہ کاش میں قریش کا معمولی انسان ہوتا جو ذی طوی گاؤں میں رہتا اور ان جھگڑوں میں نہ پڑتا جن میں پڑ گیا۔ اور بوقت وفات آپ نے یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی شریف، اور حضور کی چادر مبارک، کرتا مبارک اور آپ کے کچھ بال شریف اور ناخن مبارک ہیں۔ مجھے حضور کی قمیض میں کفن دینا حضور کی چادر میں لپیٹنا حضور کا تہ بند (لنگی) مجھے باندھ دینا اور حضور کے موئے مبارک اور ناخن شریف میری آنکھوں اور منہ کے اندر رکھ دینا۔ اور پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔ آپ کی نماز جنازہ ضحاک بن قیس نے پڑھائی۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۲۷، سیرالصحابہ ص ۵۴ مرتبہ مولانا معین الدین ندوی، تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۵۳)

سیّد الشہداء حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

زباں پہ بار الٰہا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی حسین اور کنیت ابو عبداللہ ہے اور سید شباب اہل الجنۃ اور ریحانۃ النبی لقب ہے۔ والد گرامی داماد رسول حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ اور والدہ محترمہ جگر گوشہ رسول خاتون جنت حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں اور نانا جان سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور نانی جان حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی و مطلبی۔

ولادت باسعادت

سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تیسرے امام اور ابو الائمہ ہیں۔
آپ کی ولادت کے متعلق مشکوٰۃ شریف میں تحریر ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی جان حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج رات میں

نے ایک خطرناک خواب دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا ہے؟ بولیں۔ حضور! بہت خطرناک ہے۔ حضور نے فرمایا۔ وہ کیا ہے؟ بولیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے جسم پاک کا ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھ دیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ انشاء اللہ فاطمہ کو ایک لڑکا پیدا ہو گا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔ حضرت ام الفضل کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہ کے یہاں حسین پیدا ہوئے تو میری گود میں دیئے گئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۲)

حضرت ام الفضل کے خواب کی تعبیر 5 شعبان المعظم 4ھ میں بمقام مدینہ منورہ ظاہر ہوئی کہ اسی تاریخ کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی جو عالم غیب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ایک ٹکڑے ہیں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین کی ولادت باسعادت کی خبر سنی تو فوراً کاشانہ خاتون جنت پر تشریف لائے اور فرمایا۔ میرے لخت جگر کو دکھاؤ۔ اسماء بنت عمیس نے ننھے امام حسین کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر حضور کی آغوش رحمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پیارے حسین کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت پڑھ کر امام حسین کے منہ میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور دعائیں فرمائیں پھر بحکم الٰہی آپ کا نام حسین رکھا اور ساتویں دن عقیقہ کر کے آپ کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کیے گئے اور ایک روایت میں ایک ہی مینڈھے کے بارے میں تحریر ہے۔ (بہار شریعت حصہ پانزدہم ص ۱۵۲)

شکل وشباہت

آپ نہایت حسین و خوبصورت تھے۔ آپ کی شکل و صورت کے متعلق حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا و حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ آپ

سینے سے قدم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور شواہد النبوۃ میں آپ کے حسن و جمال کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ جب آپ اندھیرے میں بیٹھتے تو آپ کی پیشانی مبارک اور رخساروں سے روشنی نکل کر قرب و جوار کو منور کر دیتی تھی۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۰۳)

عبادت و ریاضت

آپ بڑے عابد و زاہد اور تہجد گزار تھے۔ پورا پورا دن اور ساری ساری رات نمازیں پڑھنے اور تلاوت قرآن حکیم میں گزار دیا کرتے تھے۔ ذکر خداوندی کا یہ شوق کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر تین دن کے بھوکے پیاسے رہ کر بھی نہ چھوٹا اور شہادت کی حالت میں بھی دو رکعت نماز ادا کر کے بارگاہ خداوندی میں اپنا آخری نذرانہ پیش فرما دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ عہد نبوی میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لخت جگر حضرت امام حسن کی طرح حضرت امام حسین سے بھی بہت زیادہ پیار و محبت فرماتے تھے۔ ان کی معمولی سے معمولی تکلیف سے بھی آپ بے قرار ہو جایا کرتے تھے اور ان کو دیکھے بغیر آپ کو سکون نہ آتا تھا۔ روزانہ آپ ان کو دیکھنے کے لیے حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک مقام پر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے وجہ دریافت فرمائی۔ سیدتنا نے عرض کیا کہ پیاس سے رو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا فرمائی کہ کسی کے پاس پانی ہے؟ مگر کسی کے پاس ایک قطرہ پانی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ایک

صاحبزادے کو مجھے دے دو۔ انہوں نے پردے کے نیچے سے دے دیا۔ آپ نے ان کو لے کر سینے سے لگایا۔ وہ اس وقت بہت رو رہے تھے اور کسی طرح خاموش نہ ہوتے تھے۔ آپ نے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈال دیا۔ وہ چوسنے لگے یہاں تک کہ ان کو تسکین ہو گئی، اس کے بعد وہ نہیں روئے لیکن دوسرے صاحبزادے بدستور رو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کو بھی مجھے دے دو۔ انہوں نے دے دیا تو آپ نے ان کے بھی منہ میں اپنی زبان مبارک ڈال دی۔ وہ چوسنے لگے اور تسکین پاکر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ان دونوں کے رونے کی آواز نہیں سنی گئی۔ (خصائص کبریٰ ج دوم ص ۱۷، ذکر جمیل ص ۱۸۱)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین سے بے انتہا محبت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں بازو اور اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بائیں بازو پر بٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے یہاں اکٹھے نہ رہنے دے گا۔ ان میں سے ایک کو واپس بلالے گا۔ اب ان میں سے آپ جسے چاہیں پسند فرمالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حسین وفات پا جائیں تو ان کے غم میں (حضرت) فاطمہ (حضرت) علی اور مجھے تکلیف ہوگی اور اگر ابراہیم وفات پا جائیں تو زیادہ الم میری ہی جان پر ٹوٹے گا۔ اس لیے مجھے اپنا ہی غم پسند ہے۔ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا۔ بعد ازاں جب بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں آتے تو حضور علیہ الصلوہ ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور خوش آمدید کہتے ہوئے فرماتے۔ مرحبا اے حسین! میں نے تم پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا ہے۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۰۴)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت حضرت امام حسین کی عمر شریف باختلاف روایات سات سال کی تھی۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رحلت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت شروع ہوئی تو آپ سوا دس برس کے تھے اور عہد عثمانی میں پورے جوان ہو چکے تھے اور 30ھ میں طبرستان کے جہاد

میں شرکت فرمائی اور اپنے والد گرامی حضرت علی کے عہد میں بھی جنگ جمل و جنگ صفین میں شرکت فرمائی۔

علم وفضل

تمام اہل تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ علم و فضل میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے، آپ کے ہم عصر صحابہ کرام آپ سے فتویٰ دریافت کرتے تھے۔ آپ کی تقریر و تحریر کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آج بھی آپ کی تقریریں و خطابات تاریخ کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں جنہیں پڑھ کر آپ کے زور بیان اور فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بڑے بھائی امام حسین کے ساتھ پچیس حج فرمائے ہیں۔

حضرات حسنین کریمین کے فضائل احادیث کریمہ کی روشنی میں

حضرت سیدنا امام حسن و حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما کے بعض انفرادی فضائل کے علاوہ اکثر فضائل مشترک ہیں، اسی لیے ہم ان دونوں قدسیوں کے فضائل کو ایک ساتھ لکھ رہے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

(1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنہ۔	حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی شریف ج دوم ص ۷۳۰)

(2) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں کسی کام سے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح باہر تشریف لائے کہ آپ کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے جسے میں نہ جان سکا جب میں عرض حاجت سے فارغ ہوا تو دریافت کیا۔ حضور! یہ کیا اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ نے چادر اٹھائی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پہلوؤں میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

هذان ابنای و ابنا ابنتی اللهم انی احبهما فاحبهما واحب من يحبهما۔

یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر۔ (ترمذی شریف ج دوم ص ۷۳۰)

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الحسن والحسين هما ريحانتي من الدنيا۔

حسن اور حسین یہ دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (ترمذی شریف ج دوم ص ۷۳۱)

(4) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں آپ کو سب سے زیادہ کون پیارا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ الحسن والحسین حسن اور حسین۔ اور حضور حضرت فاطمہ سے فرماتے تھے کہ ادعی لی ابنی فیشمهما ویضمهما الیہ۔ میرے پاس میرے بچوں کو بلاؤ پھر انہیں سونگھتے تھے اور کلیجے سے لگاتے تھے۔ (ترمذی ج دوم ص ۷۳۱)

(5) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک امام حسن و امام حسین تشریف لائے۔ انہوں نے سرخ رنگ کی قمیص زیب تن فرما رکھی تھی اور وہ چلتے چلتے گر پڑتے تھے۔ ان کو گرتے دیکھا تو امام الانبیاء سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ چھوڑ دیا اور منبر سے نیچے

اتر آئے اور ان دونوں کو گود میں اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا کر ارشاد فرمایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہاری اولاد اور تمہارے مال آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو گرتے دیکھا تو صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات بند کر دی اور ان دونوں کو اٹھا لیا۔ (ترمذی شریف ج دوم ص ۲۳۲، مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہل بیت ص ۴۷۸)

(6) ایک دن حضرت امام حسن اور امام حسین کشتی لڑنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حسن سے فرمایا۔ اے حسن! حسین کو پکڑ لو۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بڑے کو کہتے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل بھی تو حسین سے کہہ رہے کہ حسن کو پکڑ لو۔ (شواہد النبوۃ ص ۳۰۴، خصائص کبریٰ ج دوم ص ۴۹۶)

(7) ابوالحسن بن ضحاک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ یمتص لعاب الحسین کما یمتص الرجل التمرہ۔ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لعاب اس طرح چوس رہے تھے جیسے کوئی شخص کھجور کو چوستا ہے۔ (سعادت الکونین ص ۹۴ نور الابصار ص ۱۳۹)

(8) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے بارے میں فرمایا کہ من احبھما فقد احبنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی۔ جس نے ان دونوں سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ (مدارج النبوت ج اول ص ۵۳۰)

(9) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا حسن و حسین میرے بیٹے ہیں۔ من احبھما احبنی ومن احبنی احبہ اللہ ومن احبہ اللہ ادخلہ الجنہ ومن ابغضھما ابغضنی ومن ابغضنی ابغضہ اللہ ومن ابغضہ اللہ ادخلہ النار۔ جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس

نے مجھ کو محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا اور جس نے اللہ کو محبوب رکھا اللہ نے اس کو جنت میں داخل کیا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا اور جس نے اللہ سے بغض رکھا اللہ نے اس کو جہنم میں داخل کیا۔ (سفینہ نوح ج اول ص 16 بحوالہ المستدرک ج سوم ص ۱۶۶)

(10) کنز الغرائب میں ہے کہ ایک بدوی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ہرنی کا ایک بچہ نذر کیا۔ اتنے میں حضرت امام حسن آئے۔ آپ نے ہرنی کا بچہ ان کو دے دیا۔ جب امام حسین نے دیکھا تو پوچھا۔ برادر معظم یہ کہاں سے لائے ہو؟ کہا۔ نانا جان نے دیا ہے۔ امام حسین بھی ہرنی کا بچہ لینے کے لیے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور ضد کرنے لگے۔ آپ نے بہت بہلایا مگر نہ مانے۔ قریب تھا کہ امام کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں کہ ناگاہ ہرنی اپنے ساتھ ایک اور بچہ لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ سرکار! میرا ایک بچہ بدوی نے حاضر خدمت کر دیا ہے۔ یہ دوسرا بچہ بحکم خداوندی حسین کے لیے حاضر ہے کہ حسین بچہ طلب فرما رہے تھے۔ اگر چشم حسین سے ایک آنسو بھی ٹپک پڑتا تو کروبیان عرش کے دل دہل جاتے۔ (روضۃ الشہداء ج دوم ص ۲۶)

(11) ایک دفعہ دونوں شہزادوں نے تختیاں لکھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کے کہنے لگے۔ نانا جان! بتایئے کس کا خط اچھا ہے؟ آپ نے اس خیال سے کہ کسی کو رنج نہ ہو، خود فیصلہ نہ فرمایا بلکہ حضرت علی کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے بھی یہی خیال کر کے حضرت سیدہ کے پاس بھیج دیا۔ سیدہ فاطمہ نے فرمایا۔ بیٹا! میں خط کی بھلائی و برائی کیا بتاؤں مگر یہ سات موتی ہیں، ان کو میں زمین پر ڈالتی ہوں جو زیادہ موتی چن لے اس کا خط اچھا ہے۔ آپ نے موتی ڈالے، شہزادوں نے تین تین موتی چن لیے۔ قریب تھا کہ ایک بھائی چوتھا موتی اٹھا لیے کہ جبرئیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی ایک موتی اٹھا لیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور آدھا آدھا موتی دونوں بھائیوں کے حصے میں آ گیا۔ حضور کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ اللہ اکبر! آج اللہ تعالیٰ کو ان کی اتنی

رنجیدگی بھی نامنظور ہے اور ایک دن وہ ہو گا جب یہ بھوکے پیاسے غریب الوطن زخموں سے چور ہو کر میدان کربلا میں شہید ہوں گے۔ (اوراق غم مولفہ سید محمد احمد صاحب قادری ص ۲۵۷)

(12) روایتوں میں آتا ہے کہ چاند رات کو حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما اپنی والدہ محترمہ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا۔ امی جان! صبح عید کا دن ہے۔ مدینہ کے لوگوں کے بچے نئے نئے لباس پہنیں گے۔ کیا امام الانبیاء اور خاتون جنت کے شہزادے نئے کپڑے نہ پہنیں گے؟ بچوں کے سوال سے ماں کی ممتا تڑپ اٹھی، بچوں کو تسلی دی کہ میرے بیٹو! کوئی فکر کی بات نہیں تمہیں بھی نئے جوڑے مل جائیں گے۔ سیدہ نساء العالمین خاتون جنت نے نماز سے فارغ ہو کر بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔ مولیٰ! تیرے محبوب نبی کے نواسوں نے مجھ سے نئے کپڑے مانگے ہیں۔ اے مولا! میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے۔ اے مولا! میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لے۔ دعا سے فارغ ہوئیں تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھا، کون؟ آنے والے نے جواب دیا۔ اہل بیت کا درزی شہزادوں کے لیے نئے کپڑے لے کر آیا ہے۔ سیدہ نے وہ کپڑے لیے اور صبح دونوں شہزادوں کو پہنا دیئے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا۔ بیٹی! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کپڑے کہاں سے اور کون لے کر آیا تھا؟ عرض کیا۔ ابا جان! آپ ہی بتا دیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ جبرئیل امین تھے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے جنت سے کپڑے لے کر حاضر ہوئے تھے۔ (روضۃ الشہداء ج دوم ص ۱۳۸)

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ کے یہاں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا یہ مقام ہے کہ ان کے لیے جنت سے جوڑے بھیجے گئے اور ان شہزادوں کی دل شکنی نہیں کی گئی تو جو لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، وہ کس قدر ظالم اور عذاب خداوندی کے مستحق ہوں گے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی شہرت

مخبر صادق غیب داں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کی شہادت عظمٰی کے بارے میں بھی خبر دے دی تھی اور حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور خود حضرت امام حسین بھی جانتے تھے کہ ایک دن میں کربلا کے مقام پر شہید کیا جاؤں گا لیکن کسی نے بھی اور خود امام حسین نے بھی کبھی کسی قسم کا شکوہ زبان پر نہیں لایا۔ بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی شہادت کی خبر سنتے رہے اور اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کیا۔ ہم ذیل میں چند احادیث کریمہ پیش کر رہے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی شہادت کی خبر دی ہے۔

(1) حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ کو آپ کی گود میں دیا پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور کی چشمان مبارک سے لگاتار آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ یہ کیا ہے؟ فرمایا۔ میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا اس فرزند کو شہید کرے گی؟ حضور نے فرمایا۔ ہاں اور جبرئیل میرے پاس اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۰)

(2) ابن سعد و طبرانی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے جبرئیل نے خبر دی کہ میرے بعد میرا فرزند حسین طف میں شہید کیا جائے گا اور جبرئیل میرے پاس یہ مٹی لائے اور مجھ سے بتایا کہ یہ حسین کے خوابگاہ (مقتل) کی خاک ہے، طف کوفہ کے قریب اس مقام کا نام ہے جس کو کربلا کہتے ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۱۳۹، ۱۲۹ ما ثبت بالسنۃ ص ۲۹)

(3) بغوی نے اپنی معجم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بارش کے فرشتے نے میری ملاقات کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما دی۔ وہ فرشتہ میری خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ میری گود میں تھے اور میں ان کو پیار کر رہا تھا۔ فرشتے نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں! اس فرشتے نے کہا۔ آپ کی امت حسین کو شہید کر دے گی اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں یہ شہید ہوں گے۔ چنانچہ اس نے آپ کو وہ جگہ دکھائی اور سرخ مٹی بھی لے کر آیا جسے ام المومنین حضرت ام سلمہ نے اپنے کپڑے میں لے لیا اور یہی روایت المسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کر دیا گیا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس سرخ مٹی کو ایک شیشی میں رکھ دیا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن خون بن گئی۔ (صواعق محرقہ ص۶۳۹، ۶۴۰)

(4) ابن سعد حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے کہ فرات کے کنارے پر ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا' اس زمین کا نام "کربلا" ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی آپ اس قدر روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک روز حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا ابھی جبرئیل آئے تھے' انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرا بیٹا حسین دریائے فرات کے کنارے اس جگہ پر شہید کیا جائے گا جس کو "کربلا" کہتے ہیں اور وہاں کی مٹی بھی مجھے سونگھائی۔ (صواعق محرقہ ص۶۴۱)

(5) ابو نعیم نے اصبغ بن نباتہ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی جگہ پر آئے تو حضرت علی نے فرمایا۔ یہاں ان شہداء کے اونٹ بندھیں گے' یہاں ان کے کجاوے رکھے جائیں گے' یہاں ان کے خون بہیں گے اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گروہ اس میدان میں شہید ہو گا اور ان پر زمین و آسمان روئیں گے۔ (خصائص کبریٰ ج دوم ص۲۰۸)

(6) حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم اہل بیت بالاتفاق جانتے تھے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید ہوں گے۔

مذکورہ بالا احادیث کریمہ سے یہ واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اظہار و اعلان فرمادیا تھا اور صحابہ کرام اور اہل بیت کی اکثریت کو یہ معلوم تھا کہ حسین شہید ہوں گے اور ان کی شہادت گاہ کربلا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی حضرت علی و حضرت فاطمہ و دیگر اہل بیت و ازواج مطہرات نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اس حادثے سے محفوظ رکھنے کی دعا کی اور نہ ہی اللہ کے محبوب کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کی اور کرتے بھی کیوں۔ اس لیے کہ سب جانتے تھے کہ یہ امام حسین کی آزمائش اور امتحان ہے اور امتحان میں کسی کو کچھ بتایا نہیں جاتا بلکہ یہ دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو امتحان میں کامیابی عطا فرمائے اور اس کے درجات بلند سے بلند تر فرما۔

اب اگر کوئی نادان، کم عقل، جاہل یہ اعتراض کرے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے امام حسین رضی اللہ عنہ کو نہیں بچاسکے تو کسی اور کیا کیا بچاسکتے ہیں؟ تو ایسے جاہل کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسین کو کب بچانے کی کوشش کی تھی بلکہ ان کو تو خود اس شہادت کے لیے تیار کیا تھا اور پھر جب امام حسین مکمل ہو گئے تو پھر امتحان گاہ میں شہید ہونے کے لیے بھیجا۔ کربلا حضرت امام کی امتحان گاہ تھی یہاں آپ کو اپنی شہادت دے کر اسلام کی بقاو تحفظ کرنا تھا جو آپ کی شہادت ہی سے ہونا تھا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

یزید پلید کا مختصر تذکرہ

یزید پلید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔ اس کی کنیت ابو خالد تھی۔ امیہ خاندان کا یہ وہ بدنصیب انسان ہے جس کی پیشانی پر نواسہ رسول جگر گوشہ بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا سیاہ داغ ہے۔ جس پر ہر زمانے میں دنیائے اسلام ملامت کرتی رہی ہے اور قیامت تک اس پر ملامت ہوتی رہے گی۔ یہ بدباطن سیاہ دل ننگ خاندان ۲۵ھ میں امیر معاویہ کے گھر میسون بنت بحدل کلبی کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ یزید بہت موٹا، بدنما، کثیر الشعر، بد خلق، فاسق و فاجر، شرابی، بدکار، ظالم، بے ادب، گستاخ تھا۔ اس کی شرارتیں اور بے ہودگیاں ایسی ہیں کہ جن سے بدمعاشوں کو بھی شرم آئے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ (غسیل الملائکہ) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واللہ! یزید پر حملہ کی ہم نے تیاری اس وقت کی جب ہم کو یقین ہو گیا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی کیونکہ اس کے فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں، بہنوں، بیٹیوں سے نکاح کرنے لگے تھے، شرابیں پی جا رہی تھیں اور یزید خود ان عورتوں سے شادیاں کر رہا تھا جن کو اسلام نے محرمات میں شمار کیا ہے۔ لوگوں نے نمازیں چھوڑ دی تھیں اور دیگر بہت ساری خرافات و منہیات کا علانیہ رواج ہو گیا تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۰۱ و ۲۰۲ سوانح کربلا)

یزید پلید نے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی بے حرمتی کرائی۔ ان دونوں مقدس مقامات پر حملہ کیا، ہزاروں صحابہ کرام و صحابیہ شہید ہوئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے گئے۔ یہاں گھوڑوں نے لید اور پیشاب کیا اور تین دن تک مسجد نبوی شریف میں نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ پر پتھر برسائے، غلاف کعبہ کو جلایا گیا اور سیدانیوں کی عصمت دری کی گئی

اور ہزاروں صحابہ کرام کو یہاں بھی شہید کیا گیا۔ ایسے شخص کی حکومت گرگ کی چوپانی سے زیادہ خطرناک تھی۔ ارباب فراست اور اصحاب اسرار اس وقت سے ڈرتے تھے جبکہ عنان سلطنت اس شقی کے ہاتھ میں آئی۔ چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ ۵۹ھ میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو صاحب اسرار و فراست بزرگ صحابی تھے، انہوں نے دعا کی اللھم انی اعوذبک من راس الستین وامارۃ الصبیان۔ اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ ۶۰ھ کے آغاز اور لڑکوں کی حکومت سے۔ خصائص کبریٰ کی روایت میں یہ بھی زیادہ ہے کہ اس وقت دنیا احمق اور بدسرشت کے لیے ہوگی۔ (خصائص کبریٰ جلد دوم ص۲۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ ۶۰ھ میں لڑکوں کی حکومت اور فتنوں کا وقت ہے۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور انہوں نے ۵۹ھ میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی۔ (سوانح کربلا ص۷۶)

یزید احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں

(۱) رویانی نے اپنی مسند میں صحابی رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضور نے فرمایا:

اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔

میری سنت کا پہلا بدلنے والا بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا، جس کا نام یزید ہوگا۔ (تاریخ الخلفاء ص۳۰۵)

(۲) ابو یعلی نے اپنی مسند میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من

میری امت ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنی امیہ میں یزید نامی

یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔

ایک شخص ہو گا جو اس عدل میں رخنہ اندازی کرے گا۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۰۵، صواعق محرقہ ص۱۳۰)

(۳) نوفل بن ابوالفرات کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیز (اموی خلیفہ) کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا کہ یزید کا کچھ ذکر آگیا۔ اس شخص نے یزید کو امیرالمومنین یزید بن معاویہ کہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس شخص سے فرمایا:

تقول امیر المومنین؟ فامر بہ فضرب عشرین سوطا۔

اے شخص! تو (یزید کو) امیرالمومنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ یزید کو امیرالمومنین کہنے والے شخص کو بیس کوڑے لگائے جائیں۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۰۵، صواعق محرقہ ص۱۳۲)

(۴) اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام اہل سنت سیدنا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان اپنے فتاوے میں فرماتے ہیں کہ یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید قطعا یقیناً باجماع اہلِ سنت فاسق و فاجر و جری علی الکبائر تھا۔ اس قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق و اتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور اس آیت کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں:

فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم۔ اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم۔ (محمد: پ۲۶ ع۷)

کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتے کاٹ دو۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

اس میں شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین اور خود کعبہ معظمہ اور روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتی کی، مسجد کریم میں گھوڑے

باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن تک مسجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے اذان و نماز رہی، مکہ و مدینہ و حجاز کے ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کیے، کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے گئے، غلاف کعبہ شریف پھاڑا اور جلایا گیا، مدینہ طیبہ کی پاکدامن پارساء اہل ایمان خواتین تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کردی گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگرپارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر اپنے ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا گیا، مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پالے ہوئے تن نازنین پر شہادت کے بعد گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارکہ چور ہو گئے، سر انور کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا، کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا، حرم محترم محذرات مشکوئے رسالت قید کیے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا۔ ملعون ہے وہ جو ان حرکات ملعونہ کو فسق و فجور نہ جانے۔ قرآن عظیم میں صراحتاً اس پر لعنھم اللہ فرمایا۔ لہٰذا امام احمد حنبل اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت کیا کہ اس سے فسق و فجور متواتر ہیں، کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں، نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بہ عدم توبہ ہیں۔ لقولہ تعالی فسوف یلقون غیا الا من تاب۔ (پ۱۶ ع۷) اور توبہ تا دم غرغرہ مقبول ہے اور اس کا عدم پر جزم نہیں۔ اور یہی احوط و اسلم ہے مگر اس کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلال و بدمذہبی صاف ہے بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا شمہ ہو۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص۱۰۸-۱۰۷ مطبوعہ مبارکپور)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ یزید بے شک پلید تھا اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے اور اسے رحمۃ اللہ علیہ نہ کہے گا مگر ناصبی کہ اہل بیت رسالت کا دشمن ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص۱۱۴)

تیسری جگہ یزید پلید کی بخشش کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں ارشاد

فرمایا- یزید پلید کے بارے میں آئمہ اہل سنت کے تین اقوال ہیں- امام احمد وغیرہ اکابر کافر جانتے ہیں تو ہرگز بخشش نہ ہوگی اور امام غزالی وغیرہ مسلمان تو اس پر کتنا ہی سخت عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہوگی اور ہمارے امام ابو حنیفہ سکوت فرماتے ہیں کہ نہ ہم مسلمان کہیں نہ کافر- (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۵۴)

محترم قارئین کرام! آپ جلیل القدر علمائے محققین کے بیانات سے خوب اچھی طرح واقف ہو گئے کہ یزید کیسا تھا اور اس نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے اور یہ بھی آپ نے پڑھ لیا کہ یزید کو کیا کہنا چاہیے اور کیا نہ کہنا چاہیے- اس سلسلے میں ہم نے اپنے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ابھی نقل کر دیا ہے اس لیے جو لوگ امام اعظم ابو حنیفہ کے ماننے والے ہیں، ان کو چاہیے کہ اپنے امام کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے یزید کے لعن و تکفیر یعنی اس پر لعنت کرنے اور اس کو کافر کہنے سے خاموشی اختیار کریں لیکن اس کے فسق و فجور کو ضرور مانیں اور جو لوگ اس کے فسق و فجور کا انکار کریں اور اس کو رحمتہ اللہ علیہ اور امیر المومنین کہیں یا لکھیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ باغی یا خطاکار کہیں یا لکھیں، ایسے لوگوں کو گمراہ، بددین، اہلِ بیت کا دشمن اور خارجی سمجھیں، نہ ان کا بیان سنیں، نہ ان کی کتابیں پڑھیں اور نہ ہی ان کے ساتھ نشست کریں-

ایسے ہی غدار اور خارجی بولی بولنے والوں کے بارے میں حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بعض جاہل جو یہ کہتے ہیں کہ امام حسین نے یزید سے بغاوت کی تو یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے اور اس طرح کی بولی خارجیوں کے ہذیانات میں سے ہے جو اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں- (شرح فقہ اکبر ص ۸۷ مطبوعہ اشرفی بکڈپو)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاوے میں کہ یزید پر لعنت کرنا چاہیے یا نہیں، اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ توقف اس وجہ سے ہے کہ روایات متعارضہ و متخالفہ یزید پلید کے بارے میں معاملہ شہادت حسین علیہ السلام میں وارد ہوئی ہے- چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کی شہادت پر یزید راضی ہوا اور

آپ کی شہادت سے خوش ہوا اور اس نے اہل بیت اور خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی تو جن علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء نے یزید پلید پر لعن کیا چنانچہ امام احمد بن حنبل اور ان کے مقلدین جو فقہائے حنبلیہ سے ہوئے ہیں اور دیگر علمائے کثیر نے یزید پلید پر لعن کیا ہے اور بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ یزید کو شہادت امام علیہ السلام سے رنج و غم تھا اور شہادت کی وجہ سے یزید نے ابن زیاد اور اس کے اعوان پر عتاب کیا اور ریزید کو اس کام سے ندامت ہوئی کہ اس کے نائب کے ہاتھ سے یہ واقعہ وقوع میں آیا تو جن علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء نے یزید کے لعن سے منع کیا۔ چنانچہ حجتہ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ نے یزید کے لعن سے منع کیا ہے اور بعض علماء کے نزدیک ثابت ہوا کہ دونوں طرح کے روایات میں تعارض ہے اور کوئی وجہ ایسی ثابت نہ ہوئی کہ اس کے اعتبار سے ایک جانب کی روایات کو ترجیح ہو سکے تو ان علماء نے احتیاطاً اس مسئلہ میں توقف کیا اور امام اعظم ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔ البتہ شمر اور ابن زیاد شہادت امام حسین سے راضی تھے اور یہ دونوں خوش تھے اور معرکہ کربلا میں پیش پیش تھے۔ اس لیے شمر اور ابن زیاد پر لعن کرنے میں علماء میں سے کسی نے توقف نہیں کیا بلکہ بالاتفاق سب علماء کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کہ شمر اور ابن زیاد بدنہادوں پر لعن کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۲۵۳-۲۵۲)

عہد امیر معاویہ اور یزید کی بیعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۰ھ میں شامیوں کو بلایا کہ ان کے بعد ان کے بیٹے یزید کی جانشینی کے لیے اہل شام بیعت کریں۔ اس اعتبار سے آپ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی حیات ہی میں اپنے بیٹے کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اور اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا دیا۔ جب شامیوں نے بیعت کرلی تو آپ نے گورنر مدینہ مروان بن حکم کو ایک فرمان لکھا کہ وہ اہل مدینہ سے بھی یزید کی بیعت لیں۔ چنانچہ مروان بن حکم نے مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا مجھے امیرالمومنین حضرت امیر معاویہ کی طرف سے حکم ملا ہے کہ میں ان کے بیٹے یزید کے لیے آپ لوگوں سے حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی سنت پر بیعت لوں جیسا کہ ان کے عہد میں نامزدگی کا طریقہ رائج تھا۔ یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما فوراً کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ نہیں نہیں! یہ سنت ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہو کہ قیصر و کسریٰ کی سنت پر (طریقہ) پر بیعت لوں۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کبھی اپنی اولاد یا اپنے کسی اہل خاندان و اہل بیت کے لیے بیعت نہیں لی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۸۹۔ ماثبت بالسنہ ص ۳۵۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۵)

حضرت امیر معاویہ کا حج اور یزید کی بیعت

۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج ادا کیا۔ اور اپنے بیٹے یزید کے لیے تمام لوگوں سے بیعت لینے کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت

عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے کہا اے ابن عمر! تم تو یہ کہتے تھے کہ جس دن مجھ پر کوئی امیر نہ ہوگا اس روز مجھے چین نہ ہوگا اور اب تم معاملہ خلافت میں رخنہ اندازی کر رہے ہو۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فوراً کھڑے ہوگئے اور ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں حمد و نعت کے بعد فرمایا: کہ اے امیر! آپ سے پہلے بھی خلفاء گزرے ہیں اور ان کے بھی فرزند تھے۔ اور ان کے فرزندوں سے آپ کا فرزند (یزید) بہتر نہیں ہے۔ مگر انہوں نے کبھی بھی اپنی اولاد میں سے کسی بیٹے کو ولی عہد مقرر نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے تو اس انتخاب کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ پس آج بھی وہ کسی شخص کی خلافت پر اگر اجماع کر لیں تو میں بھی اس کو قبول کر لوں گا۔ آپ مجھے اس بات سے ڈراتے ہیں کہ میں مسلمانوں میں رخنہ اندازی کرنے والا ہوں۔ بخدا میں مسلمانوں میں انتشار کرنے والا نہیں ہوں۔ یہ تقریر کر کے آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔

پھر حضرت امیر معاویہ نے فرزند صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ جب وہ تشریف لائے تو ان سے بھی وہی کچھ کہا جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے ان کی بات بیچ میں کاٹ کر کہا کہ آپ نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ انتخاب خلیفہ کے معاملہ میں ہم نے آپ کو اپنا وکیل بنا لیا ہے۔ خدا کی قسم ہم نے آپ کو اپنا وکیل نہیں بنایا ہے۔

خدا کی قسم! ہم چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں تمام مسلمان جمع ہوں اور باہم مشورت کریں اور پھر انتخاب کریں۔ ورنہ میں بتائے دیتا ہوں کہ تفرقہ اندازی کا بار آپ کے کندھوں پر رہے گا۔ اتنا کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: الٰہی! جو کچھ میں چاہتا ہوں اس میں تو میری مدد فرما الٰہی! میں اگر یزید کو اس کی لیاقت اور ہوشمندی کے باعث ولی عہد بنا رہا ہوں تو اس کام میں میری مدد فرما اور اگر میں محض شفقت پدری کے باعث ایسا کر رہا ہوں اور وہ خلافت کے قابل نہیں ہے تو اس کے تخت نشین ہونے سے پہلے اس کو موت دے دے۔ پھر حضرت ابن ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ تم سختی اور درشتی سے کام مت لو ذرا نرمی کا رویہ اختیار کرو، کہیں اہل شام تک اس بات کو نہ پہنچا دینا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اہل شام سبقت

کر کے آپ سے بیعت نہ کرلیں۔ آپ کچھ صبر کریں تاکہ میں رات تک ان کو اطلاع دے دوں کہ تم نے یزید سے بیعت کرلی ہے، اس کے بعد تم سے جو بن پڑے وہ کر گزرنا۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان سے کہا اے ابن زبیر! تم ایک شاطر لومڑی کی طرح جو ایک بل سے نکل کر جھٹ دوسری بل میں جا گھستی ہے۔ تم نے ہی ابن عمر اور ابن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے کانوں میں کچھ پھونک دیا ہے اور انہیں بھڑکا دیا ہے اور کسی دوسرے شخص کی بیعت پر تیار کر رکھا ہے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا۔ اگر آپ کا دل خلافت سے بھر گیا ہے یا آپ اپنی خلافت سے بیزار ہیں تو پھر اس تخت خلافت کو ترک کیوں نہیں کر دیتے تاکہ ہم آپ کے بیٹے ہی سے بیعت کرلیں۔ ذرا آپ ہی سوچئے کہ اگر اس کی بھی بیعت کرلیں تو پھر ہم کس کی سنیں اور کس کی بات مانیں۔ کیونکہ آن واحد میں یا ایک وقت میں دو بادشاہوں کی تو بیعت نہیں ہوسکتی۔ یہ کہہ کر آپ بھی واپس آگئے۔ ان حضرات کے چلے جانے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ میں نے کج رو لوگوں کی باتوں کو سنا ہے ان کی باتوں سے ظاہر ہے کہ وہ (یعنی ابن عمر، ابن ابوبکر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم) یزید کی بیعت کبھی نہیں کریں گے حالانکہ وہ تینوں یزید کی بیعت کر چکے ہیں اس کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ یہ سن کر اہل شام نے کہا۔ خدا کی قسم! وہ لوگ جب تک ہمارے سامنے یزید کی بیعت نہ کریں گے ہم اس بات کو نہیں مانیں گے اور اگر انہوں نے ہمارے سامنے ایسا نہیں کیا تو پھر ہم ان تینوں کے سر اڑا دیں گے۔ یہ سن کر امیر معاویہ نے کہا واہ واہ! قریش کی شان میں ایسی گستاخانہ باتیں؟ آج کے بعد میں آئندہ تمہاری زبان سے ایسی باتیں نہ سنوں یہ کہہ کر آپ منبر سے اتر آئے۔ اس واقعہ کے بعد لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ ابن عمر، ابن ابوبکر اور ابن زبیر نے یزید سے بیعت کرلی ہے۔ حالانکہ یہ تینوں حضرات برابر اس بات سے انکار کرتے رہے۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت امیر معاویہ شام واپس چلے گئے۔

(تاریخ الخلفاء ص۲۸۹ تا ص۲۹۱)(ماثبت بالسنہ ص۳۶ تاریخ ابن خلدون ج۲ ص۵۹)

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکثر بیمار رہے اور ماہ رجب ۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

نوٹ: بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی حیات میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرما دیا۔ یہ آپ کی سب سے بڑی بھول تھی۔ اس کا جواب حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ خلیفہ کا اپنی زندگی میں دوسرے کو خلیفہ بنانا جائز ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ رہا بیٹے کو اپنا جانشین بنانا، تو یہ قرآن و حدیث سے منع نہیں۔ جن لوگوں کو اس پر اعتراض ہے وہ دلیل پیش کریں۔ رہا یہ سوال کہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر نہیں کیا اس لیے یہ ناجائز ہے، تو یہ دلیل غلط ہے کیونکہ خلفائے اربعہ کے نہ کرنے کے سبب اگر ناجائز ہو جائے تو انہوں نے بہت اس سا کام نہیں کیا۔ جیسے قرآن حکیم پر اعراب لگانا، حدیث و فقہ کو کتابی شکل میں جمع کرنا وغیرہ۔ یہ سب کام ناجائز ہو جائیں گے۔

رہا یزید کا فسق و فجور تو یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضرت امیر معاویہ کی زندگی میں یزید فاسق فاجر تھا۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ انہوں نے یزید کو فاسق و فاجر مانتے ہوئے اپنا جانشین بنایا۔ یزید کا فسق و فجور دراصل حضرت امیر معاویہ کی وفات کے بعد ظاہر ہوا۔ اور فسق ظاہر ہونے کے بعد فاسق قرار دیا جاتا ہے نہ کہ پہلے۔ دیکھئے ابلیس لعین پہلے فرشتوں کا استاد تھا۔ پھر جب اس سے کفر ظاہر ہوا تب اسے کافر قرار دیا گیا۔ تو فسق و فجور ظاہر ہونے سے پہلے یزید کو فاسق کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیسے موردِ الزام ہو سکتے ہیں۔ (حضرت امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۶۵)

یزید کی تخت نشینی اور طلب بیعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید تخت نشین ہوا تو اس کو

سب سے پہلے یہ فکر لاحق ہوگئی کہ جن لوگوں نے اس کی بیعت نہیں کی انہیں اپنی بیعت پر مجبور کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی بیعت لینے کے لیے اطراف کے تمام ممالک میں خطوط و حکم نامے روانہ کیے۔ چنانچہ اس نے عامل مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھا۔ جس میں اپنے والد کی وفات کی اطلاع کی اور لکھا کہ ہر خاص و عام سے میری بیعت لو۔ اور حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے پہلے بیعت لو۔ اور جب تک ان سے بیعت نہ لے لو انہیں اپنے پاس سے جانے کی اجازت نہ دو۔ اور تشدد اختیار کرو۔ مہلت نہ دو۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۶۳)

جب یزید کا خط ولید کے پاس پہنچا تو وہ بہت گھبرایا اور فوراً اس نے ایک شخص کو بھیج کر مروان بن حکم کو جو ولید سے پہلے مدینہ کا گورنر تھا، بلایا اور یزید کا خط دکھا کر اس سے مشورہ طلب کیا۔

یہاں پر ایک بات بتا دینا ضروری ہے کہ مروان بن حکم وہ شخص ہے کہ جب اس کی پیدائش ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحنیک (کوئی چیز نرم کرکے کھلانے) کے لیے بلایا گیا تو حضور نے فرمایا: ھو الوزغ بن الوزغ۔ یہ گرگٹ کا بیٹا گرگٹ ہے۔ صواعق محرقہ میں یہ بھی ہے کہ ملعون بن ملعون ہے۔ (صواعق محرقہ ص ۶۰۵)

اور بخاری، نسائی اور ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراون بن حکم کے باپ پر لعنت فرمائی جبکہ مروان صلب پدر میں تھا۔ تو وہ بھی اللہ کی لعنت سے حصہ پانے والا ہوا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۹۸ صواعق محرقہ ۶۰۶)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں مروان کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اہل بیت کی محبت فرائض ایمانی سے ہے۔ یہ لوازم سنت اور محبت اہل بیت سے ہے کہ مروان علیہ اللعنۃ کو برا کہنا چاہیے۔ اور اس سے دل بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی حضرت امام حسین اور اہل بیت کے ساتھ کی۔ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے۔ (فتاویٰ عزیزی مترجم ص ۴۴۳)

محترم قارئین! احادیث کریمہ اور فتاویٰ کی روشنی میں آپ نے مروان بن حکم کی دشمنی ملاحظہ فرمائی کہ یہ شخص اتنا مبغوض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اور اس کے باپ کو گرگٹ فرما رہے ہیں اور ان پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اسے شیطان قرار دے رہے ہیں تو ایسے شخص سے کیا خیر کی امید کی جاسکتی ہے؟

چنانچہ جب مدینہ منورہ کے گورنر ولید نے مروان سے مشورہ لیا تو اس نے کہا کہ ان تینوں کو فوراً اسی وقت بلاؤ اور ان سے بیعت کے لیے کہو اگر وہ بیعت کرلیں تو بہتر، ورنہ ان تینوں کو قتل کردو۔

اس مشورہ کے بعد گورنر مدینہ ولید نے عبداللہ بن عمر بن عثمان نامی ایک نوعمر لڑکے کے ذریعے ان تینوں حضرات کو بلا بھیجا یہ حضرات اس وقت مسجد میں تھے۔ اس غیر معمولی وقت کے بلاوے سے فوراً معاملے کی تہہ کو پہنچ گئے۔ اور انہوں نے آپس میں کہا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ہمیں بیعت کے لیے بلایا جارہا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ چند جوانوں کو لے کر پہنچے۔ اور انہیں ہدایت کی کہ تم دروازے پر بیٹھے رہو۔ اگر میں تمہیں بلاؤں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہوگئی ہے تو سب کے سب مکان کے اندر چلے آنا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو دروازے سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں باہر آجاؤں۔ پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔ ولید نے آپ کو امیر معاویہ کی وفات کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لیے کہا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھا اور فرمایا: میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کرسکتا اور نہ میرے لیے اس طرح بیعت کرنا مناسب ہے۔ آپ باہر نکل کر لوگوں سے بیعت کے لیے کہیں۔ ولید امن و صلح پسند آدمی تھا۔ اس نے کہا اچھا آپ تشریف لے جائیں۔ جب آپ تشریف لے جانے لگے تو مروان نے بہت برہم ہو کر ولید سے کہا اگر تم نے اس وقت ان کو جانے دیا اور بیعت نہ لی تو پھر ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ اگر یہ بیعت کرلیں تو خیر، ورنہ قتل کردو۔ امام حسین یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا: او ابن الزرقاء کیا تو مجھے قتل کرے یا یہ کریں گے؟ خدا کی قسم تو جھوٹا

ہے اور کمینہ ہے۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے آئے۔ مروان نے ولید سے کہا۔ تم نے میری بات نہ مانی خدا کی قسم! اب تم ان پر قابو نہیں پاسکو گے۔ یہ بہترین موقع تھا کہ تم ان کو قتل کر دیتے ولید نے کہا تم پر افسوس! تم مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہو جس میں میرے دین کی تباہی ہے۔ میں کیا نواسہ رسول کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیتا کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ قسم ہے رب ذوالجلال کی، اگر مجھے ساری دنیا کا مال و متاع مل جائے تو بھی میں ان کے خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور واللہ میں تو سمجھتا ہوں کہ قیامت کے دن جس شخص سے خون حسین کے بارے باز پرس کی جائے گی وہ خدا کے سامنے خفیف المیزان ٹھہرے گا۔ مروان نے کہا اگر تمہاری یہی رائے ہے تو یہ ٹھیک ہے۔ یہ اس نے صرف ظاہر میں کہا۔ ورنہ دل سے وہ ولید کا دشمن بن گیا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۶۴ تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۷۶ شام کربلا ص ۲۳)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یزید کی بیعت سے انکار اس کے لیے اشتعال کا باعث ہو گا۔ اور نابکار جان کا دشمن ہو اور خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ لیکن امام کی دیانت و تقویٰ نے اجازت نہ دی کہ اپنی جان کی خاطر نااہل کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ اور مسلمانوں کی تباہی اور شرع و احکام شرع کی بے حرمتی اور دین کی مضرت کی پرواہ نہ کریں۔ یہ امام جیسے جلیل القدر فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح ممکن نہ تھا۔

اگر امام حسین اس وقت یزید کی بیعت کر لیتے تو وہ آپ کی بہت قدر و منزلت کرتا اور آپ کی عافیت و راحت میں کوئی فرق نہ آنے دیتا۔ بلکہ دنیا کی بہت ساری دولت آپ کے قدموں پر جمع کر دیتا۔ لیکن اسلام کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اور یزید کی ہر بدکاری کے جواز کے لیے امام کی بیعت سند ہو جاتی۔ اور شریعت اسلامیہ اور ملت حنفیہ کا نقشہ مٹ جاتا شیعوں کو آنکھ کھول کر دیکھ لینا چاہیے کہ امام نے جان کو خطرہ میں ڈال دیا لیکن تقیہ کا تصور بھی خاطر مبارک پر نہ گزرا۔ اگر تقیہ جائز ہوتا تو اس کے لیے اس سے زیادہ ضرورت کا اور کون سا وقت ہو سکتا تھا۔

بہرحال آپ یزید کی بیعت سے برابر کنارہ کشی اختیار فرماتے رہے اور اس کے

لیے کبھی تیار نہیں ہوئے۔ شام کے وقت ولید نے پھر امام کے پاس آدمی بھیجا۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں نہیں آسکتا۔ صبح ہونے دیجئے پھر دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔ ولید نے امام کی یہ بات مان لی۔ اور آپ اسی رات یعنی ۲۸ رجب ۶۰ھ مطابق ۴ مئی ۶۸۱ء کو اپنے اہل و عیال، بہنوں، بھانجوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔ عبداللہ ابن زبیر ایک رات پہلے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہو چکے تھے۔ (تاریخ طبری ج۵ ص۱۶۶)

حضرت امام حسین کی مدینہ طیبہ سے رحلت

حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کو چھوڑتے وقت اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضر ہوئے اور صلوٰۃ وسلام عرض کر کے رخصت کی اجازت طلب کی۔ اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ بلاشبہ دیدہ خونبار نے اشک غم کی بارش کی ہوگی۔ قلب حزین صدمہ جدائی و فراق سے گھائل ہو رہا ہوگا۔ اور لبوں پر یہ الفاظ ہوں گے۔ کندھوں پر چڑھا کر کھلانے والے نانا جان! آغوش رحمت و محبت میں لے کر لوریاں دینے والے نانا جان، ماتھے، رخسار اور لبوں کو چومنے والے نانا، آج میرا حال دیکھو۔ میں غمگین و پریشان ہوں، اشکبار ہوں، اس لیے کہ آپ کا یہ مقدس شہر چھوڑ رہا ہوں۔ وہ شہر جو مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ لیکن کیا کروں، میرا یہاں رہنا دشوار ہوگیا ہے۔ میں جا رہا ہوں مجھے اجازت دیجئے۔ اور اُدھر روضہ انور میں ناز و نعم سے پالنے والے نانا جان جنہوں نے اپنے نواسے حسین کے لیے اپنے لخت جگر فرزند ابراہیم کو قربان کر دیا تھا ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی یہ تصور دلوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ یہ دن کیسا دن تھا۔ سخت رنج و الم کا دن تھا کہ نواسہ رسول جگر گوشہ بتول اپنے نانا جان سے جدا ہو رہے ہیں۔ اور جدا بھی کیسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہیں۔

صاحب "روضۃ الشہداء" لکھتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت امام عالی مقام نے اپنی

والدہ ماجدہ خاتون جنت سیدتنا فاطمۃ الزہراہ رضی اللہ عنہا اور اپنے برادر معظم سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے جنت البقیع میں حاضری دی۔ اور پھر اپنے نانا جان سے آخری سلام پیش کرنے روضہ مقدسہ پر حاضری دی۔ اور صلوۃ و سلام عرض کرنے کے بعد آپ پر نیند کا غلبہ طاری ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہیں اور میرے سر کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیا۔ حضرت امام عالی مقام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں امت کی جفاؤں سے تنگ آکر اور یزید پلید کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے آپ کا مقدس شہر مدینہ چھوڑ رہا ہوں۔ اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ دوبارہ آپ کی زیارت نہیں کر سکوں گا۔ حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حسین! عنقریب تو میرے پاس آ جائے گا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ بھوکا پیاسا کربلا کی زمین پر شہید ہو رہا ہے۔ اے میرے حسین! صبر کرنا اور اپنا کام پورا کرنا۔ زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ تو بھی اپنے باپ اپنی ماں اور میرے پاس پہنچ کر ہمارے ساتھ خوان بہشت پر بیٹھ کر خالق العباد کی رحمتوں سے مالا مال ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی امام حسین بیدار ہو گئے۔ اور آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا۔ بعدازاں اسی شوق شہادت میں آپ نے مکہ معظمہ جانے کا عزم مصمم کر لیا۔ اور اپنے نانا جان کو آخری سلام اور الوداع فرماتے ہوئے ۴ شعبان المعظم ۶۰ھ بمطابق ۱۰ مئی ۶۸۱ء بروز جمعرات مع اہل و عیال اس آیت کریمہ: فخرج منها خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظلمین۔ پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک مقام پر حضرت عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کو مع اہل و عیال مدینہ منورہ سے جاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ میں آپ پر فدا ہوں! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا فی الحال تو مکہ مکرمہ جا رہا ہوں۔ عبداللہ نے کہا اللہ آپ کو خیر و عافیت سے رکھے اور ہمیں آپ پر فدا کرے۔ جب آپ مکہ پہنچ جائیں تو کوفہ کا ارادہ ہرگز نہ فرمائیں کیونکہ وہ ایک منحوس شہر ہے۔ وہیں آپ کے والد ماجد شہید ہوئے اور وہیں آپ کے برادر معظم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور ان پر نیزے کا وار کیا گیا جان جاتے جاتے بچی۔ آپ حرم محترم مکہ شریف میں ہی

رہیے۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ اہل حجاز آپ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ ہر طرف سے لوگ آپ کے پاس آئیں گے۔ میرے چچا اور میرے ماموں آپ پر نثار ہوں، آپ حرم کعبہ کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیے گا۔ خدا کی قسم! اگر نصیب دشمناں! آپ پر کوئی آنچ آئی تو ہم سب غلام بنا ڈالے جائیں گے۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو یہ آیت پڑھی: ولما توجه تلقاء مدين قال عسى ربي ان يهديني سواء السبيل۔ (شام کربلا ص ۷ ۲ تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۶۸ تا ص ۱۷۷)

آپ کے مکہ مکرمہ پہنچنے کی خبر سن کر لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آنے لگے اور زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔ عبداللہ ابن زبیر بھی مکہ ہی میں تھے وہ بھی آپ کے پاس آتے جاتے۔ اہل مکہ کو آپ کے آنے کی بے حد خوشی ہوئی تھی۔ وہ آپ کے دیدار پر انوار سے اپنے دیدہ دل کو روشن و منور کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

مرحبا سرور عالم کے پسر آئے ہیں — سیدہ فاطمہ کے لخت جگر آئے ہیں
نخل بستان نبوت کے ثمر آئے ہیں — جن سے روشن ہے جہاں وہ قمر آئے ہیں
واہ قسمت! کہ چراغ حرمین آئے ہیں — اے مسلمانو مبارک! کہ حسین آئے ہیں

اہل کوفہ کے خطوط اور وفود کی آمد

کوفہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے وفادار اور محبوں کا مرکز اور گڑھ تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے عہد خلافت میں دارالخلافہ کوفہ ہی قرار دیا تھا۔ لہٰذا آپ کے تمام محب وہیں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف آوری کوفہ کی درخواستیں بھیج چکے تھے۔ مگر آپ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اب جبکہ اہل کوفہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال کرنا اور امام عالی مقام کا بیعت یزید سے انکار کرنا معلوم ہوا تو کوفہ کے تمام شیعہ سلیمان بن صرد الخزاعی کے مکان پر جمع ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرنے کا ذکر کر کے سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر سلیمان نے کہا۔ معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت امام حسین نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا

ہے اور مکہ چلے گئے ہیں اور تم لوگ ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہو۔ پس تم خوب جان لو کہ اگر تم ان کے مددگار بن سکتے ہو اور ان کے دشمنوں سے جہاد کر سکتے ہو تو ان کو لکھو۔ اور اگر تمہیں اپنی کمزوری اور بزدلی کا اندیشہ ہو تو ان کو دھوکا نہ دو۔ سب نے کہا ہم ان کو دھوکا نہ دیں گے، بلکہ ہم ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ اور ان پر اپنی جانیں نثار کریں گے۔ سلیمان نے کہا پھر لکھو۔ تو انہوں نے اپنی طرف سے خط لکھا۔

(تاریخ طبری ج۵ ص۱۷۷ شام کربلا ص۲۹)

خط کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی کو سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر اور کوفہ کے تمام شیعہ مومنین کی طرف سے سلام علیک۔ بعد حمد و صلوۃ۔ اللہ آپ پر سلامتی نازل فرمائے بعد اس کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سرکش و گمراہ دشمن کو خاک میں ملا دیا۔ جس نے امت کا نظام درہم برہم کر دیا اور لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کی۔ اور امت کے نیک لوگوں کو شہید کیا اور شرپسندوں کو رہنے دیا۔ ہم لوگوں پر کوئی امام نہیں رہے آپ تشریف لائیں کہ خدا تعالیٰ آپ کی برکت سے ہمیں حق کی حمایت نصیب فرمائے دمشق کا گورنر نعمان بن بشیر سرکاری محل میں ہے مگر ہم اس کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوتے۔ اور نہ اس کے ساتھ عید گاہ جاتے ہیں۔ جب ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اس کو یہاں سے نکال کر ملک شام کی حدود میں دھکیل دیں گے۔ والسلام و رحمتہ اللہ علیک۔ (تاریخ طبری ج۵ ص۱۷۸)

اہل کوفہ زیادہ صبر نہ کر سکے۔ اور اس خط کے بھیجنے کے دو روز بعد تقریباً ۵۳ عرضیاں اور تیار ہو گئیں جو ایک، دو، تین اور چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں جو حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں ارسال کی گئیں۔ اس کے بعد پھر کچھ مخصوص لوگوں کی عرضیاں آپ کی خدمت میں روانہ کی گئیں۔ ایک روایت کے مطابق تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) خطوط امام عالی مقام کی بارگاہ میں ارسال کیے گئے سب سے آخری خط جو ہانی بن ہانی شیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کی طرف سے پہنچا تھا۔ اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو ان تمام خطوط کا جواب دیا کہ تم لوگوں کے

بہت سے خطوط ہم تک پہنچے جن کے مضامین سے ہم مطلع ہوئے۔ تم لوگوں کے جذبات اور محبت کا تقاضا کرتے ہوئے ناچار ہم نے اپنے بھائی چچا کے بیٹے حضرت امام مسلم بن عقیل کو تحقیق حال کے لیے کوفہ بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر انہوں نے کوفہ کے حالات کے بارے میں لکھا کہ یہاں کے حالات سازگار ہیں تو ان شاء اللہ میں بھی تم لوگوں کے پاس جلد چلا آؤں گا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۷۹)

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام کی شہادت کی خبر مشہور تھی۔ اور کوفیوں کی بے وفائی کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا۔ مگر جب یزید بادشاہ بن گیا اور اس کی حکومت و سلطنت دین کے لیے خطرہ تھی اور اس کی وجہ سے اس کی بیعت ناروا تھی۔ اور طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا کہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ ان حالات میں کوفیوں کے بپاس ملت یزید کی بیعت سے دست کشی کرنا اور حضرت امام سے طالب بیعت ہونا امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں۔ جب ایک قوم ظالم و فاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو اور صاحب استحقاق اہل سے درخواست بیعت کرے تو اگر ان کی استدعا قبول نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ امام اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے تو بارگاہ الٰہی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا کہ ہم ہر چند درپے ہوئے مگر امام بیعت کے لیے راضی نہ ہوئے۔ بدیں وجہ ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنی پڑی۔

اگر امام ہاتھ بڑھاتے تو ہم ان پر جانیں فدا کرنے کے لیے حاضر تھے یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا جس کا حل بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ حضرت امام کی ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔ اگرچہ اکابر صحابہ کرام حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابو سعید، حضرت ابو واقد لیثی وغیرہم، حضرت امام کی اس رائے سے متفق نہ تھے اور انہیں کوفیوں کے عہد و میثاق کا اعتبار نہیں تھا۔ امام کی محبت اور شہادت امام کی شہرت ان سب لوگوں کے دلوں میں اختلاج پیدا کر رہی تھی۔ گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی

وجہ نہ تھی کہ شہادت کا وقت یہی ہے اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہو گا۔ لیکن اندیشہ مانع تھا۔ حضرت امام کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت درپیش تھی کہ اس استدعا کو روکنے کے لیے عذر شرعی کیا ہے۔ ادھر ایسے جلیل القدر صحابہ کے شدید اصرار کالحاظ ادھر اہل کوفہ کی استدعا رد فرمانے کے لیے کوئی عذر شرعی نہ ہونا۔ حضرت امام کے لیے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا جس کا حل بجز اس کے کچھ نظر نہ آیا کہ پہلے حضرت امام مسلم کو بھیجا جائے۔ اگر کوفیوں نے بدعہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کی تسلی ہو جائے گی۔ (سوانح کربلا ۸۱)

حضرت امام مسلم کی کوفہ روانگی

امام مسلم بحکم حضرت امام عالی مقام کوفہ روانہ ہوئے تو اپنے دو کمسن صاحبزادوں محمد اور ابراھیم کو بھی ساتھ لے کر کوفہ پہنچے۔ اور مختار بن عبید کے مکان پر قیام فرمایا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر شیعان علی جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے آئے اور بارہ (۱۲) ہزار تک اور ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ نے جب اہل کوفہ کے جذبات، عقیدت و محبت کو دیکھا تو امام عالی مقام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں یہاں کے حالات کی اطلاع دی اور التماس کی کہ ضرورت ہے کہ آپ جلد تشریف لائیں تاکہ بندگان خدا ناپاک شرو فساد سے محفوظ رہیں اور دین حق کی تائید ہو۔

اہل کوفہ کا یہ جوش عقیدت اور محبت دیکھ کر حضرت نعمان بشیر صحابی رسول نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے اہل کوفہ کو مطلع کیا کہ یہ بیعت یزید کی مرضی کے خلاف ہے اور وہ اس پر بہت بھڑکے گا۔ لیکن اتنی اطلاع دے کر ضابطہ کی کاروائی پوری کر کے حضرت نعمان بن بشیر خاموش ہو بیٹھے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی۔

یزید کو اطلاع

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کے محبوں سے نعمان بشیر کا خطاب پورا ہوا تو عبداللہ بن مسلم حضرمی جو بنی امیہ کے ہوا خواہوں میں سے تھا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں سخت گیری کے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اپنے اور اپنے دشمن کے درمیان آپ نے جو رائے قائم کی ہے یہ کمزوروں کی رائے ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر نے فرمایا: خدائے تعالیٰ نے اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ میرا شمار کمزوروں میں ہو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ اس کی نافرمانی کے ساتھ میرا شمار عزت والوں میں ہو۔ یہ فرما کر آپ نے اپنا خطاب پورا فرمادیا۔۔۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی نے وہاں سے اٹھ کر یزید کو خط لکھا کہ مسلم بن عقیل کوفہ آگئے ہیں۔ شیعوں نے حسین بن علی کے نام پر ان سے بیعت کرلی ہے۔ اگر تمہیں کوفہ چاہیے تو کسی زبردست آدمی کو حاکم کوفہ بنا کر بھیجو جو تمہارے حکم کو یہاں جاری کرے۔ نعمان بن بشیر یا تو کمزور ہیں یا کمزوری دکھا رہے ہیں۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۸۲)

اس خط کے پہنچتے ہی یزید سخت غضب ناک ہوا اور اس نے اپنے خاص مشیروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ فوراً کسی سخت ترین آدمی کو کوفہ کا گورنر بنایا جائے جو کسی کا لحاظ و پرواہ نہ کرے اور وہ شخص عبیداللہ ابن زیاد ہے۔ چنانچہ یزید نے حضرت نعمان بن بشیر (گورنر کوفہ) کو معزول کردیا۔ اور ان کی جگہ عبیداللہ ابن زیاد جو ان دنوں بصرہ کا گورنر تھا اسے کوفہ کا گورنر بنادیا۔ اور حکم دیا کہ وہ فوراً کوفہ پہنچ جائے۔ اور مسلم بن عقیل کو گرفتار کرکے ملک بدر کردے۔ اور اگر وہ اس میں مزاحمت کریں تو قتل کر دے۔ اور بیعت کرنے والوں کو ڈرائے دھمکائے کہ وہ باز آجائیں۔ ورنہ ان کو بھی ختم کردے اور حسین آئیں تو ان سے بھی میری بیعت طلب کرے اگر وہ بیعت کرلیں تو بہتر ورنہ ان کو بھی قتل کردے۔

ابن زیاد کا کوفہ آنا

یزید کا حکم ملتے ہی عبیداللہ ابن زیاد نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور دوسرے دن مسلم بن عمر باہلی و شریک بن اعور حارثی اور تمام خدام اور اہل و عیال کو ساتھ لے بصرہ سے کوفہ روانہ ہوا۔ قادسیہ پہنچ کر اس نے اپنے سپاہیوں کو وہیں چھوڑا اور براہ فریب حجازی لباس پہن کر اونٹ پر سوار ہوا اور بیس آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر حجازی راستے سے مغرب و عشاء کے درمیانی وقت میں کوفہ میں داخل ہوا۔ اس مکرو فریب سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت کوفیوں میں بہت جوش ہے۔ یزید کے خلاف ایک لہر دوڑی ہے۔ اس لیے ایسے طور پر داخل ہونا چاہیے کہ لوگ یہ پہچان نہ پائیں کہ وہ ابن زیاد ہے بلکہ یہ سمجھیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تاکہ وہ بے خطر و اندیشہ امن وعافیت کے ساتھ کوفہ میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اہل کوفہ جن کو امام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کا شدت سے انتظار تھا انھوں نے شب کی تاریکی میں حجازی لباس اور حجازی راہ سے آتا دیکھ کر دھوکہ کھا گئے اور سمجھے کہ امام حسین تشریف لے آئے۔ سب نے نعرہ ہائے مسرت بلند کیا: اور مرحبا بک یا ابن رسول اللہ اور قدمت خیر مقدم کہتے ہوئے اس کے آگے پیچھے چلے شور سن کر اور لوگ بھی گھروں سے باہر آگئے اور ایک اچھے خاصے جلوس کی شکل بن گئی۔ ابن زیاد بد نہاد دل میں جلتا کڑھتا ہوا چپ چاپ چلتا رہا۔ اور اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ لوگ امام کے سخت منتظر ہیں۔ اور ان کے دل کس قدر ان کی طرف مائل ہیں۔ جب مجمع زیادہ ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ راستہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی تو مسلم بن عمرو باہلی جو ابن زیاد کے ساتھ آیا تھا اس نے پکار کر کہا راستہ چھوڑ دو۔ یہ امیر عبیداللہ ابن زیاد ہے۔ ان الفاظ کو سن کر لوگوں کو بے انتہا رنج و قلق ہوا اور لوگ افسوس کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے۔ اور ابن زیاد صرف دس یا بیس آدمیوں کے ساتھ گورنر ہاؤس میں داخل ہوا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۸۴)

ابن زیاد کا خطاب

عبیداللہ ابن زیاد نے رات گزار کر صبح لوگوں کو جمع کیا اور لوگوں کے سامنے یہ تقریر کی۔ امیرالمومنین یزید نے مجھے کوفہ کا گورنر مقرر کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں مظلوم کے ساتھ انصاف کروں اور مطیع و فرمانبردار کے ساتھ احسان کروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کروں۔ میں اس حکم کی سختی سے پابندی کروں گا۔ جو شخص مطیع و فرمانبردار ہے اس کے ساتھ شفقت سے پیش آؤں گا اور جو شخص نافرمان ہے اس کے لیے میرا چابک اور میری تلوار ہے تمہیں چاہیے کہ تم اپنی خیر مناؤ اور اپنے اوپر رحم کرو۔

اس تقریر کے بعد اس نے مشاہیر کوفہ کو گرفتار کیا اور ان سب سے کہا کہ تحریری ضمانت دو کہ تم اور تمہارے قبیلے کے لوگ کسی مخالف کو اپنے یہاں پناہ نہ دیں گے۔ اور نہ کسی قسم کی مخالفانہ سرگرمیوں میں حصہ لیں گے اور اگر کسی نے کسی مخالف کو پناہ دے رکھی ہے تو وہ اس کو پیش کرے گا۔ جو لکھ کر دے گا اس پر پابندی کرے گا وہ بری ہو جائے گا۔ اور جو ایسا نہ کرے گا اس کا مال و جان دونوں ہم پر حلال ہوں گے۔ ہم اس کو قتل کر کے اسی کے دروازے پر لٹکا دیں گے۔ اور اس کے تمام متعلقین کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ ابن زیاد کی اس کاروائی سے اہل کوفہ گھبرا گئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ اور ان کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی۔ حالات کے پیش نظر حضرت امام مسلم نے مختار بن عبید کے یہاں رہنا بھی مناسب نہ سمجھا اور رات کی تاریکی میں محب اہل بیت ہانی بن عروہ کے مکان پر منتقل ہوئے جو قبیلہ مذحج کے سردار تھے۔ ہانی نے ایک محفوظ کمرے میں آپ کو چھپا کے رکھا اور سواء چند مخصوص اور معتمد لوگوں کے دوسروں کو اس راز سے مطلع نہ کیا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۸۴)

حضرت امام مسلم کی تلاش اور ابن زیاد کا جاسوس

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ نے ہانی کے مکان پر قیام فرمایا تو آپ کے معتقدین

وہاں پر بھی خفیہ طور پر ملاقات کے لیے آتے جاتے تھے۔ اور بیعت کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ چالیس ہزار یا بیس ہزار افراد نے بیعت کر لی تھی۔ ادھر ابن زیاد کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ امام مسلم بن عقیل کوفہ ہی میں ہیں۔ اس نے ان کی قیام گاہ کا پتہ لگانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بالاخر اس نے اپنے شامی غلام معقل کو اس کام پر مامور کیا اور اس کو تین ہزار درہم دے کر سراغ لگانے کے تمام طریقے سمجھا دئے اور کہا کہ کسی بھی طرح مسلم بن عقیل کا سراغ لگاؤ۔

غلام سیدھا جامع مسجد پہنچا اتفاق سے اس وقت ایک محب اہل بیت مسلم بن عوسجہ اسدی مسجد کے گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ معقل دیر تک ان کو دیکھتا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو معقل ان کے پاس گیا اور کہا میں ایک شامی غلام ہوں اور محب اہل بیت ہوں میرے پاس تین ہزار درہم ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ خاندان رسالت کے ایک بزرگ کوفہ تشریف لائے ہیں اور لوگوں سے فرزند رسول امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت لیتے ہیں میں ان کی خدمت میں یہ رقم بطور نذرانہ عقیدت پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ اس کو کسی کار خیر میں صرف کریں۔ لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ بزرگ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مسلم بن عوسجہ نے کہا مسجد میں اور لوگ بھی تھے تم نے ان لوگوں سے یہ کیوں نہیں پوچھا مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟ غلام نے کہا آپ کے چہرے پر خیرو برکت کے آثار بتا رہے ہیں کہ آپ ضرور اہل بیت رسول کے دوستوں میں سے ہیں۔ اس لیے میں نے آپ سے پوچھا ہے خدارا آپ مجھے اس سعادت سے محروم نہ کریں اور ان کا پتہ ضرور بتا دیں۔ مسلم بن عوسجہ اسدی اس کے فریب میں آ گئے اور کہا تم نے صحیح پہچانا میں بھی اہل بیت کا محب ہوں اور میرا نام مسلم بن عوسجہ ہے پھر اس سے عہد و پیمان لے کر حضرت امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور اس کی عقیدت مندی کی خود بھی توثیق کر دی۔ اس نے حضرت امام مسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور تین ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کر دیا آپ نے یہ رقم ابو ثمامہ صائدی کو دے دی۔ بیعت کے بعد وہ غلام روزانہ آپ کی خدمت میں سب سے اول آتا اور سب کے بعد جاتا اور جو کچھ دیکھتا اور سنتا رات کے وقت اس کی پوری رپورٹ

ابن زیاد تک پہنچا دیتا۔

ہانی بن عروہ کوفہ میں ایک مقتدر شخصیت تھے۔ اور ابن زیاد کے ساتھ ان کے پہلے سے تعلقات اچھے تھے۔ حضرت امام مسلم کے آنے سے پہلے وہ روزانہ ابن زیاد کے پاس جایا کرتے تھے۔ لیکن جس دن سے حضرت مسلم ان کے یہاں آئے تھے اس دن سے ہانی بن عروہ نے بیماری کا بہانہ کر کے ابن زیاد کے پاس آنا جانا بند کر دیا۔ ادھر ابن زیاد کو تمام حالات معلوم ہو چکے تھے۔ اور اپنے غلام معقل کی بات پر مکمل یقین ہو گیا تو ایک دن اس نے محمد بن اشعث اور اسماء بن خارجہ اور عمرو بن حجاج زبیدی کو حکم دیا کہ وہ اسی وقت جا کر ہانی بن عروہ کو میرے پاس لے آئیں چنانچہ وہ گئے اور ہانی بن عروہ کو ابن زیاد کے حکم کی اطلاع دی۔ ہانی مکان کے اندر گئے اور حضرت مسلم سے بات چیت کی اور تیار ہو کر باہر آ گئے اور ان کے ساتھ چلے گئے۔ دارالامارت کے اندر پہنچ کر ابن زیاد کو سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر کھڑے رہے اس کے بعد ابن زیاد نے بڑے غصے میں کہا ہانی تم امیرالمومنین یزید کے خلاف اپنے گھر کو سازشوں کا اڈہ بنائے ہوئے ہو۔ اور مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں چھپا کر ان کی حفاظت کے لیے ہتھیار خریدتے ہو۔ اور لوگوں سے جنگ کرنے پر بیعت لیتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ ساری باتیں مجھ سے پوشیدہ رہیں گی۔ ہانی نے کہا یہ بالکل غلط ہے ابن زیاد نے اسی وقت اس جاسوس معقل کو طلب کیا وہ آ گیا تو کہا اس کو پہچانتے ہو؟ معقل کو دیکھ کر ہانی کے ہوش اڑ گئے اب وہ سمجھے کہ یہ ظالم عقیدت و محبت کے پردے میں دشمنی اور جاسوسی کر رہا تھا۔ اس عینی شاہد کے ہوتے ہوئے انکار کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے اقرار کر کے صاف بیان کر دیا کہ خدا کی قسم! میں نے مسلم کو بلایا نہیں اور نہ انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ میں تمہارے گھر آ رہا ہوں۔ اچانک جب وہ میرے دروازے پر آ گئے تو میں انکار نہیں کر سکا۔ اس طرح میں نے انہیں مہمان بنا لیا۔ اور خاندان رسالت کا ایک فرد ہونے کے ناطے ان کو اپنے گھر میں پناہ دے دی۔ اب میں آپ سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ میں انہیں اپنے گھر سے نکال دوں گا۔ آپ مجھے اتنی مہلت دے دیجئے کہ میں جا کر ان سے کہہ آؤں کہ آپ میرے گھر سے نکل کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ تاکہ میں آپ کو

پناہ دینے کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاؤں۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم! جب تک تم انہیں میرے حوالے کرنے کا عہد و پیمان نہیں کرتے میں تمہیں اس جگہ سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہانی نے کہا خدا کی قسم! میں اپنے مہمان کو قتل کرنے کے لیے تمہارے حوالے کر دوں ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا ابن زیاد نے کہا تمہیں حوالے کرنا ہو گا۔ ہانی نے کہا خدا کی قسم میں مسلم کو تمہارے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ بات اور بڑھتی تو ابن زیاد نے کہا تم انہیں سپرد نہیں کرو گے تو ہم تمہارا سر قلم کر دیں گے۔ ہانی نے کہا اگر ایسا ہوا تو تمہارے اردگرد تلواریں چمکیں گی۔ یہ سن کر ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا اور کہا اچھا تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔ پھر ابن زیادہ نے ہانی کے سر اور منہ پر ڈنڈے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی ناک پھٹ گئی ابرو کی ہڈی ٹوٹ گئی اور سارا کپڑا خون میں لت پت ہو گیا۔ ہانی نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک سپاہی کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالا مگر اس نے زور سے چھڑا لیا ابن زیاد نے کہا اب تو تو نے اپنا خون بھی ہمارے لیے مباح کر دیا ہے پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے کھینچ کر لے جاؤ اور ایک کمرے میں بند کر کے پہرہ بٹھا دو۔ اسماء بن خارجہ اٹھے اور ابن زیاد سے کہا او دغاباز! ان کو چھوڑ دے تو نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم انہیں تیرے پاس لائیں۔ جب ہم لے آئے تو تو نے ان کا منہ توڑ دیا اور ان کا خون بہایا اور ان کے قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔ ابن زیاد نے کہا اس کو بھی پکڑو اور مارو۔ چنانچہ سپاہیوں نے ان کو بھی بہت مارا پیٹا اور قید کر دیا محمد بن اشعث نے کہا ہم تو امیر کی رائے پر راضی ہیں امیر جو کچھ بھی کرے ہم اس پر راضی اور خوش ہیں۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۹۱)

شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس افواہ کو سن کر عمرو ابن الحجاج کئی ہزار سپاہیوں کو لے کر انتقام انتقام کا نعرہ لگاتے ہوئے آئے اور گورنر ہاؤس کو گھیر لیا اور پکار کر کہا میں عمر بن الحجاج ہوں اور میرے ساتھ قبیلہ مذحج کے ہزاروں شہسوار ہیں۔ ہم نے کبھی اطاعت سے انحراف نہیں کیا اور نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے پھر بھی ہمارے سردار کو قتل کر دیا گیا ہے ہم اس کا انتقام لیے بغیر نہ رہیں گے پھر سارے مجمع نے انتقام انتقام کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔

ابن زیاد اس نازک صورت حال کو دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اس نے قاضی شریح سے کہا آپ پہلے ہانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے پھر اس کے قبیلے والوں سے کہئے کہ ہانی زندہ ہیں ان کے قتل کی افواہ غلط ہے۔

قاضی شریح ہانی کو دیکھنے گئے ہانی اپنے قبیلے کے لوگوں کا شور و ہنگامہ سن رہے تھے انہوں نے قاضی صاحب کو دیکھ کر کہا یہ آواز میرے قبیلہ کے لوگوں کی ہے آپ ان سے میرا حال بتا کر صرف اتنا کہہ دیں کہ اگر دس آدمی بھی اس وقت اندر آجائیں تو میں یقیناً چھوٹ جاؤں گا۔ جب قاضی صاحب باہر نکلے تو ابن زیاد نے اپنے ایک مشیر اور جاسوس حمید بن بکر احمری کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس لیے مجبوراً قاضی صاحب نے ہانی کا پورا حال ان کے قبیلہ والوں کو نہیں بتایا بلکہ صرف اتنا کہہ دیا کہ وہ زندہ ہیں اور ان کے قتل کی جو خبر تمہیں پہنچی ہے وہ غلط ہے۔ قاضی صاحب کی شہادت سن کر ان لوگوں نے کہا اگر وہ قتل نہیں کیے گئے تو خدا کا شکر ہے اور سب منتشر ہو گئے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۹۲)

گورنر ہاؤس کا گھیراؤ

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ ہانی بن عروہ کی گرفتاری اور ان پر حملہ کی خبر سن کر بر آمد ہوئے اور اپنے متوسلین کی ندا کی جوق در جوق آدمی آنے شروع ہوئے اور چالیس ہزار کی جمیعت نے آپ کے ساتھ قصر شاہی کا احاطہ کر لیا۔ صورت بن آئی تھی حملہ کرنے کی دیر تھی اگر حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ حملہ کرنے کا حکم دیتے تو اسی وقت قلعہ فتح ہو جاتا اور ابن زیاد اور اس کے ہمراہی حضرت مسلم کے ہاتھ گرفتار ہوتے اور پھر یہی لشکر سیلاب کی طرح اٹھ کر شامیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالتا اور یزید کی جان بچانے کے لیے کوئی راہ نہ ملتی نقشہ تو یہی جما تھا مگر کار بدست کارکنان تدرست بندوں کا سوچا کیا ہوتا ہے۔ حضرت مسلم نے قلعہ کا احاطہ کر لیا اور باوجودیکہ کوفیوں کو بد عہدی اور ابن زیاد کی فریب کاری اور یزید کی عداوت پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی۔ پھر بھی آپ نے اپنے لشکر کو حملہ کرنے کا حکم نہ دیا اور ایک بادشاہ داد گستر کے نائب کی حیثیت

سے آپ نے انتظار فرمایا کہ پہلے گفتگو سے قطع حجت کرلیا جائے اور صلح کی صورت پیدا ہو سکے۔ تو مسلمانوں میں خونریزی نہ ہونے دی جائے۔ آپ اپنے اس پاک ارادہ سے انتظار میں رہے اور اپنی احتیاط کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ دشمن نے اس وقفہ کا فائدہ اٹھایا اور کوفہ کے رؤسا و عمائدین جن کو ابن زیاد نے پہلے سے قلعہ میں بند کر رکھا تھا انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور زیر اثر لوگوں کو مجبور کر کے حضرت مسلم کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔ یہ لوگ ابن زیاد کے ہاتھ میں قید تھے اور جانتے تھے کہ اگر ابن زیاد کو شکست بھی ہوئی تو وہ قلعہ فتح ہونے تک ان کا خاتمہ کر دے گا۔ اس خوف سے وہ گھبرا اٹھے اور انہوں نے دیوار قلعہ پر چڑھ کر اپنے متعلقین و متوسلین سے گفتگو کی اور انہیں حضرت مسلم کی رفاقت چھوڑ دینے پر انتہا درجہ کا زور دیا اور بتایا کہ علاوہ اس بات کے کہ حکومت تمہاری دشمن ہو جائے گی یزید ناپاک طینت تمہارے بچہ بچہ کو قتل کر ڈالے گا۔ تمہارے مال لٹوا دے گا تمہاری جاگیریں اور مکان ضبط ہو جائیں گے۔ یہ اور مصیبت ہے کہ اگر تم امام مسلم کے ساتھ رہے تو ہم جو ابن زیاد کے ہاتھ میں قلعہ میں قید ہیں قلعہ کے اندر مارے جائیں گے اپنے انجام پر نظر ڈالو ہمارے حال پر رحم کرو اور اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔

یہ حیلہ کامیاب ہوا اور امام مسلم کا لشکر منتشر ہونے لگا یہاں تک کہ تابوقت شام حضرت مسلم نے مسجد کوفہ میں جس وقت مغرب کی نماز شروع کی تو آپ کے ساتھ پانچ سو آدمی تھے۔ اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک بھی نہ تھا تمناؤں کے اظہار اور التجاؤں کے طومار سے جس عزیز مہمان کو بلایا تھا اس کے ساتھ یہ وفا ہے کہ وہ تنہا ہیں اور ان کی رفاقت کے لیے کوئی ایک بھی موجود نہیں کوفہ والوں نے حضرت مسلم چھوڑنے سے پہلے غیرت و حمیت سے قطع تعلق کیا اور انہیں ذرا پرواہ نہ ہوئی کہ قیامت تک تمام عالم میں ان کی بے ہمتی کا شہرہ رہے گا۔ اور اس بزدلانہ بے مروتی اور نامردی سے وہ رسوائے عالم ہوں گے حضرت مسلم اس غربت و مسافرت میں تنہا رہ گئے کدھر جائیں کہاں قیام کریں حیرت ہے کہ کوفہ کے تمام مہمان خانوں کے دروازے مقفل تھے جہاں ایسے محترم مہمان کو مدعو کرنے کے لیے رسل و رسائل کا

تانتا باندھ دیا گیا تھا۔ معصوم بچے ساتھ ہیں کہاں انہیں لٹائیں کہاں سلائیں کوفہ کے وسیع خطہ میں چار گز زمین حضرت مسلم کے شب گزارنے کے لیے نظر نہیں آتی تھی۔ اس وقت حضرت مسلم کو امام حسین کی یاد آتی ہے اور دل تڑپا دیتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ میں نے امام کی جناب میں خط لکھا تشریف آوری کی التجا کی ہے اور اس بد عہد قوم کے اخلاص و عقیدت کا ایک دلکش نقشہ امام عالی مقام کے حضور پیش کیا ہے اور تشریف آوری پر زور دیا ہے یقیناً حضرت امام میری التجا رد نہ فرمائیں گے اور یہاں کے حالات سے مطمئن ہو کر مع اہل و عیال کے چل پڑے ہوں گے یہاں انہیں کیا مصائب پہنچیں گے اور چمن زہرا کے جنتی پھولوں کو اس بے مہری کی تپش کیسی گزند پہنچائے گی۔ یہ غم الگ دل کو گھائل کر رہا تھا۔ اور اپنی تحریر پر شرمندگی و انفعال اور حضرت امام کے لیے خطرات علیحدہ پریشان کر رہے تھے۔ اور موجودہ پریشانی جدا دامن گیر تھی۔

(سوانح کربلا ص ۸۵)

حضرت مسلم ان تصورات میں گھرے انتہائی پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھرنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کہاں جائیں۔ پھرتے پھرتے وہ قبیلہ کندہ کی ایک عورت طوعہ کے مکان پر پہنچے وہ اشعث بن قیس کی لونڈی تھی جسے اشعث نے آزاد کر دیا تھا۔ آزادی کے بعد ایک شخص اسید نامی حضرمی نے اس سے نکاح کر لیا جس سے ایک لڑکا بلال پیدا ہوا اس وقت بلال کہیں باہر گیا ہوا تھا اور طوعہ اس کا انتظار کر رہی تھی حضرت امام مسلم نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور پانی مانگا اس نے پانی لا کر دیا آپ نے پانی پیا وہ برتن رکھ کر پھر باہر آئی تو دیکھا کہ آپ وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا آپ تو پانی پی چکے ہیں اب اپنے گھر جایئے آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اس نے تین بار یہی کہا پھر بھی آپ خاموش رہے تو اس نے کہا آپ کا رات کے وقت میرے دروازے پر بیٹھنا مناسب نہیں ہے میں کہتی ہوں آپ اپنے گھر جایئے تو پھر آپ نے فرمایا اے نیک بخت! میرا اس شہر میں کوئی گھر نہیں ہے میں ایک مسافر ہوں اور سخت مصیبت میں مبتلا ہوں ایسے میں کیا تم میرے ساتھ کوئی نیکی کر سکتی ہو؟ شاید میں کسی وقت میں اس کا بدلہ دے سکوں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم تمہیں اس کا اجر دیں گے عورت نے حیران ہو کر پوچھا آپ کون ہیں؟ اور کس قسم کی نیکی چاہتے ہیں؟ فرمایا میں مسلم بن عقیل ہوں کوفہ والوں نے میرے ساتھ غداری کی ہے مجھے دھوکہ دیا ہے مجھ سے مدد کا وعدہ کیا تھا اور اب سب نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس نے کہا مسلم آپ ہی ہیں فرمایا: ہاں میں ہی مسلم بن عقیل ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ اس خدا ترس عورت نے فوراً آپ کو مکان کے اندر لے لیا اور اپنے خاص کمرے میں آپ کے لیے فرش بچھا دیا آپ اس پر بیٹھ گئے اس نے کھانا پیش کیا مگر آپ نے کھایا نہیں اور اس کو دعائیں دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا لڑکا آیا جب اس نے ماں کو بار بار اس کمرہ خاص میں آتے جاتے دیکھا تو سبب دریافت کیا طوعہ نے پہلے تو چھپانے کی کوشش کی لیکن جب بیٹے نے بہت اصرار کیا تو رازداری کا عہد و پیمان لے کر بتا دیا یہ سن کر وہ بالکل خاموش ہو گیا اور رات گزرنے کا شدت سے انتظار کرنے لگا صاحب تاریخ طبری اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ لڑکا شرابی اور آوارہ قسم کا تھا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۹۶)

ادھر ابن زیاد کو معلوم ہو گیا کہ تمام اہل کوفہ مسلم کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور اب کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہے تو اس نے اعلان عام کر دیا کہ جس نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دی اس کے لیے امان نہیں۔ اور جو ان کو گرفتار کر کے لائے گا یا گرفتار کرائے گا اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد اس نے رئیس الشرط (آئی جی پولیس) حصین بن نمیر کو حکم دیا کہ شہر کی ناکہ بندی کر کے گلی کوچوں میں آدمی مقرر کر دو اور گھر گھر کی تلاشی لو۔ خبردار یہ شخص (مسلم) کسی راستے اور کسی طریقے سے بھی جانے نہ پائے۔ اگر یہ شخص نکل گیا اور تم اس کو گرفتار کر کے میرے پاس نہ لائے تو تمہاری خیر نہیں۔ ابن زیاد کا یہ اعلان جب طوعہ کے لڑکے بلال ابن اسید نے سنا تو اس کو خیال آیا کہ اگر اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو پھر اس کی خیر نہیں۔ اس نے یہ راز افشا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ صبح ہوتے ہی وہ گھر سے نکلا اور عبدالرحمٰن بن اشعث کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ مسلم بن عقیل میرے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ عبدالرحمٰن کا باپ محمد بن اشعث اس وقت ابن زیاد کے پاس گیا ہوا تھا۔ وہ فوراً اس کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں فوج کا ایک دستہ امام مسلم کی گرفتاری کے لیے روانہ کر دیا۔ حضرت مسلم نے جب گھوڑوں کی ٹاپ اور لوگوں کی آوازیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ابن زیاد کی فوج میری گرفتاری کے لیے آگئی۔ آپ نے تلوار سنبھالی اور فوراً کمرے سے نکل پڑے اتنے میں فوج اندر گھس گئی آپ نے نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ ان سب کا مقابلہ کیا اور ان سب کو گھر سے باہر نکال دیا۔ سپاہیوں نے دوبارہ پھر گھس کر آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے بڑی بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اتنے میں بکیر بن حمران احمری نے آپ کے چہرہ مبارک پر ایسا وار مارا کہ اوپر اور نیچے کا ہونٹ کٹ گیا۔ اور سامنے کے دو (۲) دانت بھی شہید ہو گئے حضرت مسلم نے اس کے سر پر تلوار ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا دوسرا وار اس کے کندھے پر ایسا کیا کہ آپ کی تلوار اس کے سینے تک اتر گئی جب لوگوں نے آپ کی شجاعت و بہادری کا عالم دیکھا تو آپ کی خونخوار ضرب حیدری سے بچنے کے لیے باہر بھاگ گئے اور مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے آپ پر سنگباری کرنے لگے اور بانس کی جلتی ہوئی لکڑیاں مکان کی چھت پر پھینکنے لگے۔ حضرت مسلم نے جب یہ بزدلانہ طریقہ جنگ دیکھا تو تلوار کھینچتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے اور ان لوگوں سے مردانہ وار لڑنے لگے محمد بن اشعث نے جب آپ کی شجاعت اور اپنے ساتھیوں کی بزدلی اور کمزوری دیکھی تو پر فریب چال چلی اور آگے بڑھ کر کہنے لگا آپ کیوں جان گنواتے ہیں؟ میں آپ کو امان دیتا ہوں اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیں۔ مگر آپ برابر شمشیر چلاتے رہے اور رجز پڑھتے رہے جس کا آخری مصرعہ یہ تھا اخاف ان اکذاب اواغرا۔ یعنی مجھے اس بات کا اندیشہ کہ مجھ سے جھوٹ بولیں گے یا مجھے دھوکہ دیں گے محمد بن اشعث نے کہا نہیں آپ سے جھوٹ نہیں بولا جا رہا ہے اور نہ آپ کو دھوکہ دیا جائے گا۔

حضرت امام مسلم زخموں سے چور ہو چکے تھے اسی لئے مکان کی ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے ابن اشعث آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ کے لیے امان ہے آپ نے فرمایا میرے لیے امان ہے؟ کہا ہاں امان ہے اور سب لوگوں نے بھی پکار کر کہا آپ کے لیے امان ہے صرف عمر بن عبیداللہ سلمی الگ ہو گیا اور بولا مجھے اس معاملے

میں کوئی دخل نہیں۔

حضرت مسلم نے کہا اگر مجھے تم لوگ امان نہ دیتے تو میں کبھی اپنے آپ کو تمہارے حوالے نہیں کرتا اتنے میں ایک خچر لایا گیا آپ کو اس پر سوار کرایا گیا۔ جب آپ خچر پر سوار ہو گئے تو سپاہیوں نے چاروں طرف سے یورش کر کے آپ کی تلوار آپ کے ہاتھ سے چھین لی یہ دیکھ کر آپ کو یقین ہو گیا کہ مجھ سے دھوکہ کیا گیا ہے اور آپ نے اپنی زندگی سے مایوس ہوتے ہوئے فرمایا: یہ پہلی غداری ہے ابن اشعث نے کہا مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا بس امید ہی امید ہے اور امان جو تم نے دی تھی وہ کیا ہوئی؟ پھر انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کہا اور رونے لگے عمرو بن عبید اللہ سلمیٰ نے امان سے اتفاق نہیں کیا تھا وہ بولا جس کام کے لیے تمہیں مقرر کیا گیا تھا اگر کسی دوسرے کو اسی کام پر مقرر کیا جاتا اور اس پر وہی مصیبت پڑتی جو تم پر پڑی ہے تو وہ کبھی نہ روتا آپ نے فرمایا میں اپنی جان کے لیے نہیں رو رہا ہوں بلکہ نواسہ رسول حضرت امام حسین اور ان کی اولاد کے لیے رو رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے محمد اشعث سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد تم اپنی دی ہوئی امان کو پورا کرنے میں عاجز ہو جاؤ گے بہرحال ہمارے ساتھ اتنا سلوک کرو کہ کسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس میرے حالات اور پیغام بھیج دو کہ اہل کوفہ نے میرے ساتھ غداری و دھوکہ کیا ہے یہ وہی اہل کوفہ ہیں جن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آپ کے والد ماجد ہمیشہ کوشش کرتے رہے اور آرزو کرتے رہے اور کہہ دینا کہ اہل کوفہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اس لئے اپنے اہل و عیال کو لے کر وطن لوٹ جائیں ابن اشعث نے کہا خدا کی قسم! میں ضرور ایسا کروں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے وعدے کے مطابق ایاس بن عثل طائی جو ایک شاعر تھا اور اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا بلا بھیجا اور ایک خط میں وہ تمام باتیں لکھ کر جو حضرت مسلم نے کہی تھیں حوالے کرتے ہوئے کہا کہ یہ خط حضرت امام حسین کو جس قدر ممکن ہو پہنچا دو۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۹۸ تا ۲۰۰)

اس کے بعد ابن اشعث حضرت مسلم کو لئے ہوئے قصر امارت (گورنر ہاؤس) کے پاس پہنچا۔ آپ کو دروازے کے پاس چھوڑ کر خود اندر گیا اور ابن زیاد سے سارا حال

بیان کیا اور کہا میں نے ان کو امان دی ہے ابن زیاد نے کہا تم کون ہوتے ہو امان دینے والے؟ میں نے تمہیں صرف گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا امان دینے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ ابن اشعث یہ سن کر خاموش ہوگیا۔

حضرت مسلم جب گورنر ہاؤس کے دروازے پر پہنچے تو وہاں بہت سے لوگ اندر جانے کی اجازت کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک گھڑا پانی سے بھرا ہوا دروازے کے قریب رکھا ہوا تھا۔ حضرت مسلم بہت پیاسے تھے فرمایا مجھے تھوڑا سا ٹھنڈا پانی پلادو مسلم بن عمرالباہلی خبیث نے کہا دیکھتے ہی رہو کیسا ٹھنڈا پانی ہے مگر خدا کی قسم! تمہیں اس میں سے ایک بوند بھی نہیں ملے گا اب تو تمہاری قسمت میں جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہی ہے۔ (معاذاللہ) آپ نے فرمایا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں وہ ہوں جس نے حق کو پہچانا جبکہ تم نے اسے ترک کر دیا میں مسلم بن عمرو باہلی ہوں آپ نے فرمایا خدا کرے تیری ماں تجھے روئے تو کیسا ظالم اور سنگدل ہے اے باہلہ کے بچے! تو زیادہ نار جحیم اور ماء حمیم کا مستحق ہے۔

عمارہ بن عقبہ کو آپ کی حالت پر ترس آیا اس نے اپنے غلام قیس کو بھیجا وہ ٹھنڈے پانی کی ایک مٹکی اور کٹورا لایا کٹورا بھر کر آپ کو دیا جوں ہی آپ نے اس کو منہ لگایا اس میں آپ کے منہ سے خون گرا او وہ خون پانی میں گر کر پانی بھی خون بن گیا غلام نے دوسری بار کٹورا بھر کر دیا وہ بھی خون سے بھر گیا تیسری مرتبہ پھر دیا تو سامنے کے دو دانت مبارک ٹوٹ کر کٹورے میں گر گئے آپ نے فرمایا: الحمدللہ! اب میری قسمت میں دنیا کا پانی نہیں ہے۔ اس کے بعد اسی حالت میں جبکہ آپ کے منہ اور کپڑے خون سے لت پت تھے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ آپ نے دستور کے مطابق ابن زیاد کو سلام نہیں کیا ایک سپاہی نے کہا تم امیر کو سلام نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا اگر امیر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کو میرا سلام نہیں اور اور اگر قتل کا ارادہ نہیں تو پھر اس پر بہت سے سلام ہوں ابن زیاد نے کہا بے شک میں تمہیں ضرور قتل کروں گا آپ نے فرمایا واقعی؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا اچھا مجھے اتنا موقع دو کہ میں اپنی قوم کے شخص کو کچھ وصیت کر لوں کہا ہاں کرلو۔ حضرت مسلم نے درباریوں میں نظر دوڑائی تو ان میں ابن سعد نظر آیا

آپ نے اس سے فرمایا: تم قریش خاندان کے ہو اور تم میں اور مجھ میں قرابت داری بھی ہے اس لئے میں تم سے کچھ راز کی باتیں کہنا چاہتا ہوں اسے تنہائی میں سن لو حکومت کا چاپلوس ابن سعد حضرت مسلم کی بات سننے کو تیار نہ ہوا۔ تو ابن زیاد نے کہا سننے میں کیا حرج ہے جاؤ اور اس کی بات سنو۔ چنانچہ وہ اٹھا اور حضرت امام مسلم اسے لے کر محل کے ایک گوشے میں چلے گئے جہاں سے ابن زیاد انہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت مسلم نے ابن سعد سے فرمایا پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے کوفہ میں فلاں شخص سے سات سو درہم قرض لیا ہے تم میری تلوار اور زرہ بیچ کر یہ قرض ادا کر دینا دوسری بات یہ ہے کہ قتل کے بعد میری لاش کو دفن کر دینا تیسری بات یہ ہے کہ امام حسین کے پاس کسی کو بھیج کر میرے پورے حالات کی اطلاع کر دینا تاکہ وہ واپس چلے جائیں۔

حضرت امام مسلم نے یہ باتیں ابن سعد سے رازدارانہ طور پر فرمائی تھیں لیکن اس بدبخت نے یہ ساری باتیں ابن زیاد سے کہہ دیں پھر ان وصیتوں کے بارے میں ابن زیاد سے پوچھا ابن زیاد نے کہا جو وصیت قرض کے بارے میں اس میں تمہیں اختیار ہے جیسا چاہو کرو اور حسین کے متعلق یہ ہے کہ اگر وہ یہاں نہیں آئیں گے تو ہم بھی ان کا پیچھا نہیں کریں گے اور اگر وہ یہاں آئے تو پھر ہم انہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور لاش کے بارے میں ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے جس شخص نے ہماری اس قدر مخالفت کی ہو اس کی لاش کسی رعایت کی مستحق نہیں۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۰۱) (شام کربلا ص ۵۰) (الحسین عربی ص ۸۶)

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ اور ابن زیاد بد نہاد

ابن سعد کو وصیت کے متعلق جواب دینے کے بعد ابن زیاد نے حضرت مسلم سے کہا اے ابن عقیل! لوگ آپس میں متحد و متفق تھے تم نے آ کر لوگوں میں تفرقہ اور اختلاف پیدا کر دیا اور ان کو ہماری مخالفت پر برانگیختہ کیا۔ آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں

ہے میں اس لیے نہیں آیا تھا۔ بلکہ کوفہ کے لوگوں نے ہمیں خطوط لکھے اور ہمیں بتایا کہ تمہارے باپ نے ان کے بزرگوں اور نیک لوگوں کو قتل کیا اور خوں ریزی کی اور اسلام کا طریقہ چھوڑ کر ان پر قیصرو کسریٰ کی طرح حکومت کی۔ اس لیے ان لوگوں نے ہمیں بلایا اور ہم یہاں آئے لوگوں میں عدل وانصاف قائم کریں اور لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی دعوت دیں۔ ابن زیاد یہ سن کر غضب ناک ہوگیا۔ اس نے کہا او بدکار! تو اور تیرا یہ دعویٰ جب تو مدینہ میں شراب پیا کرتا تھا اس وقت تجھے عدل وانصاف اور تعلیمات قرآن وسنت کا خیال نہ آیا۔ آپ نے فرمایا میں شراب پیتا تھا؟ واللہ خدا خوب جانتا ہے کہ تو جھوٹا ہے اور تو خود بھی جانتا ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اور ناپاک اتہام لگا رہا ہے۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہوں۔ شراب تو وہ پئے گا جو بے گناہ مسلمان کا خون پیا کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جس کا قتل حرام کیا ہے اسے قتل کرتا ہے جس نے کوئی خون نہیں کیا اس کا خون بہاتا ہے۔ بغض و حسد اور بدگمانی کی وجہ سے خوں ریزی کرتا ہے پھر اس طرح بھول جاتا ہے جیسے کچھ کیا ہی نہیں۔

ابن زیاد نے کہا خدا مجھے مارے اگر میں تجھے اس طرح قتل نہ کروں کہ آج تک اسلام میں اس طرح کوئی قتل نہ ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا بے شک اسلام میں جو ظلم آج تک نہیں ہوا اس کے ایجاد کرنے کا تو ہی سزاوار ہے۔ بری طرح قتل کرنا اور بری طرح مثلہ کرنا تیرا ہی حصہ ہے اور دنیا بھر میں تجھ سے بڑھ کر اس کا کوئی مستحق نہیں۔

ان باتوں کو سن کر ظالم ابن زیاد جھلا اٹھا اور بے قابو ہو کر حضرت مسلم کے والد حضرت عقیل اور حضرت علی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے لگا تو آپ بالکل خاموش ہو گئے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۰۳)

حضرت مسلم کی شہادت

اس کے بعد ظالم ابن زیاد نے جلادوں کو حکم دیا کہ ان کو محل کی چھت پر لے جاؤ اور بری طرح قتل کرنے کے بعد سر کو دھڑ کے ساتھ نیچے گرا دو تاکہ ہڈیاں چکنا چور ہو

جائیں۔ آپ نے ابن اشعث کی طرف دیکھ کر فرمایا تو نے مجھے امان نہ دی ہوتی تو واللہ میں اس طرح اپنے آپ کو حوالے نہ کرتا۔ اب مجھ کو بچانے کے لیے اٹھ اور بری الذمہ ہو۔ مگر وہ خاموش رہا۔ پھر ابن زیاد نے بکیر بن حمران اسدی کو بلایا جب وہ آیا تو ابن زیاد نے اسے حکم دیا کہ کوٹھے پر لے جاکر اس کا سر قلم کردو۔

جب حضرت مسلم کو کوٹھے پر لے کر چلے تو آپ انتہائی صبرو سکون کے ساتھ تکبیر واستغفار اور درود شریف پڑھ رہے تھے اور ساتھ میں یہ بھی پڑھ رہے تھے کہ خداوند! ہمارے اور اس قوم کے درمیان تو خود ہی فیصلہ فرما جس نے ہمیں دھوکہ دیا اور جس نے ہمیں جھٹلایا اور ہمیں ذلیل کیا۔ اس کے بعد جلاد نے آپ کو محل کی چھت پر شہید کر دیا۔ اور سر مبارک کو جسم کے ساتھ نیچے پھینک دیا[1] آپ کی شہادت[2] ۳ ذی الحجہ کو ہوئی۔ نامور فاضل عمر ابوالنصر نے اپنی عربی کتاب الحسین کے ص ۸۹ پر حضرت مسلم کی شہادت کی تاریخ ۹ ذی الحجہ ۶۰ ھ بمطابق ۱۰ ستمبر ۶۸۰ء بروز بدھ تحریر کی ہے۔

[1] تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۰۴   ([2] سوانح کربلا ص ۸۹)

ہانی کی شہادت

حضرت مسلم کی شہادت کے بعد ابن اشعث کو ہانی ابن عروہ کی فکر لگی جسے ابن زیاد نے اپنے محل میں قید کر رکھا تھا۔ اس نے ابن زیاد سے کہا آپ کو معلوم ہے کہ ہانی کس رتبہ کا انسان ہے اور کوفہ میں اس کا اور اس کے خاندان کا کتنا اثر ہے۔ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں ہی اسے آپ کے پاس لایا تھا۔ اس لئے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ ہانی کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں ورنہ میری خیر نہیں ہوگی۔

ابن زیاد نے ابن اشعث کو یقین دلایا کہ کسی قسم کی کوئی تکلیف ہانی کو نہیں دی جائے گی۔ لیکن وہ بدکار اپنے وعدے پر قائم نہ رہا۔ اور بعد میں حکم دیا کہ ہانی کو بازار میں لے جاکر قتل کرو۔ جب سپاہی ہانی کی مشکیں باندھ کر بازار کی طرف چلے تو ہانی پکار پکار کر کہتے تھے کہاں ہیں میرے قبیلہ بنی مذحج کے لوگ، کہاں ہیں میرے گھر والے لیکن ایک آدمی بھی نظر نہیں آیا جو ہانی کی مدد کرتا جب انہیں ہر طرف سے مایوسی ہوگئی تو اپنے

قوت بازو کا سہارا لیتے ہوئے اپنا ہاتھ رسی سے کھینچ لیا اور کہا ارے کوئی لاٹھی نہیں، کوئی چھڑی نہیں، کوئی پتھر نہیں، ارے کیا اونٹ کی کوئی ہڈی بھی نہیں کہ میں اسی کو لے کر اپنی جان بچا سکوں۔

سپاہیوں نے پھر ہانی کو رسی سے باندھ دیا۔ اور رشید نامی ایک ترکی غلام نے آپ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۰۵)

ابن زیاد نے مسلم و ہانی کے سروں کو ہانی بن حیہ الوداعی اور زبیر بن الارواح تمیمی کے ہاتھ واقعہ کی مختصر رپورٹ کے ساتھ یزید کے پاس روانہ کر دیا۔ ان دونوں نے زبانی تمام حالات سے یزید کو مطلع کیا۔ یزید نے جواباً اس کارنامہ پر بڑی شاباشی دی۔ اور ایک خط لکھا کہ تم نے وہی کیا جس کی ہمیں تم سے امید تھی۔ اب خود حسین ابن علی کے بارے میں تمہاری کارگزاری دیکھنا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۰۶)

فرزندان حضرت مسلم کی شہادت

آج خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے مقدس خون سے کوفے کی سرزمین سرخ ہو گئی تھی۔ نبی کے خیر مقدم کے لیے آنکھوں کا فرش بچھانے والے اس کی تڑپتی لاش کے سامنے کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اچانک رات کے سناٹے میں ابن زیاد کا ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ مسلم کے دونوں بچے جو ان کے ہمراہ آئے تھے کوفہ ہی میں کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے ہر خاص و عام کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ جو بھی انہیں اپنے گھر میں پناہ دے گا اسے عبرتناک سزا دی جائے گی اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے دونوں یتیم بچے جن میں ایک کا نام محمد تھا اور ان کی عمر آٹھ (۸) سال کی تھی اور دوسرے کا نام ابراہیم تھا اور ان کی عمر چھ (۶) سال کی تھی۔ کوفہ کے عاشق رسول قاضی شریح کے گھر میں پناہ گزین تھے۔ ابن زیاد کی جانب سے یہ اعلان سن کر قاضی صاحب کا کلیجہ ہل گیا۔ حضرت مسلم کے جگر گوشوں کا دردناک

انجام نگاہوں کے سامنے ناچنے لگا۔ دیر تک اسی فکر میں رہے کہ کس طرح انہیں ظالموں کے خونی ہاتھوں سے بچایا جائے۔ کافی غور و خوض کے بعد صورت سمجھ میں آئی کہ راتوں رات بچوں کو کوفہ کے باہر منتقل کر دیا جائے۔ اضطراب کی حالت میں اپنے بیٹے اسد کو آواز دی اور بیٹے سے فرمایا۔ نہایت احتیاط کے ساتھ کسی محفوظ راستے سے بچوں کو شہر پناہ کے باہر پہنچا دو۔ آج رات باب العراقین سے مدینہ کی طرف ایک قافلہ جانے والا ہے انہیں کسی طرح ان کے ساتھ لگا دو تاکید کر دو کہ بچوں کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے۔

زادراہ مکمل ہو جانے کے بعد رخصت کرنے کے لیے دونوں بچوں کو پاس بلایا جونہی ان پر نظر پڑی فرط غم سے آنکھیں بھیگ گئیں ضبط کا پیمانہ چھلک اٹھا منہ سے ایک چیخ نکلی اور بیتاب ہو کر دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا پیشانی چومی، سر پر ہاتھ رکھا اور سکتے کی حالت میں دیر تک دم بخود رہے۔

باپ کی شہادت کی خبر سے بچے ابھی تک بے خبر رکھے گئے تھے نہ انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ اب خود ان کی ننھی گردنیں بھی خون آشام تلواروں کی زد پہ ہیں۔ قاضی شریح کی اس کیفیت پر بچے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے بڑے بھائی نے حیرانی کے عالم میں دریافت کیا ہمیں دیکھ کر گریہ بے اختیار کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اچانک اتنی رات کو پاس بلا کر ہمارے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھنا بے سبب نہیں ہے۔ اس طرح پھوٹ پڑنے والی ہمدردی تو ہمارے خاندان میں یتیموں سے کی جاتی ہے۔ تیر و نشتر کی طرح دل میں آرپار ہو جانے والا یہ جملہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فضا میں ایک چیخ بلند ہوئی۔ اور قاضی شریح نے برستی ہوئی آنکھوں کے ساتھ گلوگیر آواز میں بچوں کو جواب دیا گلشن رسول کے مہکتے غنچو! کلیجہ منہ کو آ رہا ہے زبان میں تاب گویائی نہیں ہے کس طرح خبر دوں کہ تمہارے ناز کا چمن اجڑ گیا اور تمہاری امیدوں کا آشیانہ دن دہاڑے لوٹ لیا۔ ہائے! تم پردیس میں یتیم ہو گئے تمہارے باپ کو کوفیوں نے شہید کر ڈالا اور اب تمہاری جان بھی خطرے میں ہے۔ آج شام ہی سے خون کے پیاسے تمہاری تلاش میں ہیں۔ یہ خبر سن کر دونوں بچے ہیبت و خوف سے کانپنے لگے ننھا

سا کلیجہ سہم گیا۔ منہ سے ایک چیخ نکلی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ ہوش آیا تو قاضی شریح نے بچوں سے فرمایا کہ رات کا سناٹا ہے تم دونوں اسی وقت ہمارے بیٹے کے ہمراہ کوفے سے باہر نکل جاؤ اور جو قافلہ مدینے کی طرف جا رہا ہے اس میں شامل ہو جاؤ۔ اور جب مدینے پہنچنا تو اپنے نانا جان کی بارگاہ میں ہماری طرف سے درود و سلام کا نذرانہ پیش کر دینا۔ اچھا جاؤ خدا تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

قاضی شریح کا بیٹا اسد جب ان بچوں کو لے کر باب العراقین پہنچا تو معلوم ہوا کہ قافلہ تھوڑی دیر پہلے چلا گیا۔ وہ بچوں کو لے کر اس راہ پر تیزی سے چلا۔ کچھ دور چلا اور قافلہ کی گرد نظر آئی تو بچوں کو گرد دکھا کر کہا دیکھو وہ قافلہ کی گرد نظر آ رہی ہے تم لوگ جلدی سے جا کر اس میں مل جاؤ میں واپس جاتا ہوں۔

اسد واپس آ گیا اور بچے تیزی کے ساتھ چلنے لگے مگر تھوڑی دیر بعد گرد غائب ہو گئی اور انہیں قافلہ نہ ملا۔ ننھے بچے عالم تنہائی میں انتہائی پریشانی کا شکار ہو کر آپس میں گلے مل کر رونے لگے اور نازوں سے پالنے والے ماں باپ کا نام لے کر جان کو کھونے لگے۔

ابن زیاد کا اعلان سن کر مال و زر کی ہوس رکھنے والے سپاہی بچوں کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے بچوں کو پالیا اور پکڑ کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان بچوں کو اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک میں ان کے متعلق یزید سے نہ پوچھ لوں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

جیل کا داروغہ مشکور نامی ایک محب اہل بیت تھا۔ اسے بچوں کی بے کسی پر بہت ترس آیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ بچوں کی جان کسی بھی قیمت پر بچانی ہے چاہے پھر اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ چنانچہ اس نے رات کے اندھیرے میں بچوں کو جیل سے نکالا۔ اپنے گھر لا کر کھانا کھلایا اور شہر کے باہر قادسیہ کی راہ پر اپنی انگوٹھی بطور نشانی دی اور کہا کہ یہ سیدھا راستہ قادسیہ کو جاتا ہے اس راہ پر چلے جاؤ۔ جب قادسیہ پہنچ جانا تو کوتوال سے ملنا ہماری انگوٹھی دکھلانا اور سارے حالات بتانا وہ ہمارا بھائی ہے تم لوگوں کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔

مصیبت کے مارے دونوں بھائی چل پڑے۔ لیکن قضاء و قدر کے احکام نافذ ہو چکے تھے اور انہیں بھی اس ننھی سی عمر میں شہادت سے سرفراز ہونا تھا۔ اس لیے وہ راستہ بھول گئے رات بھر چلتے رہے اور صبح ہوئی تو گھوم پھر کر اسی جگہ پہنچے کہ جہاں کوفہ کے باہر قادسیہ کے راستے پر چلے تھے ننھا سا کلیجہ خوف سے دہل گیا کہ پھر نہ کوئی پکڑ کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دے۔ قریب ہی ایک کھوکھلا درخت نظر آیا وہیں ایک چشمہ بھی بہتا نظر آیا۔ دونوں بچے درخت کی آڑ میں آکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک لونڈی پانی بھرنے آئی۔ اور جب ان بچوں کو اس طرح چھپے ہوئے بیٹھے دیکھا تو قریب آئی۔ اور ان کا حسن و جمال اور شان شہزادگی دیکھ کر کہا شہزادو! تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے چھپے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہم یتیم و بے کس اور ستم رسیدہ و راہ بھٹکے ہوئے مسافر ہیں لونڈی نے کہا میں گمان کرتی ہوں کہ تم دونوں حضرت مسلم بن عقیل کے فرزند ہو۔ باپ کا نام سنتے ہی وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے لونڈی نے کہا صاجزادو غم نہ کرو میں اس خاتون کی کنیز ہوں جو اہل بیت نبوت کے ساتھ سچی عقیدت و محبت رکھتی ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں۔ دونوں صاجزادے اس کے ساتھ ہو لئے۔ لونڈی نے ان کو اپنی مالکہ کے سامنے پیش کیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اس خاتون کو صاجزادوں کی تشریف آوری پر بے انتہا مسرت ہوئی۔ اسی خوشی میں اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اور صاجزادوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئی اور انہیں ہر طرح تسلی و تشفی دی کہ فکر نہ کرو۔ اور لونڈی سے کہا کہ ان صاجزادوں کی تشریف آوری کا راز پوشیدہ رکھنا اور میرے شوہر حارث کو نہ بتانا۔

ادھر ابن زیاد کو جب معلوم ہوا کہ داروغہ جیل مشکور نے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے تو اس نے مشکور کو بلا کر پوچھا کہ تو نے مسلم کے بچوں کا کیا کیا؟ مشکور نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کو رہا کر دیا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تو مجھ سے نہ ڈرا مشکور نے کہا جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ ابن زیاد نے کہا تجھے ان بچوں کو رہا کرنے میں کیا ملا؟ مشکور نے کہا او ستم نابکار! ان بچوں کے پدر بزرگوار کو شہید کرنے میں تجھے تو کچھ نہ ملے گا مگر مجھے ان بچوں کو ہوا پنچے

جگر پر یتیمی کا داغ لئے ہوئے قید و بند کی صعوبتیں اٹھا رہے تھے رہا کرنے میں امید قوی ہے کہ میدان حشر میں حضور سید کونین مالک جنت صلی اللہ علیہ وسلم میری شفاعت فرمائیں گے اور تو حضرت مسلم کے شہید کرنے کے عوض اس نعمت سے محروم رہے گا۔

ابن زیاد اس جواب پر بہت غضب ناک ہوا اور کہا میں ابھی تجھے اس کی سزا دیتا ہوں۔ مشکور نے کہا میری ہزاروں جانیں ان پر فدا ہیں۔ ابن زیاد نے جلاد سے کہا اسے لکڑی کے ستونوں پر کھینچ کر پہلے پانچ سو کوڑے لگاؤ اور پھر اس کا سر تن سے جدا کر دو۔ جلاد نے جب کوڑے مارنے شروع کیے تو پہلے کوڑے پر مشکور نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ دوسرے کوڑے پر کہا الٰہی مجھے صبر عطا فرما۔ تیسرے کوڑے پر کہا خدایا مجھے معاف فرما چوتھے کوڑے پر کہا الٰہی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کی محبت میں اپنی جان قربان کر رہا ہوں۔ پانچویں کوڑے پر کہا الٰہی مجھے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے پاس پہنچا دے۔ پھر خاموش ہو گئے اور جلاد نے اپنا کام تمام کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (روضۃ الشہداء ج ۲ ص ۱۱۴)

ادھر وہ نیک خاتون دن بھر دل و جان سے بچوں کی خدمت میں دلجوئی میں لگی رہی کہ پھر رات میں کھانا کھلا کر ان کو ایک الگ کمرے میں سلا کر واپس آئی تھی کہ اس کا شوہر حارث ہانپتا کانپتا اور تھکا ماندہ آیا۔ خاتون نے پوچھا آج دن بھر آپ کہاں رہے؟ حارث نے کہا داروغہ جیل مشکور نے مسلم بن عقیل کے بچوں کو رہا کر دیا ہے اور امیر عبیداللہ ابن زیاد نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص ان کو پکڑ کر لائے گا یا ان کی خبر دے گا اس کو بہت سا مال اور انعام و اکرام دیا جائے گا۔ میں ان ہی بچوں کی تلاش میں دن بھر پریشان رہا اور اتنی زیادہ بھاگ دوڑ کی کہ میرا گھوڑا مر گیا اور مجھے پیدل ان کی تلاش میں چلنا پڑا اس لئے تھکاوٹ سے چور چور ہو گیا۔ عورت نے کہا اے بندہ خدا! اللہ سے ڈرو اور اہل بیت اطہار کے بارے میں اس طرح کا خیال دل سے نکال دو۔ ابن زیاد آل رسول کا خون ناحق بہا کر اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے اور لوگوں کو بھی لالچ دے کر اس کام پر مامور کر دیا ہے۔ دنیا کی آسائش چند روزہ ہے۔ انعام کی لالچ میں جہنم کا ہولناک عذاب مت خریدیے۔ ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ کل میدان حشر میں رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم کیا منہ دکھائیں گے۔ حارث کا دل پوری طرح سیاہ ہو چکا تھا۔ بیوی کی باتوں کا کوئی اثر اس کے دل پر نہیں ہوا۔ جھنجلاتے ہوئے جواب دیا نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عاقبت کا نفع و نقصان میں خود سمجھتا ہوں۔ میرا ارادہ اٹل ہے اور اپنی جگہ سے مجھے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ سنگدل شوہر کی نیت بد معلوم ہونے کے بعد منٹ منٹ پر دل دھڑک رہا تھا کہ مبادا ظالم کو کہیں بچوں کی بھنک نہ لگ جائے۔ اس لیے جلد ہی کھلا پلا کر سلا دیا۔ اور جب وہ سو گیا تو دبے پاؤں اٹھی اور بچوں کی کوٹھڑی میں تالا ڈال دیا۔ فکر سے آنکھوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ رہ رہ کر دل میں ہوک اٹھتی تھی ہائے اللہ! حرم نبوت کے راج دلاروں کو کچھ ہو گیا تو حشر کے میدان میں سیدہ کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ ہائے افسوس! اس گھر کو معصوم بچے اپنا ہی گھر سمجھ رہے ہوں گے کہیں یہ راز فاش ہو گیا تو ان کے ننھے دل پر کیا گزرے گی وہ مجھے اپنے تئیں کیا سمجھیں گے۔ لیکن میرے دل کا حال تو اللہ اور اس کے رسول سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو جیتے جی لاڈلوں پر کوئی آفت نہیں آنے دوں گی۔

آدھی رات کے بعد دونوں بچوں نے ایک نہایت دردناک اور ہیجان انگیز خواب دیکھا چشمہ کوثر کی سفید موجوں سے نور کی کرن پھوٹ رہی ہے۔ باغ فردوس کی شاہراہوں پر چاندی کا غلاف بچھا دیا گیا ہے۔ قریب ہی کچھ فاصلے پر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم مولائے کائنات حضرت مولا علی مشکل کشا بنت رسول سیدہ فاطمۃ الزہرا اور شہید مظلوم حضرت امام مسلم رضوان اللہ علیہم جلوہ افروز ہیں۔ دونوں بچوں پر نظر پڑتے ہی سرکار نے امام مسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

مسلم! تم خود تو آگئے ہو اور جور و ستم کا نشانہ بننے کے لیے ہمارے جگر پاروں کو اشقیاء کے ہاتھوں چھوڑ آئے۔ حضرت مسلم نے نیچی نگاہ کئے جواب دیا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں حضور! بہت قریب آ چکے ہیں بس دو چار قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ خدا نے چاہا تو وہ کل سورج طلوع ہوتے ہی دامن رحمت میں پہنچ جائیں گے۔ یہ خواب دیکھ کر دونوں بھائی چونک پڑے بڑے نے چھوٹے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ اب سونے کا وقت نہیں ہے۔ ہماری زندگی کا آخری وقت آ چکا ہے بھیا اٹھو! ابا جان نے خبر دی ہے کہ اب

ہم چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔ حوض کوثر نانا حضور ہمارے انتظار میں کھڑے ہیں۔

چھوٹے بھائی نے ڈبڈباتی آنکھوں سے جواب دیا۔ بھائی جان! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ کیا سچ مچ ہم دونوں قتل کردئے جائیں گے۔ ہائے! ایک دوسرے کو ذبح ہوتے ہم کیسے دیکھ سکیں گے بھیا؟

یہ کہہ کر دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال کر لپٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ہوا نے یہ آواز حارث کے کانوں تک پہنچادی۔ متحیر ہو کر اٹھا اور بیوی کو جگا کر پوچھنے لگا۔ یہ بچوں کے رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ صورت حال کی نزاکت سے بیوی کا کلیجہ سوکھ گیا۔ اس نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔ سو جایئے کہیں پڑوس کے بچے رو رہے ہوں گے۔ سنگدل نے تیور بدل کر کہا پڑوس سے نہیں، ہمارے گھر سے یہ آواز آ رہی ہے۔ ہو نہ ہو یہ وہی مسلم کے بچے ہیں جن کی تلاش میں کئی دن سے سرگرداں ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اٹھا اور اس کوٹھڑی کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔ تالا توڑ کر دروازہ کھولا۔ اندر جاکر دیکھا تو دونوں بچے روتے روتے بے حال ہوگئے تھے۔ کرخت لہجے میں دریافت کیا تم کون ہو؟ اچانک اس اجنبی آواز پر بچے سہم گئے۔ لیکن چونکہ اس گھر کو دارالامان سمجھے ہوئے تھے اس لئے صاف کہہ دیا کہ ہم مسلم بن عقیل کے یتیم بچے ہیں۔ ظالم یہ سنتے ہی غصے سے بے قابو ہوگیا اور کہا۔ میں سارا دن ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہوگیا اور تم لوگوں نے ہمارے ہی گھر میں عیش کا بستر لگایا ہے۔ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور نہایت بے رحمی کے ساتھ ان ننھے یتیموں کے رخساروں پر طمانچے برسانا شروع کردیا۔ شدت کرب سے دونوں بھائی بلبلا اٹھے۔ بے تحاشہ بیوی دوڑتی ہوئی آئی اور یہ کہتی ہوئی درمیان میں حائل ہوگئی ارے ظالم! یہ کیا کر رہا ہے۔ یہ فاطمہ کے راج دلارے ہیں۔ ان کی چاند جیسی صورتوں پر ترس کھا۔ ہاتھ روک لے ستمگر! جنت کے پھولوں کا سہاگ مت لوٹ چمنستان قدس کی نازک کلیوں کو زخمی مت کر۔ پھر ماتا کی جھونک میں اٹھی اور اس کے قدموں پر اپنا سر پٹکنے لگی اور کہا لے میرا سر کچل کر اپنے ہوس کی آگ بجھالے لیکن فاطمہ کے جگرپاروں کو بخش دے۔ غصے میں چور سنگدل ظالم شوہر نے اسے اتنے زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ پتھر کے ایک

ستون سے ٹکرا کر لہولہان ہو گئی۔

ظالم جب بچوں کو مارتے مارتے تھک گیا تو دونوں بھائیوں کی مشکیں کس دیں اور زلفوں کو کھینچ کر آپس میں ایک دوسرے سے باندھ دیا۔ اس کے بعد یہ کہتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکل آیا کہ جس قدر تڑپنا ہے صبح تک تڑپ لو۔ دن نکلتے ہی میری چمکدار تلوار تمہیں ہمیشہ کے لیے چین کی نیند سلا دے گی۔

صبح ہوتے ہی ظالم نے تلوار اٹھائی! زہر میں بجھا ہوا خنجر سنبھالا اور خونخوار درندے کی طرح کوٹھڑی کی طرف بڑھا۔ نیک بخت بیوی نے دوڑ کر پیچھے سے اس کی کمر تھام لی۔ حارث نے اس زور کا جھٹکا دیا کہ اس کا سر ایک دیوار سے ٹکرا گیا اور وہ آہ کر کے زمین پر گر پڑی۔ بیوی کو زخمی کرنے کے بعد جب وہ کوٹھڑی میں داخل ہوا تو ہاتھ میں ننگی تلوار اور چمکتا ہوا خنجر دیکھ کر دونوں بچے کانپ اٹھے۔ بدبخت نے آگے بڑھ کر دونوں بھائیوں کی زلفیں پکڑیں اور نہایت بے دردی کے ساتھ گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ تکلیف سے دونوں بھائی تلملا اٹھے لیکن ظالم حارث کو ترس نہ آیا۔ سامان کی طرح ایک خچر پر لاد کر دریائے فرات کی طرف چل پڑا۔ اور جب اس کے کنارے پر پہنچا تو انہیں خچر سے اتارا۔ مشکیں کھولیں اور سامنے کھڑا کیا پھر میان سے تلوار نکالا ہی تھا کہ اتنے میں اس کی بیوی ہانپتی کانپتی آئی اور آتے ہی اس نے اپنے شوہر کو پکڑ لیا اور خوشامد کرتے ہوئے بولی۔ خدا کے لیے اب بھی مان جاؤ۔ اور اہل بیت رسالت کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین نہ کرو۔ حارث پر شیطان پوری طرح سوار تھا۔ ظالم نے بیوی پر ایسا وار کیا کہ وہ زخمی ہو کر گری اور تڑپنے لگی۔ لونڈی سامنے آئی تو وہ بھی اس کے تیغ ستم سے گھائل ہوئی۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر بچے سہم گئے۔ اب سیہ بخت جلاد اپنی خون آلود تلوار لے کر بچوں کی طرف بڑھا۔ چھوٹے بھائی پر وار کرنا چاہتا تھا کہ بڑا بھائی چیخ پڑا۔ خدارا پہلے مجھے ذبح کر۔ جان سے زیادہ عزیز بھائی کی تڑپتی ہوئی لاش میں نہیں دیکھ سکوں گا۔ چھوٹے بھائی نے سر جھکاتے ہوئے خوشامد کی بڑے بھائی کے قتل کا منظر مجھ سے ہرگز نہ دیکھا جا سکے گا۔ خدارا پہلے میرا سر قلم کرو۔ ظالم حارث کی تلوار چمکی۔ دو ننھی چیخیں بلند ہوئیں اور یتیم بچوں کے کٹے ہوئے سر خون میں تڑپنے لگے۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون۔ (نقش وفا ص ۳۰ شام کربلا ص ۵۴)

سلام تم پر اے محمد و ابراھیم!
اے امام مسلم کے راج دلارو

تمہارے مقدس خون کی سرخی سے آج تک گلشن اسلام کی بہاروں کا سہاگ قائم ہے خدائے رب قدیر تمہاری تربتوں پر شام و سحر رحمت و نور کی بارش برسائے۔

قاتل حارث کا انجام

ظالم حارث نے جب پسران مسلم کو شہید کر دیا تو ان کی لاشوں کو دریائے فرات میں پھینک دیا اور سروں کو ایک بڑے تھیلے میں رکھ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ اس نے پوچھا اس تھیلے میں کیا ہے؟ حارث نے کہا انعام و اکرام کی امید میں آپ کے دشمنوں کا سر کاٹ کر لایا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا میرے دشمن کون ہیں جاؤ اور ان سروں کو صاف کر کے طشت میں رکھ کر میرے سامنے پیش کرو۔ حارث نے کہا مسلم بن عقیل کے فرزند ہیں۔ ابن زیاد اتنا سنتے ہی غضب ناک ہو گیا اور کہا تجھ کو قتل کرنے کا حکم کس نے دیا تھا۔ کم بخت میں نے یزید کو لکھا ہے کہ اگر حکم ہو تو میں انہیں آپ کے پاس زندہ روانہ کر دوں۔ اگر یزید نے زندہ بھیجنے کا حکم دیا تو پھر میں کیا کروں گا۔ تو میرے پاس ان کو زندہ کیوں نہیں لایا؟ حارث نے کہا مجھے اندیشہ تھا کہ اہل شہر حملہ کر کے مجھ سے چھین لیں گے۔ ابن زیاد نے کہا اگر تجھے چھین لینے کا ڈر تھا تو کسی محفوظ جگہ پر ان کو ٹھہرا کر مجھے اطلاع کر دیتا میں خود منگوا لیتا تو نے میرے حکم کے بغیر ان کو قتل کیوں کیا؟ پھر ابن زیاد نے مجمع پر نگاہ ڈالی اور ایک شخص جس کا نام مقاتل تھا جو خاندان اہل نبوت کا دل و جان سے محب تھا اس لئے اس کو بلا کر کہا اس شخص کو فرات کے کنارے لے جا اور جہاں اس نے ان دونوں بچوں کو شہید کیا تھا وہیں اسے قتل کر دے۔ اور ان بچوں کا سر بھی ساتھ میں لیتا جا اور وہیں ڈال دے جہاں اس نے ان کے جسموں کو ڈالا تھا۔ مقاتل نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اگر عبید اللہ ابن زیاد مجھے تمام

بادشاہی دے دیتا تو بھی مجھے اتنی خوشی حاصل نہ ہوتی جتنی اس مردود کو قتل کر کے ہوگی۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر ننگے سر کوفہ کے بازاروں میں پھراتے ہوئے نہر فرات کے پاس لے چلو۔ دریائے فرات کے پاس جب مقاتل اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہنچے تو دیکھا کہ ایک لونڈی شہید پڑی ہوئی ہے اور ایک عورت زخمی حالت میں کراہ رہی ہے۔ مقاتل کے پوچھنے پر خاتون نے بتایا کہ میں اس بدبخت روسیاہ کی بیوی ہوں اور یہ اس کی لونڈی ہے۔ حارث نے مقاتل سے کہا میں تجھ کو دس ہزار سرخ دینار دیتا ہوں تو مجھے چھوڑ دے میں کہیں بھی روپوش ہو جاؤں گا۔ مقاتل نے کہا اگر تمام دنیا تیرے قبضے میں ہو جائے اور تو وہ سب مجھ کو دے دے تو بھی میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا۔ تو نے جب ان نونہالوں پر رحم نہیں کیا تو میں تجھ پر رحم نہیں کر سکتا اور تجھے اس بری طرح قتل کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ثواب کی امید لے کر جاؤں گا۔ پھر مقاتل گھوڑے سے اترا اور جب اس نے امام مسلم کے صاحبزادوں کا خون دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون جاری ہوگیا اس نے روتے ہوئے شہزادوں کا خون اپنے چہرے پر ملا اور حق تعالیٰ سے اس مبارک خون کے طفیل اپنی مغفرت کی دعا مانگی پھر ان سروں کو فرات کے حوالے کر دیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مقاتل نے جیسے ہی ان شہزادوں کے سروں کو فرات میں ڈالا ان شہزادوں کے جسم پانی کے اوپر آگئے اور ہر ایک کا سر مبارک اپنے جسم کے ساتھ جڑ گیا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے کی گردن میں بانہیں حمائل کر دیں اور پانی کے بہاؤ پر بہنے لگے۔ روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر ان دونوں کو پانی سے نکال کر نہر فرات کے کنارے مدفون کر دیا گیا۔

مروی ہے کہ مقاتل نے غلاموں کو حکم دیا کہ سب سے پہلے حارث کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ پھر اس کے پاؤں کاٹے جائیں۔ پھر دونوں کان کاٹے جائیں۔ پھر اس کی آنکھیں نکال دیں۔ پھر اس کا پیٹ پھاڑ کر اس میں کٹے ہوئے اعضاء رکھو اور اس پر پتھر باندھ کر دریا میں ڈال دو۔ جیسے ہی اس ظالم کی لاش کو دریا میں ڈالا گیا اسی وقت دریا کی ایک موج ابھری اور اسے کنارے پر اچھال دیا۔ مقاتل کے غلاموں نے اسے تین بار دریا میں ڈالا مگر دریا نے اسے تینوں بار باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک گڑھا

کھودا اور اس میں اسے ڈال کر اوپر سے مٹی اور پتھر بھر دیئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ زمین لرزنے لگی اور اسے زمین سے باہر اگل دیا۔ اس کے بعد وہ لوگ جنگل سے لکڑیاں لائے اور اس میں اس خبیث ناری کو جلا دیا۔

بعد ازاں حارث کی لونڈی کو باب بنی خزیمہ میں مدفون کر دیا گیا۔ (روضۃ الشہداء ج ۲ ص ۱۲۴)

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ سے کوفہ روانگی

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کا خط آنے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفیوں کی درخواست قبول فرمانے میں کوئی وجہ تامل و جائز عذر باقی نہیں رہا تھا۔ ظاہری شکل تو یہ تھی اور حقیقت میں قضا و قدر کے فرمان نافذ ہو چکے تھے، شہادت کا وقت آ چکا تھا۔ اس لیے امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ نے کوفہ جانے کا عزم مصمم کر لیا اور اسباب سفر درست ہونے لگے۔

جب مکہ والوں کو آپ کی تیاری کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کا مکہ سے کوفہ جانا پسند نہ کیا کیونکہ وہ کوفہ والوں کی بے وفائی و غداری کو خوب جانتے تھے اور ان کو علم تھا کہ ان کوفیوں نے حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو سختی سے روکا۔ ان میں خاص طور سے جلیل القدر صحابہ حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو واقد قریشی و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ کوفہ ہرگز ہرگز نہ جائیں کہ وہاں کے لوگ درہم و دینار کے بندے ہیں۔ بد عہدی اور بے وفائی ان کا شعار ہے اور ان کا حاکم ان پر مسلط ہے تو آپ جان لیجئے کہ کوفہ والے آپ کو جنگ و جدال کے لیے بلا رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ

وہ لوگ آپ کو دھوکہ دیں گے، آپ کو جھٹلائیں گے اور آپ کو بے یارومددگار چھوڑ کر حکومت وقت سے مل کر آپ پر حملہ کر دیں گے اور یہی لوگ جو آپ کو دعوت دے رہے ہیں، آپ کے دشمن بن جائیں گے اور آپ کو شہید کر دیں گے۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا۔ میں خدا سے خیر کا طالب ہوں، دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۰۹)

حضرت عبداللہ بن زبیر جو پہلے ہی سے مکہ میں موجود تھے، آپ کے پاس آئے اور کہا آپ عراق جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ حدثنی ابی ان لمکۃ کبشا بہ یستحل حرمتھا فما احب ان اکون انا ذالک الکبش۔ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے کہ ایک مینڈھا مکہ معظمہ کی حرمت کو حلال کر دے گا تو میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۱۰، صواعق محرقہ ص ۶۵۲)

دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن زبیر نے آپ سے سفر عراق ملتوی کرنے کے لیے اصرار کیا اور کہا کہ آپ مسجد حرام میں رہیے، میں آپ کی نصرت کے لیے لوگوں کو جمع کر لوں گا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر ایک بالشت بھر میں اس مسجد کے باہر نکلوں تو قتل کیا جاؤں گا۔ تو واللہ! میں اسے اس بات سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ایک بالشت بھر مسجد کے اندر قتل کیا جاؤں۔ بخدا اگر میں حشرات الارض کے کسی سوراخ میں چھپوں گا تو لوگ مجھے وہاں سے بھی نکال لیں گے اور جو سلوک میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں کریں گے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۱۱)

غرضیکہ بڑے بڑے صحابہ کرام آپ کو سفر عراق سے روکنے کے لیے بہت اصرار کرتے رہے اور آخر تک یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ مکہ مکرمہ سے تشریف نہ لے جائیں مگر ان کی کوششیں بار آور نہ ہوئیں اور حضرت امام عالی مقام ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل بیت، موالی و خدام کل بیاسی نفوس کو ہمراہ لے کر مکہ شریف سے عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔

کربلا جانے والے اہل بیت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ شریف سے عراق کی جانب سفر کرنے والوں میں آپ کے تین صاحبزادے آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت علی اوسط جن کو امام زین العابدین کہتے ہیں، یہ حضرت شہربانو کے بطن سے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال تھی اور بیمار تھے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت علی اکبر تھے جو علی بنت ابی مرہ کے شکم سے تھے۔ ان کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ یہ کربلا میں شہید ہوئے۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت علی اصغر تھے۔ ان کی والدہ رباب بنت امری القیس قبیلہ بنی قضاعہ سے تھیں۔ آپ شیرخوار بچے تھے۔ آپ کی ایک بہن حضرت سکینہ بھی کربلا میں حضرت امام عالی مقام کے ہمراہ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ کربلا میں حضرت قاسم کے ساتھ کا ان کا نکاح ہونے کی جو روایت مشہور ہے، وہ غلط ہے۔ ان کا نکاح حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں آپ کے ساتھ تھیں۔ ایک شہربانو اور دوسری حضرت علی اصغر کی والدہ رباب بنت امری القیس۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے چار نوجوان فرزند حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت عمر اور حضرت ابوبکر۔ حضرت امام عالی مقام کے ہمراہ تھے اور کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کے پانچ فرزند حضرت عباس ابن علی، حضرت عثمان ابن علی، حضرت عبداللہ ابن علی، حضرت محمد ابن علی اور حضرت جعفر بن علی حضرت امام کے ہمراہ تھے اور سب کے سب نے کربلا میں شہادت پائی۔

حضرت عقیل کے فرزندوں میں حضرت امام مسلم تو حضرت امام حسین کے کربلا پہنچنے سے پہلے ہی کوفہ میں شہید ہو چکے تھے اور تین فرزند حضرت عبداللہ، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت جعفر حضرت امام کے ہمراہ تھے اور کربلا میں شہید ہوئے۔

حضرت جعفر طیار کے دو پوتے حضرت محمد اور حضرت عون حضرت امام کے ہمراہ

حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ ابن جعفر ہے۔ یہ دونوں حضرت امام کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت زینب حضرت امام کی حقیقی بہن ہیں۔
صاجزادگان اہل بیت میں سے کل سترہ حضرات حضرت امام عالی مقام کے ہمراہ حاضر ہو کر رتبہ شہادت کو پہنچے اور حضرت امام زین العابدین، حضرت عمر بن حسن، محمد بن عمر بن علی اور دوسرے کم عمر صاجزادے قیدی بنائے گئے۔

حضرت زینب حضرت امام کی حقیقی ہمشیرہ اور شہربانو حضرت امام کی زوجہ اور دوسرے اہلِ بیت حضرات کی بیبیاں ہمراہ تھیں۔ (سوانح کربلا ص۸۹)

اہل بیت و دیگر بہتر جاں نثاروں کا یہ قافلہ ۹۱ افراد پر مشتمل ہے جس میں ۱۹ اہل بیت کرام اور ۷۲ جاں نثار تھے، جن کے اسماء یہ ہیں:

(۱) زبیر بن حسان محمدی
(۲) سعد بن حنظلہ تمیمی
(۳) بریر بن حفیر ہمدانی
(۴) وہب بن عبداللہ کلبی
(۵) عمرو بن خالد صیداوی
(۶) خالد بن عمرو مکی
(۷) عبداللہ بن عمرو کلبی
(۸) عمرو بن عبداللہ صائدی
(۹) حماد بن انس محمدی
(۱۰) وقاص بن مالک احمدی
(۱۱) شریح بن عبید مکی
(۱۲) مسلم بن عوبجہ اسدی
(۱۳) بلال بن نافع بجلی
(۱۴) مرہ بن ابی مرہ غفاری
(۱۵) قیس بن مبتہ مدنی
(۱۶) ہاشم بن عتبہ مکی
(۱۷) بشیر بن عمرو حضرمی
(۱۸) نعیم بن عجلان انصاری
(۱۹) زہیر بن قیس بجلی
(۲۰) انس بن کاہد اسدی
(۲۱) حبیب بن مظاہر اسدی
(۲۲) قیس بن ربیعی انصاری
(۲۳) عبداللہ بن عروہ بن خراق غفاری
(۲۴) عبدالرحمٰن بن عروہ بن خراق غفاری
(۲۵) حرہ باصریر غلام آزاد ابوذر غفاری
(۲۶) شیث بن عبداللہ بہشتی
(۲۷) فاسط بن زہیر ثعلبی
(۲۸) کردوس بن زہیر تعلبی
(۲۹) کنانہ بن عتیق انصاری
(۳۰) ضرعامہ بن مالک انصاری

(۳۱) جویر بن مالک انصاری
(۳۲) عمر بن ضبیعہ ضبیعی
(۳۳) یزید بن مثبت قیسی
(۳۴) عبداللہ بن مثبت قیسی
(۳۵) عامر بن مسلم انصاری
(۳۶) عبیداللہ بن مثبت قیسی
(۳۷) تعنب بن عمرو نمری
(۳۸) سالم غلام آزاد عامر بن مسلم
(۳۹) سیف بن مالک انصاری
(۴۰) زہیر بن بشیر جعفی
(۴۱) بدر بن معقل جعفی
(۴۲) حجاج بن مسروق موذن لشکر شام
(۴۳) مسعود بن حجاج انصاری
(۴۴) مجمع بن عبداللہ عائذی
(۴۵) عمار بن حسان مدنی
(۴۶) حسان بن حارث سلیمانی اسدی
(۴۷) جندب بن حجر خولانی
(۴۸) یزید بن زیاد مظاہر کندی
(۴۹) طاہر غلام آزاد دین الحق خزاعی
(۵۰) جبلہ بن علی شیبانی
(۵۱) اسلم بن کثیر اعرج ازدی
(۵۲) زہیر بن سلیم ازدی
(۵۳) قاسم بن حبیب ازدی
(۵۴) عمرو بن جندب حضرمی
(۵۵) ابو ثمامہ انصاری
(۵۶) سلمان غلام آزاد جناب امام عالی مقام
(۵۷) قارب غلام آزاد جناب امام عالی مقام
(۵۸) عروہ غلام آزاد حر بن یزید ریاحی
(۵۹) مصعب برادر حر بن ریاحی
(۶۰) حر بن یزید ریاحی
(۶۱) علی بن حر بن یزید بن ریاحی
(۶۲) عمار بن ابی سلامہ انصاری
(۶۳) شوذب غلام آزاد شاکر انصاری
(۶۴) سعد بن عبداللہ الیقتی
(۶۵) شیب بن حارث انصاری
(۶۶) مالک بن سریع انصاری
(۶۷) محمد بن انس انصاری
(۶۸) مقداد انصاری
(۶۹) مجاہد بن مروق
(۷۰) حنظلہ بن اسد شیبانی
(۷۱) عبداللہ بن عبداللہ بن کثن ارجنی
(۷۲) عائس بن حبیب شاکری رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ شریف سے روانہ ہوئے۔ حاکم مکہ عمرو بن سعید کے سواروں نے روکنے کی کوشش کی لیکن آپ آگے بڑھ گئے۔ جب آپ مقام صفاح پہنچے تو فرزدق نامی شاعر ملا۔ آپ نے اس سے کوفہ والوں کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا۔ آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا ہے۔ اے امام عالی مقام! کوفہ والوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور قضاء الٰہی آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ خدا جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے سچ کہا لیکن ہر بات اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری خواہشوں کے مطابق کیا تو ہم اس کا شکر ادا کریں گے اور اگر قضائے الٰہی ہمارے مطلب کے خلاف ہوئی تو انسان کے لیے یہی کیا کم ہے کہ اس کی نیت میں خلوص اور اس کے دل میں پارسائی ہو۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۱۲)

فرزدق شاعر سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت امام عالی مقام آگے بڑھے تو آپ کے بھانجے حضرت عون و محمد رضی اللہ عنہما اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا خط لے کر آئے اور آپ کو راستہ میں مل کر خط پیش کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ:

”میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ میرا یہ خط ملتے ہی فوراً

واپس آجائیں کیونکہ آپ جہاں جارہے ہیں وہاں آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی کا مجھے اندیشہ ہے اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہو گئے تو اسلام کا نور بجھ جائے گا اور دنیا میں اندھیرا ہو جائے گا۔ آپ اہل ہدایت کے رہنما اور اہل ایمان کی امید ہیں۔ آپ روانگی میں جلدی نہ کریں، اس خط کے پیچھے پیچھے میں بھی آرہا ہوں۔ والسلام"

فرزندوں کے ہاتھ خط روانہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر نے حاکم مکہ عمرو بن سعید سے جاکر ملاقات کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے امان کا پروانہ اور ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کا وعدہ تحریری طور پر حاصل کیا اور حضرت امام عالی مقام کے مزید اطمینان کے لیے حاکم مکہ کے بھائی یحیٰی بن سعید کو ساتھ لے کر آپ کے پاس پہنچے۔ یحیٰی نے حاکم مکہ کا خط پیش کیا۔ آپ نے اسے پڑھا مگر واپس آنے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے کہا۔ آخر کیا بات ہے، آپ کوفہ جانے پر اس قدر بضد کیوں ہیں؟ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ نے مجھے اس خواب میں ایک حکم دیا ہے جس کو میں ضرور پورا کروں گا، خواہ وہ میرے مخالف ہو یا موافق۔ ان لوگوں نے کہا۔ وہ خواب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ وہ خواب نہ اب تک میں نے کسی سے بیان کیا ہے اور نہ بیان کروں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے جاملوں۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۱۳)

چھٹ جائے اگر دولت کونین • تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت امام عالی مقام نے حاکم مکہ کی تحریر کا جواب لکھ کر ان کے سپرد کیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر کچھ مجبوریوں کی وجہ سے حضرت امام حسین کے ساتھ نہ جاسکے لیکن اپنے دونوں صاحبزادوں عون و محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی اور خود واپس ہو گئے۔

ادھر ابن زیاد بدنہاد کو اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت امام حسین کوفہ کی جانب بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ اس نے پولیس کے حاکم اعلیٰ حصین بن نمیر تمیمی کو آپ کے روکنے پر مامور کیا۔ اس نے قادسیہ سے خفان، قطقطانہ اور جبل لعل تک سواروں کو

مقرر کر دیا کہ ایک تو وہ حضرت حسین کے قافلے کی نقل و حرکت کی خبریں دم بدم اسے دیتے رہیں، دوسرے اہل کوفہ اور حضرت امام حسین کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ قائم نہ رہے۔ اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ اس علاقے سے کوئی شخص باہر جا سکا اور نہ کوئی اندر آسکا۔ (الحسین عربی ص ۹۹)

حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت امام حسین نے مقام حاجر میں پہنچ کر اپنے ایک رفیق قیس بن مسہر صیداوی کو اپنی آمد کی اطلاعی تحریر دے کر کوفہ روانہ کیا لیکن اموی حکام نے پہلے سے راستوں کی ناکہ بندی کر لی تھی۔ اس لیے قیس جب قادسیہ کے قریب پہنچے تو گرفتار کر لیے گئے۔ حصین نے ان کو ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد نے ان کو یہ گستاخانہ حکم دیا کہ قصر امارت کی چھت پر چڑھ کر کذاب ابن کذاب حسین بن علی کو گالیاں دو۔ (معاذاللہ)

قیس اس حکم پر قصر امارت کے اوپر چڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا۔ لوگو! حسین بن علی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر، اس وقت خلق خدا میں سب سے بہترین شخص ہیں۔ میں انہیں کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں، وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں۔ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کے لیے آگے بڑھو اور ان کی آواز پر لبیک کہو۔ پھر حضرت قیس نے ابن زیاد اور اس کے باپ کو برا بھلا کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت کی۔

ابن زیاد آپ کی ان باتوں کو سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ اس کو بہت اونچی عمارت سے اس طرح نیچے گراؤ کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ چنانچہ ابن زیاد کے جلادوں نے حکم کی تعمیل کی اور ان کو نیچے گرا دیا گیا جس سے ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں اور وہ انتقال کر گئے۔ اس طرح حضرت امام کا یہ سچا محب اور قاصد آپ پر قربان ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۲۰)

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات

حضرت امام عالی مقام اپنے رفقاء کے ساتھ برابر آگے بڑھ رہے تھے کہ بطن رملہ سے آگے ایک چشمہ پر آپ کی ملاقات عبداللہ بن مطیع سے ہوئی۔ انہوں نے جب آپ کو دیکھا تو آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا۔ بابی و امی یا ابن رسول اللہ اے ابن رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا۔ کوفہ والوں نے ہمیں بلایا ہے کہ معالم حق زندہ کیا جائے اور ظلم و جور کو ختم کیا جائے۔ عبداللہ نے کہا۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ حرمت اسلام، حرمت رسول اور حرمت عرب کے واسطے کوفہ کا قصد ہرگز نہ کیجئے۔ آپ وہاں یقیناً شہید کر دیئے جائیں گے۔ حضرت امام حسین نے فرمایا: لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو خدائے تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کر دیا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۲۱)

زہیر بن قین کا جذبہ شہادت

عبداللہ بن مطیع سے ملاقات کے بعد حضرت امام حسین نے مقام زرود میں قیام فرمایا تو وہاں قریب ہی ایک خیمہ نظر آیا۔ پوچھا، کس کا خیمہ ہے؟ عرض کیا گیا۔ زہیر بن قین البجلی کا، وہ حج سے فارغ ہو کر کوفہ جا رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بلایا مگر انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر ان کی بیوی نے کہا۔ سبحان اللہ! فرزند رسول تم کو بلائیں اور تم ملنے سے انکار کرو۔ بیوی کی بات سنتے ہی وہ حضرت امام حسین کے پاس گئے اور بہت ہشاش بشاش ہو کر واپس آئے اور اپنا خیمہ اور کل سامان آپ کی طرف بھجوا دیا اور بیوی کو طلاق دے کر کہا۔ تم اپنے بھائی کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔ پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ تم میں سے جو لوگ شہادت کے طلب گار ہیں، وہ میرے ساتھ چلے آئیں اور جو جانا چاہے چلا جائے اور یہ سمجھ کر جائے کہ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ سب حیران ہو

گئے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ آپ نے کہا میں تم لوگوں سے بیان کرتا ہوں کہ ہم نے بلنجر میں جنگ کی تھی، خدائے تعالیٰ نے ہم کو فتح عطا فرمائی تھی اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا، جس سے ہم بہت خوش ہوئے تھے تو حضرت سلمان فارسی صحابی رسول نے ہم سے فرمایا۔ ایک وقت آئے گا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے جوانوں کے سردار (حضرت حسین) سے ملو گے اور ان کے ساتھ مل کر ان دشمنوں سے جنگ کرو گے تو اس فتح اور مال غنیمت سے زیادہ خوشی حاصل کرو گے۔ لہٰذا میں تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ پھر حضرت زہیر امام عالی مقام کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ کربلا میں آپ کے دشمنوں سے لڑ کر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۲۲)

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

شہادت حضرت امام مسلم کی خبر

حضرت امام حسین ابھی تک کوفہ کے حالات سے بے خبر تھے۔ جب آپ مقام ثعلبیہ میں پہنچے تو بکیر بن شعبہ اسدی کے ذریعے آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت امام مسلم اور ہانی بن عروہ دونوں شہید کر دیئے گئے ہیں اور ان کی لاشوں کے پاؤں پکڑ کر بازار میں گھسیٹا گیا۔ اس المناک خبر کو سن کر آپ نے بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

عبداللہ بن سلیم اور مذری جوج سے فارغ ہو کر مقام زرود میں حسینی قافلے سے آکر ملے تھے، انہوں نے حضرت امام عالی مقام سے کہا۔ ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہیں کہ آپ اپنی جان اور اپنے اہل بیت کا خیال کیجئے اور یہیں سے لوٹ جایئے اس لیے کہ اب کوفہ میں آپ کا نہ کوئی حامی ہے اور نہ مددگار۔ بلکہ ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ جو لوگ آپ کو بلانے والے ہیں، آپ کے کوفہ پہنچنے پر وہی آپ کے دشمن ہو جائیں گے اور آپ کے خلاف میدان میں نکل آئیں گے۔ یہ سن کر حضرت امام مسلم کے تینوں بھائی کھڑے ہوئے اور جوش میں آکر کہا۔ خدا کی قسم! جب تک ہم اپنے بھائی مسلم کے

خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے یا ان کی طرح خود شہید نہ ہو جائیں گے اس وقت تک لوٹ نہیں سکتے۔ حضرت امام حسین نے ان کی بات سن کر فرمایا۔ لاخیر فی العیش بعد ھولاء ان لوگوں کے بعد زندہ رہنے میں کوئی لطف نہیں۔ آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا۔ واللہ! آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں۔ کجا مسلم بن عقیل اور کجا آپ۔ جوں ہی آپ کوفہ پہنچیں گے وہاں کے سب لوگ آپ کی نصرت کے لیے دوڑ پڑیں گے، آپ خاموش رہے اور صبح کا انتظار فرمانے لگے۔ (طبری ج۵ ص ۲۲۳)

صبح ہونے کے بعد امام عالی مقام کا قافلہ یہاں سے آگے چلا۔ حضرت امام جن جن دیہات سے گزرتے تھے، لوگ جوق در جوق آپ کے ساتھ ہوتے جاتے تھے۔ جب آپ زبالہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر ملی۔

حضرت امام عالی مقام کو جب مسلسل یہ دل شکن خبریں ملیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے تقریر فرمائی کہ مسلم بن عقیل، ھانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کے دردناک قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے، لہٰذا تم میں سے جو شخص واپس جانا چاہے وہ بخوشی جا سکتا ہے، ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں۔

یہ تقریر سن کر وہ لوگ جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، وہ چھٹنے لگے اور صرف وہی جاں نثار باقی رہ گئے جو مدینہ طیبہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ (طبری ج۵ ص ۲۲۴)

محرم ۶۱ھ کے خونی سال کا آغاز اور حرؓ کی آمد

محرم ۶۱ھ مطابق اکتوبر ۶۸۱ء کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپ کوہ ذی حشم کے دامن میں پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ حر بن یزید تمیمی ایک ہزار لشکر کے ساتھ ابن زیاد اور یزید کی طرف سے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ذی حشم میں آ پہنچا، عین دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں حر کے گھوڑے اور سارے سپاہی بہت پیاسے ہو گئے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سب کو پانی پلوایا۔

حضرت امام حسین کی اس بلند ظرفی کا جو اثر مخالف سردار یعنی حر کے دل پر قائم ہوا اس کے ظاہر ہونے کا ابھی وقت نہ آیا تھا۔ لیکن کم از کم وہ ششدر رہ گیا ہو گا کہ اس احسان کے بعد اب اس بزرگ فطرت انسان سے کس طرح گفتگو کروں۔ امام نے بھی اپنے فطری استقلال و اطمینان کی وجہ سے اس وقت کچھ نہ پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور کیا مطلب ہے۔ حر کے سپاہیوں نے کچھ دیر آرام کیا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آیا۔ حضرت امام حسین نے حجاج بن مسروف جعفی کو اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد آپ لشکر حر کے سامنے تشریف لائے اور حمد و ثنا کے بعد حر اور اس کی فوج کو مخاطب ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! میں خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں اور تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ میں تمہاری طرف اس وقت تک نہیں آیا جب تک کہ تمہارے خطوط میرے پاس نہیں آ گئے کہ آپ ہماری طرف آیئے۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے شاید خدائے تعالیٰ آپ کے ذریعے ہم لوگوں کو ہدایت پر جمع فرما دے۔ اب اگر تم لوگ اپنی

بات پر قائم ہو تو میں آ ہی گیا ہوں اگر تم عہد و پیمان کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمہارے شہر چلوں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے موذن سے کہا۔ اقامت کہو اور حر سے پوچھا۔ میرے ساتھ نماز پڑھو گے یا الگ؟ آپ نماز پڑھایئے ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں طرف کے لوگوں نے حضرت امام کے پیچھے نماز پڑھی اس کے بعد آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حر اور اس کے لشکر کے سپاہی اپنے خیموں میں پہنچ گئے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۲۷)

جب نماز عصر کا وقت ہوا تو حضرت امام حسین نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ روانگی کی تیاری کرو پھر خیمہ سے باہر تشریف لا کر نماز کا اعلان فرمایا اور اسی صورت سے دونوں گروہوں نے آپ کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد پھر آپ نے مجمع کی طرف رخ کیا اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور حقدار کا حق پہچانو تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرو گے۔ یقیناً ہم اہل بیت امت اسلامیہ کی فرمانروائی کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو آج اس منصب کے غلط دعویدار ہیں اور مسلمانوں پر ستم ڈھاتے ہیں لیکن اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق کا اقرار نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اس کے خلاف ہو گئی ہے جو تمہارے خطوط اور تمہارے قاصدوں سے معلوم ہوئی تھی تو میں واپس چلا جاؤں گا۔

حر نے کہا۔ خدا کی قسم! ہمیں تو خبر بھی نہیں کہ وہ کس کے خطوط اور وہ کون قاصد ہیں جن کا حوالہ آپ دے رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا۔ لاؤ وہ تھیلے جن میں ان لوگوں کے خطوط بھرے ہوئے ہیں۔ عقبہ نے دو تھیلے خطوط سے بھرے ہوئے لا کر سامنے رکھے اور ان میں سے خطوط نکال کر پھیلا دیئے۔ حر نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں جنہوں نے آپ کو یہ خطوط لکھے ہیں۔ ہم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں بھی آپ مل جائیں ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں یہاں تک کہ ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ حضرت امام حسین نے فرمایا۔ تمہاری موت اس سے زیادہ قریب ہے پھر آپ

نے ساتھیوں کو سوار ہو کر لوٹنے کا حکم دیا۔ حر نے مزاحمت کی۔ آپ نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے، تو کیا چاہتا ہے۔ حر نے کہا۔ خدا کی قسم! اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا عرب یہ بات کہتا تو میں اس کی ماں کو بھی ایسی ہی بددعا دیتا لیکن خدا کی قسم میں آپ کی والدہ ماجدہ کا ذکر احسن طریقے سے ہی کروں گا۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا پھر آخر تم کیا چاہتے ہو۔ حر نے جواب دیا۔ میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہوگا۔ حر نے کہا پھر بخدا آپ کو چھوڑوں گا بھی نہیں۔ یوں ہی تین مرتبہ ردوبدل ہوئی۔

آخری میں حر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ کوفہ پہنچ جائیں۔ اب اگر آپ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو ایک ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ بس میرے اور آپ کے درمیان انصاف کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اس درمیان میں میں ابن زیاد کو خط لکھ کر اس کی رائے معلوم کر لیتا ہوں۔ حضرت امام کو حر کی یہ بات معقول معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ قادسیہ اور رغدیب کے راستے سے بائیں سمت مڑ کر چلنے لگے اور حر بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ (طبری ج ۵ ص ۲۲۸)

حضرت امام حسین کا بیضہ میں خطبہ

حضرت امام عالی مقام کا کارواں چلتا رہا اور مقام بیضہ میں پہنچ کر آپ نے اپنے اور حر کے ساتھیوں کے سامنے ایک پرجوش خطبہ دیا۔ جس میں آپ نے فرمایا۔ لوگو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو ظلم وجور کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال بنائے ہوئے ہو، خدائی عہدو پیمان کو توڑ رہا ہو، سنت رسول کی مخالفت کرتا ہو اور اللہ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرتا ہو تو وہ شخص بقدر طاقت قولاً و فعلاً اس کو نہ بدلے تو اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ

اس کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

اس کے بعد موجودہ صورتحال پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ لوگو! تمہیں معلوم نہیں کہ بنی امیہ نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور اللہ کی اطاعت سے منہ پھیرا۔ ملک میں فساد برپا کر دیا ہے، حدود شرع کو معطل کر دیا ہے، مال غنیمت کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اس صورت میں مجھ سے زیادہ کس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے۔ میرے پاس تمہارے خطوط آئے اور قاصد پہنچے کہ تم نے بیعت کر لی ہے اور تم مجھے بے یار و مددگار نہ چھوڑو گے۔ پس اگر تم اپنی بیعت پوری کرو گے راہ راست پر پہنچو گے۔ میں علی اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا حسین ہوں۔ میری شخصیت تم لوگوں کے لیے نمونہ ہے اور اگر تم ایسا نہ کرو گے اور اپنا عہد اور میری بیعت توڑ دو گے تو واللہ! یہ بھی تمہاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہ ہو گا۔ تم اس سے پہلے میرے باپ اور میرے ابن عم مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو اور جس نے بھی تم پر بھروسہ کیا وہ تمہارے دھوکے میں آ گیا۔ تم نے اپنے فعل سے ایک بہت بری مثال قائم کی ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب اللہ تعالیٰ مجھے تمہاری مدد سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

یہ تقریر سن کر حر نے کہا۔ میں آپ کو آپ ہی کی جان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت امام حسین نے فرمایا۔ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو اور کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کر دو گے؟ میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا جواب دوں۔ میں صرف وہی جواب دے سکتا ہوں جو اس کے چچا زاد بھائی نے اسے اس وقت دیا تھا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو جا رہے تھے اور اس نے انہیں کہا تھا تم کہاں جا رہے ہو اگر تم رسول کی مدد کو نکلو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس پر انہوں نے یہ جواب دیا۔ سامعنی وما بالموت عار علی الفتی اذا ما نوی خیرا وجاھد مسلما میں عنقریب اپنے مقصد کو پورا کروں گا اور موت جوانمرد کے لیے باعث ننگ و عار نہیں جبکہ اس کی نیت ہو اور مسلمان رہ کر جہاد کرے۔ حر نے یہ تقریر سنی تو الگ

ہٹ کر چلنے لگا۔ (طبری ج ۵ ص ۲۲۹، الحسین عربی ص ۱۱۰)

طرماح بن عدی کی آمد

کاروان اہل بیت عذیب الہجانات پہنچا تو امام حسین اور حر کے لشکر نے ایک تیر کی مسافت کا فاصلہ درمیان میں چھوڑ کر الگ الگ قیام کیا۔ اسی اثنا میں کوفہ کے چار آدمی اپنے گھوڑوں پر سوار وارد ہوئے جن کے ساتھ ایک کوتل گھوڑا تھا اور طرماح ابن عدی ان کے رہبر تھے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔ (ترجمہ) اے میری اونٹنی! تو طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل کھڑی ہو۔ سب سے اچھے مسافروں کو سب سے اچھے سفر پر لے چل۔ یہاں تک کہ شریف النسب شخص تک پہنچ جائے جو عزت و مرتبہ میں بہت بلند اور سخاوت و فیاضی میں کشادہ دل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایک کار خیر کے لیے لایا ہے وہ اس کو رہتی دنیا تک باقی و سلامت رکھے۔ جب حضرت امام حسین نے یہ اشعار سنے تو فرمایا۔ خدا کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے کہ اس کی مشیت میں ہم لوگوں کا قتل ہونا یا فتح یاب ہونا دونوں امر خیر ہی ہیں۔

حر جو حضرت امام کی ہر نقل و حرکت کا نگراں تھا، آگے بڑھا اور امام سے کہا۔ یہ کوفہ کے لوگ ہیں اور آپ کے ساتھیوں میں سے نہیں ہیں اس لیے میں انہیں قید کر دوں گا یا کوفہ واپس کر دوں گا۔ امام نے فرمایا۔ اب جب یہ میرے پاس پہنچ ہی گئے ہیں تو ان کی حفاظت میں اپنی جان کی طرح کروں گا اور اب وہ میرے انصار و اعوان کی جماعت میں داخل ہو گئے ہیں۔ حر یہ سن کر خاموش ہو گیا۔

حضرت امام عالی مقام نے ان سے اہل کوفہ کی کیفیت دریافت کی۔ مجمع بن عبداللہ عائذی نے کہا کہ کوفہ کے بڑے آدمیوں کو رشوتیں دی گئی ہیں اور مال و دولت سے پر کر دیا گیا ہے اس لیے وہ سب آپ کے خلاف متحد و متفق ہیں، رہ گئے دوسرے لوگ تو ان کے دل آپ کی طرف ہیں مگر ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں پھر آپ نے قیس بن مسہر کا حال دریافت فرمایا۔ انہوں نے ان کی جرات ایمانی اور شہادت کی تمام تفصیلات

بیان کردیں۔ قیس کی شہادت کا حال سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگے اور آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ پڑھی: فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی: اللھم اجعل لنا ولھم الجنہ نزلا و اجمع بیننا و بینھم فی مستقرمن رحمتک و رغائب مذخور ثوابک۔ اے اللہ! ہمیں اور ان کو نعمت بہشت عطا فرما اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع فرما اور اپنے ثواب کے ذخیروں کا بہترین حصہ عطا فرما۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ! موت کو کس نے مسیحا کر دیا

طرماح ابن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے بارگاہ امام عالی مقام میں عرض کیا۔ حضور! حالات بہت نازک صورت اختیار کر گئے ہیں، میں چاروں طرف نظر دوڑاتا ہوں مگر مجھے آپ کے ساتھ چند آدمیوں کے سوا کوئی لشکر دکھائی نہیں دیتا۔ اگر حر کے ساتھی جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، آپ پر ٹوٹ پڑیں تو یہی کافی ہیں۔ میں نے کوفہ سے روانگی سے پیشتر وہاں لوگوں کا اتنا جم غفیر دیکھا ہے کہ آج تک کسی ایک میدان میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ لشکر کہاں جانے کے لیے جمع ہو رہا ہے؟ تو اس نے کہا۔ حسین کے مقابلے کے لیے۔ اس لیے میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ہو سکے تو ایک قدم بھی اس طرف آگے نہ بڑھائیے۔ اگر آپ کسی ایسے مقام پر جانا چاہتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو حفاظت سے رکھے اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں اس کے متعلق بھی کوئی رائے اور آخری فیصلہ کر لیں تو آپ میرے ساتھ چلیے میں آپ کو اپنے بلند پہاڑ پر جسے کوہ آجاہ کہتے ہیں، لے چلوں۔ خدا کی قسم! وہ پہاڑ ایسا ہے جس کی وجہ سے ہم سلاطین غسان و حمیر، نعمان بن منذر اور ہر اسود و احمر اقوام سے محفوظ رہے ہیں۔ واللہ ہم کو کبھی

کوئی مطیع نہیں کر سکتا۔ میں آپ کے ساتھ چل کر آپ کو وہاں پہنچا دوں گا اور پھر کوہ آجاہ و سلمی کے باشندوں میں آپ کی دعوت پہنچا دوں گا۔ خدا کی قسم! دس دن بھی گزرنے نہ پائیں گے آپ کے پاس قبیلہ طے کے سواروں اور پیادوں کا بیس ہزار کا لشکر آپ کے پاس جمع ہو جائے گا۔

حضرت امام حسین نے طرماح کی مخلصانہ پیشکش کا شکریہ ادا کیا اور انہیں دعائے خیر دی لیکن ان کے مشورہ پر عمل کرنے سے معذوری ظاہر فرمائی۔ (طبری ج ۵ ص ۲۳۱)

قصر بنی مقاتل اور خواب

عذیب الہجانات سے چل کر قافلہ امام قصر بنی مقاتل میں اترا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر حرنے بھی قیام کیا، آدھی رات کے بعد آپ نے اپنے رفقاء سے فرمایا، پانی بھر لو اور چلو۔ ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ آپ پر غنودگی سی طاری ہوئی پھر چونک کر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون والحمدللہ رب العلمین دو یا تین مرتبہ آپ نے یہی کلمات زبان مبارک سے ادا فرمائے۔ یہ سن کر آپ کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ابا جان! میں آپ پر فدا ہو جاؤں، اس وقت آپ نے یہ کلمات کس وجہ سے فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی، میں نے ایک سوار کو دیکھا کہ جو کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ تو راستے پر جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف آرہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہم کو ہماری موت کی اطلاع دی گئی ہے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے کہا۔ بابا جان! اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے، کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اس خدائے بزرگ و برتر کی قسم جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، ہم حق پر ہیں۔ بہادر فرزند نے کہا۔ جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کیا پرواہ ہے۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا۔ بیٹا! تمہیں خدائے تعالیٰ جزائے خیر دے، بہترین جزا جو کسی بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے مل سکتی ہے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۳۳)

رنگ جب محشر میں لائے گی تو اڑ جائے گا رنگ
یوں نہ کہئے سرخی خون شہیداں کچھ نہیں

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نینوا میں قیام اور

ابن زیاد بد نہاد کا خط

صبح ہوئی اور بعد نماز فجر کاروان امام عالی مقام نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ حر بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ قافلہ میدان نینوا میں پہنچا تو کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ سب ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ پہنچا تو اس نے حر اور اس کے ساتھیوں کو تو سلام کیا لیکن امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کو سلام کرنا ضروری نہ سمجھا اور ان کی طرف سے منہ پھیر کر ابن زیاد کا خط جو حر کے نام تھا' دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ میرا قاصد میرا خط تمہیں جس وقت پہنچے' حسین پر بہت سختی کرو اور انہیں آگے بڑھنے سے روک دو اور ایک ایسے چٹیل میدان میں اترنے پر مجبور کرو جہاں کوئی پناہی جگہ نہ ہو اور نہ پانی ہو اور میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور تمہاری کارگزاری کی مجھے اطلاع دے اور تم سے الگ نہ ہو جبکہ میرے حکم کی تعمیل نہ ہو جائے۔ حر نے یہ خط حضرت امام حسین اور آپ کے رفقاء کو سنا دیا۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا۔ اچھا ہم کو ذرا آگے بڑھ کر سامنے والے گاؤں غاضریا شفیہ میں ٹھہرنے دو۔ حر نے کہا۔ ہمیں تو چٹیل میدان میں جہاں آب و گیاہ نہ ہو' ٹھہرانے کا حکم دیا گیا ہے اور ابن زیاد کا نگراں بھی ہمارے ساتھ ہے جو ہمارے ہر طرز عمل کی اطلاع اس کو جا کر دے گا۔ حر کے اس جواب پر امام حسین کے اصحاب میں جوش پیدا ہو گیا۔ زہیر بن قین نے کہا فرزند رسول! ان سے جنگ کر لینا ہمارے لیے آسان ہے' بہ نسبت ان لوگوں کے جو ان کے بعد آئیں گے کیونکہ اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی کہ ان سے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہ ہو گی۔ مگر امام نے فرمایا۔ ہم اپنی

طرف سے جنگ کی ابتدا نہیں کریں گے پھر امام حسین نے حر سے فرمایا۔ اچھا کچھ تو چلنے دو۔ حر خاموش رہا اور آپ بائیں طرف چل پڑے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۳۴، الحسین عربی ص ۱۱۶)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرزمین کربلا میں قیام

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بائیں طرف مڑ کر تھوڑا سا چلے تھے کہ حر کے سپاہیوں نے آ کر روک دیا اور کہا بس یہیں اتر پڑیئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں ہے۔ حضرت امام نے پوچھا۔ اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اس کا نام "کربلا" ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا کرب و بلا کی یہی منزل ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے اور فرمایا۔ هذه كربلاء موضع كرب وبلاء هذا مناخ ركابنا ومحط رحالنا ومقتل رجالنا۔ یہ کربلا ہے جو مقام کرب و بلا ہے۔ یہی ہمارے مال اعوان و انصار کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ یہ محرم ۶۱ھ دو تاریخ بروز پنجشنبہ (جمعرات) مطابق ۲۰ اکتوبر ۶۸۱ء کا دن تھا۔ (سعادت الکونین ص ۹۸، الحسین عربی ص ۱۱۷، تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۳۶)

جب حر نے ابن زیاد کے خط کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا تو اس نے ابن زیاد کو اس کی اطلاع کر دی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ملک ایران میں دیلمیوں (کردوں) نے بغاوت کر دی تھی۔ اس بغاوت کو فرد کرنے کے لیے ابن زیاد نے مشہور صحابی رسول حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عمرو بن سعد کو چار ہزار فوج کا سردار بنا کر اور رے کی حکومت کا پروانہ لکھ کر روانہ کر دیا تھا۔ ابن سعد اپنی فوج کے ساتھ نکل کر مقام حمام اعین تک ہی پہنچا تھا کہ ابن زیاد نے اسے واپس بلا کر حکم دیا کہ پہلے حسین کی جو مہم درپیش ہوئی ہے، اسے سر کرو۔ اس کے بعد ایران کی طرف روانہ ہونا۔

عمرو ابن سعد ایک صحابی کا بیٹا تھا اس نسبت سے وہ خوب جانتا تھا کہ امام حسین نواسہ رسول ہیں اور ان سے جنگ کرنا گویا اپنے آپ کو آتش جہنم میں ڈالنا ہوگا۔ اس

لیے اس نے ابن زیاد سے کہا۔ مجھے اس امر سے الگ کر دیجئے تو بہتر ہو گا۔ ابن زیاد نے کہا۔ اگر حسین کے مقابلے کے لیے نہیں جاتے تو رے کی حکومت کا پروانہ جو تمہارے نام لکھا گیا ہے اسے واپس کر دو۔ ابن سعد نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے ایک دن کی مہلت مانگی پھر آخر دنیوی حکومت کی لالچ میں آکر امام عالی مقام سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا اور وہی چار ہزار کا لشکر جو ملک ایران کے لیے تیار تھا' اسے ساتھ لے کر تیسری محرم کو کربلا پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ ابن سعد کے پاس بائیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ (طبری ج ۵ ص ۲۳۶)

ابن سعد کربلا پہنچ کر عروہ بن قیس الاحمسی کو حکم دیا کہ وہ حضرت امام حسین کے پاس جائے اور ان سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے یہاں آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ عروہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے خط لکھ کر آپ کو نہ بلایا تھا اس لیے اسے شرم محسوس ہوئی۔ اس نے یہ خدمت بجا لانے سے انکار کر دیا۔ اس کے انکار کے بعد دوسرے لوگوں کے سپرد یہ کام کیا گیا لیکن ان میں سے ہر شخص حضرت امام حسین کے بلانے والوں میں شامل تھا' اس لیے کوئی بھی آپ کے پاس جانے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر کار عمرو بن سعد نے قرہ بن سفیان حنظلی کو آپ کے پاس بھیجنے کے لیے تیار کر لیا اور اس سے کہا کہ تم امام حسین سے صرف یہ پوچھنا کہ یہاں آنے سے آپ کی غرض کیا ہے؟ چنانچہ قرہ بن سفیان حضرت امام حسین کے پاس آیا اور یہی سوال کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ تمہارے شہر والوں نے پے در پے خطوط لکھ کر مجھے بلایا اب اگر تمہیں میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ جب عمر بن سعد کو حضرت امام عالی مقام کا یہ جواب ملا تو اس نے اپنا سوال اور امام عالی مقام کا جواب لکھ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔

خط پہنچا' ابن زیاد نے پڑھا اور غرور و تکبر اور ظلم و سفاکی کے جذبہ کے تحت اس نے یہ شعر پڑھ کر اپنی تاریک ذہنیت کا ثبوت دیا۔

الآن اذ علقت مخالبنا بہ ۔ یرجو النجاۃ ولات حین مناص

یعنی اب جبکہ ہمارے پنجوں نے اسے جکڑ لیا ہے تو نکلنا چاہتا ہے حالانکہ اب کوئی جائے فرار نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ابن سعد کو جواب لکھا۔

تمہارا خط ملا، تم نے جو کچھ تحریر کیا ہے میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا ہوں تم حسین اور اس کے تمام ساتھیوں سے کہو کہ وہ یزید کی بیعت کریں اگر وہ بیعت کرلیں تو اس کے بعد ہم جو مناسب سمجھیں گے، کریں گے۔ ابن سعد کو جب یہ خط ملا تو اس نے کہا۔ میں سمجھ گیا کہ ابن زیاد کو عافیت اور امن منظور نہیں۔ (طبری ج ۵ ص ۲۳۷)

حضرت امام حسین اور ساتھیوں پر پانی بند کر دیا گیا

ساتویں محرم کو ابن زیاد کا دوسرا خط عمر بن سعد کے پاس پہنچا جس میں یہ حکم لکھا ہوا تھا کہ

"حسین اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کردو۔ اس طرح کہ انہیں ایک قطرہ بھی پانی نہ ملنے پائے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔"

اس خط کو دیکھتے ہی عمر بن سعد نے عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کی فوج کے ساتھ نہر فرات پر مقرر کر دیا اور تاکید کر دی کہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچنے پائے۔

حاکم کا حکم یہ ہے کہ پانی بشر پئیں
گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں
کافر تلک پئیں تو منع تم نہ کیجیو
پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

تاریخی کتابیں اس بات کی گواہ ہیں کہ امام حسین کی شہادت سے تین روز قبل پانی بند کر دیا گیا تھا۔

عبداللہ ابن ابی حصین ازدی نے پکار کر کہا۔ اے حسین! دیکھتے ہو، یہ پانی نیلا نیلا آسمانی رنگ کا، کس طرح بہہ رہا ہے لیکن خدا کی قسم! تمہیں اس سے ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوگا اور تم اسی طرح پیاسے ہی مرجاؤ گے۔ (معاذ اللہ) یہ سن کر آپ نے

فرمایا۔ اللھم اقتلہ عطشا ولا تغفرا بدا اے اللہ اس کو پیاس کی حالت میں مار اور اس کو ہرگز کبھی نہ بخشنا۔

بعد ازیں یہ بے ادب گستاخ بیمار پڑا۔ تو حمید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں اس کی عیادت کو گیا تو خدائے وحدہ لاشریک کی قسم! میں نے اسے دیکھا کہ پانی پیتا اور قے کر دیتا پھر پیاس پیاس کہتا۔ اس کو پانی دیا جاتا، پیتا اور قے کر دیتا۔ اسی طرح ہر وقت پانی پانی کرتا مگر سیراب نہ ہوتا یہاں تک کہ اسی حالت میں مر گیا۔ (طبری ج ۵ ص ۲۳۹)

امام عالی مقام اور عمرو بن سعد کی ملاقات

حضرت امام عالی مقام ہرگز ہرگز اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان خونریزی ہو اور اس کا دھبہ میرے اوپر لگایا جائے۔ اس لیے آپ نے اتمام حجت کے لیے دوبارہ خود اپنی جانب سے صلح کی گفتگو کا آغاز فرمایا اور عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کے ذریعے ابن سعد کو یہ پیغام بھیجا کہ آج رات ہم تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ابن سعد نے یہ بات مان لی اور رات کے وقت بیس سواروں کے ساتھ لشکر امام حسین کے سامنے آیا۔ حضرت امام حسین بھی اتنے ہی ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ مگر جب قریب پہنچے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد ابن سعد نے بھی اپنے ساتھیوں کو علیحدگی کا حکم دیا۔ دونوں میں کافی رات گئے گفتگو ہوتی رہی جس کو کسی نے نہیں سنا۔ پھر دونوں اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی اپنی قیام گاہ میں آ گئے۔

اس گفتگو کے متعلق کسی کو بھی صحیح علم نہیں ہے کہ یہ گفتگو کیا تھی لیکن لوگوں نے مختلف قیاسات لگائے ہیں۔ پہلی روایات جو لوگوں نے اپنے وہم و گمان سے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں اپنی فوجوں کو یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلے چلیں۔ ابن سعد نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ ایسا کرنے سے میرا مکان گرا دیا جائے گا اور میری ساری جائیداد چھین لی جائے گی۔ امام حسین نے فرمایا۔ میں تمہیں اس سے اچھا مکان بنوا دوں گا اور اس سے اچھی جائیداد دوں گا جو حجاز

میں ہے لیکن ابن سعد کسی قیمت پر تیار نہ ہوا۔ دوسری قیاسی روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت امام حسین نے یہ تین باتیں پیش کیں:

(۱) میں جہاں سے آیا ہوں مجھے وہیں چلے جانے دو۔

(۲) مجھے مملکت اسلام کے کسی بھی سرحدی مقام پر لے چلو میں وہیں رہ کر وقت گزار لوں گا۔

(۳) مجھ کو سیدھا یزید کے پاس بھیج دو اس سے مل کر میں اپنا معاملہ طے کر لوں گا۔

ایک وہمی قول یہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا۔

مصنف تاریخ طبری نے ان دونوں روایتوں کو لوگوں کا وہم اور گمان بتایا ہے اور آگے لکھتے ہیں کہ یہ باتیں ہرگز ہرگز حضرت امام حسین نے نہیں کہیں، یہ لوگوں کا خیال ہے۔ بلکہ صحیح روایت یہ ہے کہ امام حسین نے یہ فرمایا کہ مجھے اس وسیع و عریض زمین میں سے کسی طرف نکل جانے دو، میں دیکھوں گا کہ انجام کیا ہوتا ہے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۴۰)

مولف سیرالصحابہ مولانا شاہ معین الدین ندوی نے بھی دوسری روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ روایتاً اور درایتہ دونوں حیثیتوں سے کمزور اور ناقابل اعتبار ہے۔ اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اس روایت کا ایک راوی مجاہد بن سعید محدثین کے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ علامہ حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں نے اس پر جرح کی ہے اور اس کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر حضرت امام حسین کے ساتھ رہا اور شہادت تک ان سے جدا نہیں ہوا مگر آپ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستہ میں، عراق میں، لشکر گاہ میں، غرض شہادت تک کہیں بھی کسی گفتگو میں کوئی ایسا خیال ظاہر نہیں فرمایا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یا کسی سرحدی مقام پر بس جانے کے لیے آمادہ تھے۔ آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ مجھے اس وسیع و عریض زمین میں سے کسی طرف نکل جانے دو۔ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے اور میں اس وقت تک وہاں رہوں گا جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کر لیں۔ روایتی حیثیت یہ ہے کہ ابن زیاد کا تو یہی حکم تھا کہ اگر حسین

بیعت کرلیں تو پھران سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ابن سعد بھی دل سے چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ اس نے اسے ٹالنے کی پوری کوشش کی تھی اور ابن زیاد کو لکھا تھا کہ حسین واپس جانے پر آمادہ ہیں اور یزید سے بیعت کرنے پر تیار ہیں تو پھر ابن سعد اور ابن زیاد کا اس کو قبول نہ کرنا اور آپ کے ساتھ لڑائی کر کے آپ اور آپ کے رفقاء کو شہید کر دینا کیا معنی رکھتا ہے (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۴۷)

نوٹ: ندوی مسلک والوں کو اپنے عالم کی اس عبارت سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ خاص طور سے اورنگ آباد (مہاراشٹر) دارالعلوم کاشف العلوم کے ایک مدرس نے جو مولف محرم کتاب کی حمایت کی ہے، اسے اس عبارت کو پڑھ کر اپنی غلطی سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

حضرت امام حسین سے ملاقات کرنے کے بعد ابن سعد کو یہ کہنا پڑا کہ آپ صلح کے راستے پر گامزن ہیں اور اس نے بہت خوش ہو کر ابن زیاد کو خط لکھا اور حضرت امام حسین کی اس شرط مصالحت سے اطلاع دی کہ خدائے تعالٰی نے آگ کے شعلے کو بجھا دیا اور مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچالیا اور اتفاق پیدا فرمادیا۔ ابن سعد کا یہ خط ابن زیاد کے پاس پہنچا تو خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا۔ یہ خط ایک ایسے شخص کا ہے جو اپنے امیر کا خیرخواہ اور اپنی قوم پر مہربان ہے۔ اچھا میں اس تجویز کو قبول کرتا ہوں۔ یہ سن کر بدبخت شمر ذی الجوشن کھڑا ہوا اور کہا۔ کیا آپ یہ بات ان کی قبول کر رہے ہیں جبکہ وہ آپ کے قبضے میں آچکے ہیں۔ واللہ اگر حسین ہاتھ سے نکل گئے اور انہوں نے آپ کی اطاعت قبول نہ کی تو وہ آگے چل کر ضرور قوت و شوکت حاصل کرلیں گے اور آپ کمزور و عاجز ہو جائیں گے۔ میری رائے میں تو آپ انہیں یہ قدر و منزلت حاصل کرنے کا موقع نہ دیں بلکہ آپ انہیں حکم دیں کہ وہ اور ان کے ساتھی اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردیں۔ اس صورت میں اگر آپ انہیں سزا دیں گے تو سزا دینا آپ کا حق ہوگا اور اگر معاف کردیں گے تو اس کا بھی آپ کو اختیار ہے۔ واللہ! مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ حسین اور ابن سعد دونوں لشکروں کے درمیان رات رات بھر بیٹھے باتیں کیا کرتے ہیں۔

شمر خبیث کی اس خوشامدانہ اور فتنہ پرور تقریر سے ابن زیاد کی رائے بدل گئی۔ اس نے کہا۔ اے شمر! تم نے اچھی رائے دی ہے اور پھر ابن سعد کو لکھا کہ "میں نے تمہیں اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ تم حسین اور ان کے ساتھی میرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں تو ان کو میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ انکار کریں تو ان پر حملہ کر دو اور ان کے سر کاٹ کر میرے پاس روانہ کرو اور حسین کی لاش پر گھوڑے دوڑا کر روند ڈالو۔ اس لیے کہ وہ اسی کے مستحق ہیں اگر تم نے ہمارے احکام کی تعمیل کی تو ہم تمہیں بیش قرار انعامات سے نوازیں گے اور اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو ہمارا لشکر شمر کے حوالے کر دو اور خود الگ ہو جاؤ۔ (طبری ج ۵ ص ۲۴۰)

جب شمر نے ابن زیاد کا خط عمرو بن سعد کو لا کر دیا تو اس نے پڑھ کر کہا۔ خدا تجھے غارت کرے تو میرے پاس یہ کیا لایا ہے۔ واللہ! میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ہی ابن زیاد کو میرے مشورہ پر عمل کرنے سے روک دیا اور اس بات کو بگاڑ دیا جس کے بن جانے کی امید تھی۔ خدا کی قسم! حسین کبھی ابن زیاد کے سامنے نہیں جھکیں گے، ان کے پہلو میں ایک خوددار دل ہے۔ شمر نے کہا۔ ان باتوں کو جانے دو۔ یہ بتاؤ اب کیا کرو گے؟ امیر کے حکم کی تعمیل کر کے ان کے دشمنوں کو قتل کرو گے یا لشکر میرے حوالے کرو گے؟ ابن سعد دنیا پر جان دینے والا اور رے کی حکومت کا متمنی تھا۔ اس نے کہا میں لشکر تمہارے سپرد نہیں کروں گا بلکہ یہ مہم میں خود سر کروں گا اور تم پیدل فوج کی نگرانی کرو۔

ایک رات کی مہلت

نو محرم الحرام ۶۰ھ بروز جمعرات شام کے وقت ابن سعد نے اپنے ساتھیوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت حضرت امام عالی مقام اپنے خیمہ کے دروازے پر دیوار کا سہارا لے کر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے تھے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اچانک فوج کے شور و غل کی آواز سن کر آپ کی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا پردے کے پاس آئیں اور امام عالی مقام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ دیکھیے دشمن کی فوج کی آواز بہت نزدیک

سے آ رہی ہے۔ آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا۔ میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے فرمایا۔ تم عنقریب ہمارے پاس آنے والے ہو۔ حضرت زینب نے یہ سن کر روتے ہوئے کہا۔ یا ویلتاہ (ہائے مصیبت) آپ نے فرمایا۔ تمہارے لیے مصیبت نہیں، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، صبر کرو اور خاموش رہو۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حضرت عباس نے آکر اطلاع دی کہ فوج اعداء نے حملہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت امام عالی مقام اپنی جگہ سے اٹھے اور فوج اعداء کی طرف جانے لگے تو حضرت عباس نے کہا۔ نہیں! آپ نہیں، میں جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تم ہی جاؤ مگر یہ پوچھ لینا کہ اس وقت حملہ کا سبب کیا ہے؟ حضرت عباس یزیدی فوج کے سامنے آئے اور پوچھا۔ جواب ملا ابن زیاد کا حکم ہے کہ آپ لوگ اس کی اطاعت کرو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت عباس نے کہا۔ ذرا ٹھہرو، جلدی نہ کرو، میں ابن رسول اللہ کو تمہارے مقصد سے آگاہ کرتا ہوں۔ انہوں نے امام کو ابن سعد اور ان کے ساتھیوں کے مقصد سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ ان لوگوں سے کہو کہ ایک رات کی مہلت دیں تاکہ آج رات بھر ہم اچھی طرح نماز پڑھ لیں، دعائیں مانگ لیں اور توبہ و استغفار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو نماز، دعا اور استغفار سے کتنی محبت ہے۔ حضرت عباس نے جا کر ابن سعد کے دستہ سے کہا کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دو۔ ابن سعد نے شمر اور دوسرے ساتھیوں سے پوچھا تو سب نے مہلت کی رائے دی۔ ابن سعد نے اپنے سب ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عباس سے کہا۔ ہم لوگوں نے تمہیں کل تک کی مہلت دے دی ہے۔ یہ کہہ کر ابن سعد واپس چلا گیا۔ حضرت امام عالی مقام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے حسب ذیل خطبہ دیا۔

خطبہ امام عالی مقام

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور آرام و تکلیف ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ اے اللہ! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں (اہل بیت) کو نبوت کی عزت عطا

فرمائی، قرآن کا علم عطا فرمایا اور دین کی سمجھ بوجھ عطا کی اور سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور دانا دل کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا اس کے بعد حضرت امام نے فرمایا۔ میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں جانتا اور نہ کسی کے گھر والوں کو اپنے گھر والوں سے زیادہ نیکو کار اور صلہ رحمی کرنے والا دیکھتا ہوں۔ خدائے بزرگ و برتر تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ سن لو! میں یقین رکھتا ہوں کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں صبح ہماری شہادت ہے۔ اس لیے میں تم سب کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کی تاریکی میں جہاں تم لوگوں کا جی چاہے، چلے جاؤ۔ میری طرف سے کوئی ملامت اور روک نہیں ہوگی۔ بلاشبہ یہ لوگ میرے ہی قتل کے طالب ہیں اور جب مجھے قتل کرلیں گے تو کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔

اس خطبہ کو سن کر سب سے پہلے حضرت عباس پھر آپ کے دوسرے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ کیا ہم صرف اس لیے چلے جائیں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں، خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے۔ اس کے بعد امام عالی مقام نے خاص طور سے اولاد عقیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کہ مسلم کی شہادت تمہارے لیے کافی ہے اس لیے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ۔ لیکن باحمیت بھائیوں نے کہا۔ ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ کیا ہم انہیں یہ کہیں گے کہ ہم اپنے سردار، اپنے آقا اور بہترین ابن عم کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ نہ ہم نے ان کے ساتھ مل کر کوئی تیر چلایا، نہ نیزہ مارا، نہ تلوار کا کوئی وار کیا اور پھر ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کا کیا حشر ہوا۔ خدا کی قسم! ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے بلکہ ہم اپنی جانیں، اپنا مال اور اپنے اہل و عیال سب آپ پر قربان کردیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے جو انجام آپ کا ہوگا، وہی ہمارا ہوگا۔ خدا وہ زندگی نہ دے جو آپ کے بعد ہو۔

اس کے بعد اصحاب میں سے حضرت مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے اور کہا۔ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں، یہ ہم سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم! میں دشمنوں سے نیزہ کے ساتھ جنگ کروں گا یہاں تک کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹ جائے اور

تلوار چلاؤں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں ٹھہر سکے۔ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ہتھیار نہ ہوں گے تو میں پتھر مار مار کر دشمنوں سے لڑوں گا اور آپ پر اپنی جان نثار کردوں گا۔

اس کے بعد حضرت سعید بن عبداللہ حنفی نے کہا۔ خدا کی قسم! ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ ثابت نہ کرلیں کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے نواسے کی کیسی حفاظت کی ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں قتل ہو جاؤں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا اور پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا اور میری راکھ ہوا میں منتشر کردی جائے گی اور اسی طرح ستر مرتبہ میرے ساتھ ہو گا، تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا اور یہ تو ایک ہی مرتبہ قتل ہونا ہے۔ اس کے بعد وہ دائمی عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت زہیر بن قین کھڑے ہوئے اور کہا۔ میری تو یہ آرزو ہے کہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ ایسے ہی میرے ساتھ ہزار مرتبہ ہو مگر کسی طرح بھی خدائے تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کے نوجوانوں کو بچا لے۔

غرضیکہ اسی طرح آپ کے ہر رفیق اور جاں نثار نے اپنی اپنی عقیدت اور جاں نثاری کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ اور آپ کے تمام ساتھیوں نے نماز و دعا اور توبہ و استغفار میں ساری رات گزار دی اور اس کے ساتھ ہی خیموں کی پشت پر خندق کھود کر لکڑیاں بھر دیں تاکہ بوقت جنگ ان میں آگ لگا دی جائے تو دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

ادھر دشمنوں کے گھوڑے برابر خیموں کے گرد چکر لگاتے رہے تاکہ کوئی شخص بچ کر نکل نہ سکے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۴۵)

کربلا میں قیامت صغریٰ

دسویں محرم ۶۱ھ کے دلدوز واقعات

عاشورہ محرم کی رات ختم ہوئی اور دسویں محرم ۶۱ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۶۸۱ء کی قیامت نما صبح نمودار ہوئی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل بیت اور اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ نماز فجر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ پیشانیوں نے بارگاہ خداوندی میں سجدے کیے اور زبانوں نے قرات و تسبیحات کے اعزاز پائے۔ یہ شہدائے کربلا کی آخری نماز تھی۔ نماز کے بعد امام پاک نے سب کے لیے صبر و استقامت کی دعا مانگی۔ اب دسویں محرم کا سورج عنقریب نکلنے والا تھا۔ حضرت امام عالی مقام اور آپ کے تمام رفقاء و اہل بیت تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔ ایک لقمہ کسی کی حلق کے نیچے نہیں اترا اور نہ ایک قطرہ پانی کسی کو میسر ہوا۔ بھوک و پیاس سے جس قدر ضعف و توانائی کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کا وہی لوگ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں جنہیں کبھی دو تین دن کے فاقہ کی نوبت آئی ہو اس کے علاوہ وطن سے دور پردیس اور تیز دھوپ، گرم ریت اور گرم ہوائیں، ان سب نے نازپروردگان آغوش رسالت کو کیسا پژمردہ کر دیا ہوگا۔ ان لوگوں پر ظلم و جفا کا پہاڑ توڑنے کے لیے بائیس ہزار کا تازہ دم لشکر موجود ہے۔ بغیر اطلاع کے یزیدیوں نے جنگ کا نقارہ بجا دیا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور فاطمہ زہرا کے جگر بند کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے جانوں پر کھیلنے کی دعوت دی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کارزار میں تشریف لے گئے اور ایک خطبہ فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ نے فرمایا۔ لوگو! میرے حسب و نسب پر غور کرو کہ میں

کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو کہ تمہیں میرا خون بہانا اور میری توہین کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا زاد بھائی حضرت علی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حضرت حمزہ میرے والد بزرگوار کے چچا اور حضرت جعفر طیار خود میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم میں سے کسی نے یہ نہیں سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور حقیقت میں وہ سچ ہی ہے اس لیے کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور اگر تم میری بات کو جھوٹی سمجھتے ہو تو اب بھی اسلامی دنیا میں جابر بن عبداللہ انصاری، ابو سعید خدری، انس بن مالک، سہل بن سعد ساعدی اور زید بن ارقم وغیرہ موجود ہیں، ان سے پوچھ لو اور تم مجھے بتاؤ کہ کیا یہ حدیث تمہیں میرا خون بہانے سے روکنے کے لیے کافی نہیں ہے؟

شمر ذی الجوشن بدبخت نے آپ کے خطبے میں مداخلت کرتے ہوئے کچھ بدتمیزی کی تو حبیب ابن مظاہر نے اسے سخت جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل پر مہر لگا دی ہے اس لیے تو سمجھ نہیں پا رہا ہے کہ حضرت امام کیا فرما رہے ہیں۔ شمر اور حبیب کی گفتگو کے بعد امام عالی مقام نے پھر فرمایا۔ اے لوگو! اگر تمہیں اس حدیث کی صحت میں کچھ شک ہو تو کیا اس میں بھی شک ہے کہ میں تمہارے رسول کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم! اس وقت مشرق و مغرب مین کوئی بھی نبی کا نواسہ میرے سوا موجود نہیں ہے، نہ تم میں اور نہ تمہارے سوا دوسری قوموں میں اور میں تو خود تمہارے ہی نبی کا نواسہ ہوں۔ ذرا غور تو کرو کہ میرے قتل پر تم کیسے آمادہ ہو گئے؟ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ یا کسی کا مال غصب کیا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے، جس کا قصاص تم مجھ سے لینا چاہتے ہو؟

جب مخالفین کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو آپ نے پکار کر کہا۔ اے شیث بن ربعی! اے حجار بن الجبر! اے قیس بن اشعث! کیا تم لوگوں نے مجھے خط لکھ کر نہیں بلایا تھا؟ انہوں نے کہا۔ ہم نے کوئی خط آپ کو نہیں لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگوں

نے لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا۔ اچھا اگر بفرض محال نہیں بھی لکھا تھا اور تم لوگ نہیں چاہتے تھے کہ میں ادھر آؤں تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں امن و امان کی زندگی گزار سکوں۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۵۱)

قیس بن اشعث نے کہا۔ تم اپنے قرابت دار ابن زیاد کے سامنے سر جھکا دو پھر آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ تم ایسا کیوں نہ کہو گے۔ تم محمد بن اشعث ہی کے بھائی تو ہو۔ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ مسلم بن عقیل کے خون کی ذمہ داری تم پر ہی ہے۔ خدا کی قسم! میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ نہیں دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح اطاعت کا اقرار کروں گا۔

مخالف فوج کے ماننے کی پہلے ہی سے امید نہ تھی۔ مگر امام حسین کو اپنا فرض پورا کرنا تھا وہ ہو گیا پھر اونٹنی بٹھا کر اتر پڑے اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دو۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے ساتھیوں نے بھی اسی قسم کی تقریریں کیں لیکن شمر ذی الجوشن اور دوسرے تمام کوفیوں کی آنکھوں پر پردے پڑ چکے تھے اور دلوں پر مہر لگ چکی تھی اس لیے حضرت امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کی ساری افہام و تفہیم رائیگاں گئی۔ کسی پر کوئی اثر نہ ہوا اور ابن زیاد کے لالچی کتوں نے حضرت امام حسین سے کہا۔ آپ کے تمام فضائل ہمیں معلوم ہیں مگر اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے۔ آپ جنگ کے لیے میدان میں کسی کو بھیجئے اور گفتگو ختم فرمائیے۔

حُر کی آمد

مخالفین کے لشکر میں اس وقت صرف حر ہی وہ واحد شخص تھا جس کے دل پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی باتوں کا اثر ہوا۔ ہماری کتاب کے ناظرین کے لیے یہ نام کوئی اجنبی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ وہی حر ہے جس نے سب سے پہلے حضرت امام عالی مقام اور آپ کے رفقاء کو ایک ہزار فوج کی جمعیت کے ساتھ آ کر کوفہ کے راستہ میں روکا تھا اور گھیر گھار کر کربلا کی سرزمین تک لایا تھا۔

جب عمرو بن سعد جنگ شروع کرنے کے لیے آگے بڑھا تو حر بن یزید ریاحی نے

آگے بڑھ کر کہا۔ خدا تیرا بھلا کرے، کیا تو واقعی ان سے جنگ کرے گا؟ ابن سعد نے کہا۔ ہاں! خدا کی قسم! اور ایسی جنگ کہ جس میں کم از کم سر کٹیں گے اور ہاتھ قلم ہو کر زمین پر گریں گے۔ حر نے کہا۔ کیا اتنی صورتیں مصالحت کی جو امام حسین نے پیش کیں، ان میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک قابل قبول نہیں؟ عمرو بن سعد نے کہا۔ خدا کی قسم! اگر معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں تمہارا حاکم نہیں مانتا۔ عمرو بن سعد کا یہ جواب اس نیک نیتی پر محمول نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ اگر وہ یہی چاہتا تو کربلا کی سرزمین پر حضرت امام حسین کو شہید کرنے نہیں آتا اور ناظرین کو یاد ہوگا کہ عمرو بن سعد رے کی حکومت کے لالچ میں کربلا آیا تھا اور اس کی تمام باتوں سے حر واقف تھا۔ جب عمرو بن سعد کی زبان سے یہ سنا کہ تمہارا حاکم نہیں مانتا تو وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

نواسہ رسول سے جنگ کرنے کے قصور نے اس کے بدن پر کپکپی طاری کر دی اور چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہونے لگے تو مہاجر بن اوس جو اسی کے قبیلہ کا ایک شخص تھا، کہنے لگا۔ حر! یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ تم پر اس قدر خوف و ہراس کیوں غالب ہے؟ میں نے اس سے پہلے تمہاری یہ کیفیت نہیں دیکھی۔ مجھ سے جب کبھی پوچھا جاتا کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو میں تمہارے سوا کسی کا نام نہ لیتا۔ مگر اس وقت میں تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا ہوں، آخر اس کا سبب کیا ہے؟ حر نے کہا۔ یہ نواسہ رسول سے جنگ ہے۔ میں اس وقت جنت اور دوزخ کے دوراہے پر کھڑا ہوں مگر میں جنت کو کسی چیز کے بدلے نہیں چھوڑوں گا چاہے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور آگ میں جلا دیا جائے۔ یہ کہتے کہتے اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حضرت امام عالی مقام کی بارگاہ میں پہنچ گیا۔ عرض کیا۔ اے فرزند رسول! میری جان آپ پر فدا۔ میں وہی گناہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا۔ راستے میں آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور آپ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں ہرگز یہ نہیں سمجھتا تھا کہ یہ لوگ آپ کی تمام شرائط کو جو آپ پیش کریں گے، مسترد کر دیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ واللہ! اگر

مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے تو میں ہرگز ان کا ساتھ نہ دیتا اور جو گستاخیاں مجھ سے ہوئیں ان کا مرتکب نہ ہوتا۔ اب میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور آپ پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایئے، کیا میری یہ توبہ قبول ہوگی؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا اور تمہیں بشارت ہو کہ جس طرح تمہاری ماں نے تمہارا نام حر رکھا ہے تم دنیا و آخرت میں بھی انشاء اللہ حر (آزاد) ہو، گھوڑے سے اترو۔ حر نے کہا۔ میرا آپ کی مدد میں گھوڑے پر سوار رہنا نیچے اترنے سے بہتر ہے۔ اب میں آخری شہید ہو کر گھوڑے سے اتروں گا۔ حضرت امام حسین نے فرمایا۔ اچھا جو تمہارا دل چاہے وہی کرو۔ خدائے تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۵۴)

حُر کا کوفیوں سے خطاب

حضرت امام عالی مقام سے خطا معاف کرانے کے بعد حُر فوراً میدان میں آ گیا اور پہلے تو اس نے کوفیوں یزیدیوں سے ملائم انداز میں کہا۔ اے لوگو! حسین نے جو باتیں پیش کی ہیں ان میں سے کسی ایک بات کو تم کیوں نہیں مانتے؟ تاکہ خدائے تعالیٰ تم کو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے بچا لے۔ کوفیوں نے کہا۔ ہمارا امیر عمرو بن سعد ہے، جو کچھ کہنا ہے ان سے کہو۔ حر نے عمرو بن سعد سے وہی گفتگو کی جو اس سے پہلے کر چکا تھا۔ تو ابن سعد نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے دے چکا تھا۔ یہ سن کر حر کو غصہ آ گیا اور کہا۔ اے کوفہ والو! خدائے تعالیٰ تم کو غارت کرے کہ تم نے حضرت امام حسین کو بلایا اور جب وہ آ گئے تو انہیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ تم کہتے تھے کہ ہم ان پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے اور اب تم ان ہی پر حملہ کر کے ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے ہو۔ ان کو تم نے گرفتار کر لیا، ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور تم نے ان کو خدائے تعالیٰ کی لمبی چوڑی زمین میں، جدھر وہ امن کا راستہ پائیں، جانے سے روک دیا ہے اور اب وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدی کی طرح ہو گئے ہیں۔ تم نے ان کو، ان کے اہل حرم کو، ان

کے بچوں کو اور ان کے رفقاء کو دریائے فرات کے اس بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے جسے یہودی، مجوسی اور نصرانی تک پیتے ہیں اور عراق کے سور اور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں مگر اس پانی کے لیے امام حسین اور ان کے اہل و عیال و اصحاب ترس رہے ہیں۔ تم نے رسول اللہ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا برا سلوک کیا ہے۔ اگر آج تم اسی وقت توبہ نہیں کرو گے اور اپنے طرز عمل سے پشیمان ہو کر باز نہ آؤ گے تو قیامت کے دن خدائے تعالیٰ تمہیں بھی پیاس سے تڑپائے گا۔

حر کی تقریر دشمن کے مفاد کے خلاف بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اس لیے وہ حر پر تیر برسانے لگے۔ حر نے یہ دیکھا تو تقریر موقوف کر دی اور چونکہ ابھی جنگ باقاعدہ شروع نہ ہوئی تھی اس لیے وہ واپس آ کر امام حسین کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

جنگ کا آغاز اور ابن سعد کا پہلا تیر

حر کے واپس آنے کے بعد ابن سعد نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام زوید کو جو علمبردار تھا، آواز دی کہ جھنڈا میرے قریب لاؤ۔ وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ابن سعد نے کمان میں تیر جوڑ کر حسینی لشکر کی طرف چلا کر اپنی فوج سے پکار کر کہا۔ تم سب لوگ گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے ہی مارا ہے۔ سپہ سالار لشکر کے ان الفاظ کو سن کر لشکریوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ سب لوگ بھی تیر برسانے لگے۔ اس طرح جنگ کا آغاز ہوا اور اب دونوں طرف سے سپاہی نکل کر آئے اور اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے لگے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۵۶)

حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی

یہ بنی علیم میں سے ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے تھے اور قبیلہ ہمدان کے بیر جعد نام کے کنویں کے پاس اپنے ذاتی مکان میں رہتے تھے۔ ان کی بیوی ام وہب جو خاندان نمیر بن قاسط سے تھیں، ان کے ساتھ تھیں۔ عبداللہ نے مقام نخلیہ میں ایک لشکر جرار دیکھا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ لشکر کہاں جا رہا ہے؟ کسی نے ان سے کہہ دیا کہ فاطمہ بنت

رسول اللہ کے فرزند حسین کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے۔ عبداللہ کو مدت سے یہ آرزو تھی کہ مشرکین سے جہاد کریں۔ خیال آیا کہ یہ لوگ اپنے پیغمبر کے نواسے پر لشکر کشی کر رہے ہیں اس لیے ان لوگوں سے جہاد کرنا مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے اجر و ثواب میں کم نہیں ہے پھر اپنی بیوی کے پاس آئے اور تنہائی میں بلا کر اس کو سب حالات اور اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ نیک سیرت بی بی نے کہا۔ تمہارا ارادہ بہت اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تمنا و آرزو پوری فرمائے۔ چلو اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ عبداللہ اپنی بیوی کے ہمراہ راتوں رات چل کر لشکر امام میں پہنچ گئے۔ اس وقت جب فوج ابن سعد کی جانب سے تیروں کی بارش ہو چکی تھی جو پیغام جنگ کی حیثیت رکھتی تھی تو زیاد بن سفیان کا آزاد کردہ غلام یسار اور ابن زیاد کا آزاد کردہ غلام سالم کوفیوں کی طرف سے نکل کر میدان میں آیا اور مقابلہ کے لیے مبارز طلب کیا۔ حضرت امام عالی مقام کے دو جاں نثار ساتھی حبیب بن مظاہر اور بریر بن حضیر جوش میں بھرے ہوئے آگے بڑھے مگر امام نے ان کو روک دیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن عمیر کلبی کھڑے ہو گئے اور جنگ کی اجازت طلب کی۔ حضرت نے سر سے پیر تک ان پر نگاہ ڈالی اور فرمایا اگر تمہارا دل چاہتا ہے تو جاؤ۔ یہ تنہا دونوں کے مقابل گئے۔ انہوں نے پوچھا، تم کون ہو؟ عبداللہ نے اپنا نام و نسب بیان کیا تو انہوں نے کہا۔ ہم تمہیں نہیں جانتے۔ ہمارے مقابلے میں زہیر بن قین، حبیب بن مظاہر یا بریر بن حضیر کو آنا چاہیے۔ یسار اس وقت سالم سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ عبداللہ نے کہا او فاحشہ کے بیٹے! تو مجھ سے لڑنے میں اپنی بے عزتی سمجھتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے یسار پر حملہ کر دیا اور تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ وہ ایک ہی وار میں ٹھنڈا ہو گیا۔ سالم نے ایک دم جھپٹ کر حملہ کر دیا۔ عبداللہ نے اس کی تلوار کو بائیں ہاتھ پر روکا جس سے اس کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس کے بعد ہی عبداللہ نے مڑ کر ایسا وار کیا کہ اسے بھی ڈھیر کر دیا اور جوش میں آکر شعر پڑھنے لگے جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر مجھے نہیں پہچانتے ہو تو پہچان لو۔ میں خاندان کلب کا ایک فرد ہوں، میرے حسب و نسب کے لیے اتنا کافی ہے کہ خاندان علیم میں میرا گھرانا ہے، میں بڑی قوت والا ہوں اور مصیبت کے وقت پست ہمتی سے کام لینے والا نہیں ہوں۔

عبداللہ کی بیوی نے جب یہ سنا تو خیمہ کی ایک چوب (لکڑی) ہاتھ میں لی اور آگے بڑھ کر کہا۔ میرے ماں باپ تم پر فدا ہو جائیں۔ نواسہ رسول کی طرف سے لڑتے جاؤ۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور چاہا کہ انہیں خیمہ میں پہنچادیں مگر وہ ماننے والی نہیں تھیں۔ کہا میں تمہارا ساتھ ہرگز ہرگز نہیں چھوڑوں گی جب تک کہ میں خود بھی تمہارے ساتھ جان نہ دے دوں گی۔ امام حسین نے دیکھا تو آواز دی کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو جزائے خیر دے۔ اے مومنہ! اہل حرم کے پاس آجاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھی رہو، کیونکہ عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے۔

ام وہب نے حضرت کا حکم سنا تو اہل حرم کے پاس خیمہ میں واپس آگئیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ نے کوفیوں کے ساتھ بہت دلیری اور بہادری سے جنگ کی۔ دشمن کے دو سپاہی پھر قتل کیے مگر اس کے بعد ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تیمی نے ان پر حملہ کر دیا اور ان دونوں کے ہاتھ سے درجہ شہادت پر پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نیک دل بیوی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا شوہر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے جدا ہو گیا تو وہ اپنے شوہر کی لاش پر آئیں اور اپنے شوہر کے سرہانے بیٹھ کر ان کے چہرہ سے گرد و غبار صاف کرتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں۔ تمہیں جنت مبارک ہو، بہشت کی سیر مبارک ہو۔ مگر دشمن کا ظلم و تشدد اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ شمر نے اپنے غلام رستم کو آواز دی کہ اس عورت کا بھی کام تمام کر دے۔ وہ بڑھا اور اس نے اس نیک دل خاتون کے سر پر ایسا گرز مارا کہ وہ اسی جگہ پر ہی شہید ہو گئیں۔ (طبری ج ۵ ص ۲۵۶ اور ص ۲۶۲)

میدانِ کربلا میں
امام عالی مقام کی کرامتیں

یزیدیوں کی جانب سے ایک شخص گھوڑا کودا تا ہوا سامنے آیا جس کا نام مالک بن عروہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ لشکر امام عالی مقام کے خیموں کے گرد خندق میں آگ جل رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس تدبیر سے اہل خیمہ کی حفاظت کی جا رہی ہے تو اس گستاخ بدباطن نے حضرت امام عالی مقام سے کہا۔ اے حسین! تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگالی ہے۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا کذبت یا عدو اللہ اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ تجھے گمان ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں گا۔ حضرت مسلم بن عوسجہ کو مالک بن عروہ کا یہ کلمہ بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے حضرت امام سے اس بد زبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے انہیں اجازت نہ دی مگر خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ یارب! عذاب نار سے پہلے اس گستاخ کو دنیا کے اندر آگ کے عذاب میں مبتلا فرما۔ امام کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں گیا اور وہ گھوڑے سے گرا، اس کا پاؤں رکاب میں الجھا اور گھوڑا اسے لے کر بھاگا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا۔ حضرت امام نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کی اور عرض کیا۔ اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے اہل بیت رسالت کے بدخواہ کو سزا دی۔ حضرت امام کی زبان سے یہ جملہ سن کر دشمنوں کی صف میں سے ایک اور بے باک نے کہا۔ آپ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ یہ کلمہ تو حضرت امام کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ اے اللہ! اس بد زبان کو فوراً ذلت میں گرفتار کر۔ امام نے یہ دعا فرمائی اور اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ وہ گھوڑے سے اتر کر ایک طرف بھاگا اور

کسی جگہ قضائے حاجت کے لیے برہنہ ہو کر بیٹھا' ایک سیاہ بچھو نے ڈنک مارا تو نجاست آلودہ تڑپتا پھرتا تھا اس رسوائی کے ساتھ پورے لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی مگر سخت دلان بے حمیت کو غیرت نہ ہوئی۔ (سوانح کربلا ص ۱۰۱)

ایک مزنی نے امام کے سامنے آ کر کہا کہ اے امام! دیکھو تو دریائے فرات کیسا موجیں لے رہا ہے۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں اس کا ایک قطرہ نہ ملے گا اور تم پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرت امام نے اس کے حق میں فرمایا اللھم امتہ عطشانا یا رب اس کو پیاسا مار۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مزنی کا گھوڑا بھاگا اور مزنی اس کے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑا اور اس پر اس شدت کی پیاس غالب ہوئی کہ العطش العطش پکارتا تھا اور جب پانی اس کے منہ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ نہ پی سکتا تھا یہاں تک کہ اسی شدت پیاس میں تڑپتا ہوا مر گیا۔ (سوانح کربلا ص ۱۰۳)

فرزند رسول کو یہ بات بھی پیش کرنی تھی کہ ان کی مقبولیت بارگاہ حق پر اور ان کے قرب و منزلت پر ان کے خوارق و کرامات بھی گواہ ہیں جیسا کہ نصوص کثیرہ اور احادیث شہیرہ شاہد ہیں۔ اپنے اس فضل کا اظہار بھی اتمام حجت کے سلسلے کی ایک کڑی تھی کہ اگر تم آنکھ رکھتے ہو تو دیکھ لو کہ جو ایسا مستجاب الدعوات ہے اس کے مقابلے میں آنا خدا سے جنگ کرنا ہے۔ اس کا انجام سوچ لو اور باز رہو مگر شرارت کے مجسمے اس سے بھی سبق نہ لے سکے۔

حضرت امام کے ساتھیوں کی شجاعت اور شہادت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر جن خوش نصیبوں نے اپنی جانیں فدا کرنے کی سعادت حاصل کی اس مقدس زمرہ میں حر بن یزید ریاحی قابل ذکر ہیں۔ عبداللہ بن عمیر کلبی کی شجاعت اور بہادری کا منظر حر نے اپنی نگاہوں سے دیکھا تو دل میں خیال ہوا کہ کہیں حضرت حسین مجھ سے پہلے قتل نہ ہو جائیں۔ یہ سوچ کر حضرت امام عالی مقام سے اجازت لی اور دشمن کے سامنے پہنچے اور نہایت شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تین بھائیوں کو فی نار جہنم کیا اور بہت پھرتی کے ساتھ لشکر ابن سعد کے دائیں بازو (میمنہ) پر

حملہ کیا اور خوب زور کی جنگ کی۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور وہ جانباز صادق داد شجاعت دے کر فرزند رسول کے زانوئے مبارک پر جان فدا کر گیا۔ آپ کے بعد حضرت مسلم بن عوسجہ، بریر بن حفیر، حبیب بن مظاہر اسدی و دیگر رفقاء نے اپنی اپنی جانیں قربان کردیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خوشنودی کے مستحق ٹھہرے۔ کربلا کی تاریخ میں حضرت امام عالی مقام کے ساتھیوں کی وفاداری کا یہ بہت بڑا کارنامہ رہا کہ جب تک ان میں ایک بھی باقی رہا، امام پاک کے خاندان کے کسی شخص کو انہوں نے میدان کارزار میں جانے نہیں دیا۔ بلکہ ان کے کسی ایک فرد کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچنے دی۔ ان کے بعد ہی اولاد حضرت مولیٰ مشکل کشا و دیگر اہل بیت اطہار کی باری آئی کہ وہ میدان کارزار میں تشریف لائیں اور امام پر اپنی جانیں نچھاور فرمائیں۔

اولادِ عقیل کی شہادت

حضرت امام عالی مقام کے اقرباء میں سے حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل نے حضرت امام عالی مقام سے راہ حق میں قربان ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا۔ بیٹے! ابھی تمہارے باپ حضرت امام مسلم کی جدائی کا داغ میرے دل سے نہیں مٹا ہے میں کس طرح تمہیں اجازت دوں؟ حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ اے ابن رسول پاک! آپ کو اس ذات معبود برحق کی قسم! جس نے آپ کے نانا جان کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مجھے آپ اجازت دیجیے میرا دل اپنے باپ کے پاس جانے کے لیے بے قرار ہے۔ حضرت امام نے ان کا شوق شہادت دیکھ کر اجازت دے دی۔

اس ہاشمی جوان نے میدان میں آکر مقابلہ کے لیے پکارا۔ یزیدی لشکر سے قدامہ بن اسد فزاری جو بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر عبداللہ بن مسلم نے تلوار کا ایک ایسا زبردست وار کیا کہ وہ کھیرے کی طرح کٹ کر زمین پر آ گیا۔ پھر کسی یزیدی میں ہمت نہ ہوئی کہ تنہا آپ کے مقابلے میں آتا۔ آپ تین دن کے بھوکے پیاسے ہونے کے باوجود دشمنوں پر

شیر ببر کی طرح حملہ آور ہوتے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کرتے چلے جاتے۔ آپ کی تلوار سے بہتیرے یزیدی زخمی ہوئے اور کئی ایک کو جہنم رسید کیا۔ آخر کار نوفل بن مزاحم حمیری نے آپ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ عمرو بن صبیح صدائی نے آپ پر تیروں کی بارش کر دی جس سے آپ شہید ہوئے، رضی اللہ عنہ۔

(روضۃ الشہداء ج ۲ ص ۲۷۷)

حضرت جعفر بن عقیل اپنے بھتیجے عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد اشکبار آنکھوں سے آگے بڑھے اور حضرت امام پاک کو سلام کر کے اجازت طلب کی۔ امام پاک نے ان کو سینے سے لگایا اور اجازت دی۔ آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں، ہاشمی نسل اور طالب کے گھرانے کا ہوں۔ بے شک ہم تمام قبیلوں کے سردار ہیں اور حسین تمام پاکیزہ لوگوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ شخصیت ہیں۔ اس کے بعد آپ نے لڑنا شروع کیا اور شجاعت و بہادری کا وہ جوہر دکھایا کہ بہت سے یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔ جب یزیدی مردم خور کتے ان سے مقابلہ نہ کر سکے تو چاروں طرف سے گھیر کر آپ پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور فرزند عقیل لہولہان حالت میں عبداللہ بن عزرہ خشعمی کے تیر سے جام شہادت نوش فرما گئے، رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل نے جب اپنے بھائی کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور شیر کی طرح میدان میں کود گئے اور وہ بہادری دکھائی کہ یزیدیوں کے خون سے میدان کربلا کو لالہ زار بنا دیا۔ آخر عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن سوط ہمدانی کے ہاتھوں شہید ہو گئے، رضی اللہ عنہ۔

فرزندان حضرت علی کی شہادت

اولاد حضرت عقیل کی شہادت کے بعد اب حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے فرزندوں کی باری آئی۔ سب سے پہلے حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ حضرت امام عالی مقام سے اجازت لے کر میدان میں تشریف لائے اور اپنی بہادری کا وہ جوہر

دکھایا کہ جس سے حضرت مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی بہادری یاد آ گئی۔ آپ جدھر رخ فرماتے دشمنوں کی صفوں کا صفایا فرما دیتے۔ آخر میں اکیس کاری زخم لگنے سے قدامہ موصلی کے نیزے سے اور بقول بعض عبداللہ بن عقبہ کے تیر سے جام شہادت نوش فرما کر جنت کی طرف روانہ ہوئے، رضی اللہ عنہ۔ (روضۃ الشہداء ج ۲ ص ۲۱۲)

حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی اور حضرت جعفر بن علی، یہ تینوں بھائی ایک ایک کر کے میدان میں گئے اور ہزاروں کوفیوں پر بھاری ہوئے اور اپنی شجاعت اور قوت حیدری کا وہ جوہر دکھایا کہ دشمنوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ بالآخر بہت سے یزیدیوں کو قتل اور زخمی کرنے کے بعد ان تینوں نے بھی فرزند رسول پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

شہادت حضرت قاسم

اب ہاشمی خاندان کے ایک مہکتے ہوئے پھول حضرت قاسم رضی اللہ عنہ جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، ان کی عمر انیس سال ہے۔ حضرت امام عالی مقام کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں۔ حضرت امام دیکھتے ہی ارشاد فرماتے ہیں۔ بیٹا قاسم! کیوں، کیا بات ہے؟ عرض کیا۔ حضور والا! ابا جان کا جب انتقال ہو رہا تھا اس وقت انہوں نے مجھے ایک تعویذ دیا تھا اور وصیت فرمائی تھی کہ اسے اپنے بازو میں باندھ لینا، ایک وقت آئے گا جب میرے بھائی حسین پر مشکل پڑے گی تب اس تعویذ کو کھول کر دیکھ لینا اور جو کچھ اس میں لکھا ہو گا اس پر عمل کرنا۔ چچا جان! اس سے زیادہ اور کون سی مشکل پیش آئے گی۔ میں نے تعویذ کھولا تو اس میں لکھا ہوا ہے "قاسم! کربلا کے میدان میں جب وقت آ پڑے تو علی اکبر کو میدان میں نہ جانے دینا بلکہ خود پہلے جا کر اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دینا۔" چچا جان! میں اپنے ابا جان کی وصیت پوری کرنے کے لیے اجازت لینے آیا ہوں۔ حضرت امام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا۔ بیٹا! تمہیں دیکھ کر میں اپنے بھائی جان کی یاد تازہ کر لیتا تھا، تم ہی بتاؤ کس دل سے اجازت دوں۔ حضرت قاسم نے عرض کیا۔ چچا جان! اگر آپ اجازت نہیں دیں گے اور حضرت علی اکبر شہید

ہو گئے تو کل قیامت کے دن میں اپنے ابا جان کو کیا جواب دوں گا۔ جب حضرت قاسم کا اصرار زیادہ بڑھا تو آپ نے آنکھوں میں آنسو لیے ہوئے انہیں سینے سے لگایا اور اجازت مرحمت فرمادی۔

دشمن کے ایک سپاہی حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ جب آپ میدان جنگ میں آئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا نمودار ہو گیا۔ ان کے جسم پر زرہ بھی نہ تھی بلکہ صرف ایک پیراہن پہنے ہوئے شوق شہادت کے جوش سے میدان میں آ گئے اور یزیدیوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے دین کے دشمنو! میں قاسم بن حسن بن علی ہوں، میں خاندان رسالت کا چشم و چراغ ہوں۔ جسے میرے مقابلے میں بھیجنا ہو بھیجو۔ عمرو بن سعد نے ملک شام کے ایک نامی گرامی پہلوان ارزق سے کہا تم اس کے مقابلے میں جاؤ۔ اس نے کہا۔ اس بچے کے مقابلے میں جانا میری توہین ہے، میں ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گا۔ ابن سعد نے کہا۔ اسے بچہ نہ سمجھو۔ یہ حسن کا بیٹا اور فاتح خیبر کا پوتا ہے۔ تین دن کا بھوکا پیاسا ہے مگر اس کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ ارزق نے کہا۔ کچھ بھی ہو میں تو نہیں جاؤں گا۔ البتہ اپنے چار بیٹوں میں سے بڑے بیٹے کو بھیج دیتا ہوں، ابھی ایک منٹ میں اس کا سر کاٹ کر لے آئے گا۔

ارزق کا بڑا بیٹا آپ کے مقابلے میں آیا۔ آپ نے اس کا مقابلہ کیا اور چند منٹوں میں اس کو تڑپا کر رکھ دیا اور اس کی تلوار اٹھالی۔ ارزق کا دوسرا بیٹا اپنے بھائی کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر غصے میں بھرا ہوا سامنے آیا۔ آپ نے پہلے ہی وار میں اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ اب تیسرا بھائی انتہائی غیض و غضب میں آیا اور گالیاں بکنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیتے کہ یہ اہل بیت نبوت کی شان کے خلاف ہے۔ البتہ تجھے بھی تیرے بھائیوں کے پاس جہنم میں پہنچا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس پر ایسا حملہ کیا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ارزق کا چوتھا بیٹا سامنے آیا تو حضرت قاسم نے اس کے کندھے پر ایسا وار کیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر گیا پھر دوسرا وار اس کے سر پر ایسا مارا کہ سر جسم سے جدا ہو گیا۔

جب ہاشمی نے ارزق کے چاروں بیٹوں کو جہنم رسید کر دیا تو ارزق کا سارا غرور

خاک میں مل گیا اور غصے میں کانپنے لگا اور جن کے مقابلے میں آنا وہ اپنی توہین سمجھتا تھا اب ان ہی سے لڑنے پر مجبور ہو گیا۔ ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا اور شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا اور حضرت قاسم کو للکارا کہ لڑکے، تیار ہو جاؤ، اب موت تمہارے سر پر آ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ارزق! ہوش کی دوا کرتو اوروں کے لیے طاقت کا پہاڑ ہو گا لیکن ہاشمی بہادروں کو تو نے نہیں دیکھا ہے۔ ہماری رگوں میں شیر خدا کا خون ہے تو ہمارے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ارزق آگ بگولہ ہو گیا اور حضرت قاسم پر نیزہ سے حملہ کر دیا۔ آپ نے اس کے وار کو بے کار کر دیا پھر آپ نے بھی نیزہ سے وار کیا جو خالی گیا پھر دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں۔ اچانک حضرت قاسم نے ارشاد فرمایا۔ اے ارزق! تو اپنے آپ کو اتنا بہادر سمجھتا ہے لیکن ہمارے مقابلے میں آکر لڑائی کے سب گر بھول گیا۔ اپنے گھوڑے کی زین ذرا کس لے۔ آپ کے اس فرمان پر جیسے ہی ارزق جھکا، آپ نے تلوار کا ایک ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ارزق کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور خیمے کی طرف آ کر حضرت امام کی خدمت میں عرض کیا یا عماہ العطش العطش اے چچا جان! پیاس، پیاس۔ چچا جان اگر پانی کا ایک پیالہ مل جائے تو ابھی ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا۔ بیٹا! تھوڑی دیر صبر کرو، عنقریب تم ساقی کوثر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے جام کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد پھر کبھی تمہیں پیاس نہیں ستائے گی۔ حضرت قاسم پھر میدان میں آئے۔ ابن سعد نے چلا کر کہا۔ اس نوجوان کو گھیرے میں لے کر قتل کر دو۔ چنانچہ دشمنوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ آپ کے جسم پر ستائیس زخم آئے۔ بالآخر شیث بن سعد نے آپ کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے سے گر پڑے اور یا عماہ ادرکنی پکارا۔ یعنی یا چچا جان! آیئے اور میری خبر گیری کیجئے۔ حضرت امام نے اپنے بھتیجے کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے آئے۔ دیکھا کہ جسم نازنین زخموں سے چور چور ہے۔ آپ نے سر قاسم کو گود میں لے کر چہرہ مبارک سے گرد و غبار صاف کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت قاسم نے آنکھیں کھولیں اور اپنا سر

امام پاک کی گود میں پاکر مسکرائے پھر آپ کی روح پرواز کر گئی، رضی اللہ عنہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (آل مصطفےٰ کی کہانی ص ۱۷، شام کربلا ص ۱۳۴)

حضرت عون و محمد کی شہادت

حضرت عون و محمد امام عالی مقام کے حقیقی بھانجے اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے لخت جگر ہیں۔ ان میں سے ایک کی عمر تیرہ سال اور دوسرے کی عمر پندرہ سال ہے۔ چمن زہرہ کے ان جنتی پھولوں نے آگے بڑھ کر حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کیا۔ ماموں جان! ہمیں بھی نثار ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ امام پاک نے فرمایا۔ نہیں، تمہیں اجازت نہیں۔ تم اپنی ماں کے پاس جاؤ۔ عون و محمد نے کہا۔ ماموں جان! اماں جان کا بھی یہی حکم ہے، دیکھئے وہ بھی سامنے کھڑی ہیں۔ امام پاک نے اپنی بہن سیدہ زینب کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ میری بہن! کچھ خیال کرو۔ کیا میں ان پھول جیسے بچوں کے سینوں پر تیر اور نیزے پار ہوتے دیکھ سکوں گا۔ حضرت سیدہ زینب نے فرمایا۔ میرے پیارے بھیا! اپنی بہن کا یہ حقیر ہدیہ قبول نہیں کرو گے؟ اگر تم نے میرا یہ ہدیہ قبول نہ کیا تو میں اپنی ماں فاطمہ زہرا کو کیا جواب دوں گی جب وہ پوچھیں گی بیٹی تم نے اس وقت کیا نذر پیش کی تھی جب سرور کونین کے شہزادے کے حضور جانوں کے ہدیے پیش ہو رہے تھے۔ میرے یہ دو ہی فرزند ہیں، دونوں آپ پر قربان۔ حضرت امام حسین نے بہن کی طرف دیکھا اور بچوں کو سینے سے لگا کر رخصت کر دیا۔ دونوں بچوں نے میدان میں جا کر بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ بالآخر حضرت عون کو عبداللہ بن قطبۃ الطائی نے اور حضرت محمد کو عامر بن نہشل نے شہید کیا، (رضی اللہ عنہما) حضرت امام پاک ان دونوں کی لاشوں کو خیمے میں لے کر آئے تو زینب نے اپنے دونوں جگر پاروں کو دیکھ کر کہا۔ خدا کا شکر ہے آج زینب سرخرو ہے۔ (شام کربلا ص ۱۳۷)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عون و محمد کی شہادت کے بعد حضرت امام عالی مقام کے علمبردار حضرت عباس ابن علی رضی اللہ عنہما امام پاک کی خدمت میں آئے اور میدان کارزار میں جانے کی اجازت طلب فرمائی۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ اب مجھ سے علی اصغر اور دوسرے ننھے ننھے بچوں کی پیاس دیکھی نہیں جاتی۔ آپ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں نہر فرات سے ایک مشکیزہ پانی لاؤں اور ان پیاسوں کو پلاؤں۔ حضرت امام پاک کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ فرمایا بھائی! تم تو میرے علمبردار ہو۔ عرض کیا۔ میری جان آپ پر قربان۔ اب مجھ سے ننھے ننھے بچوں کی پیاس اور ان کا تڑپنا دیکھا نہیں جاتا۔ اس لیے آپ اجازت دیجئے تاکہ نہر فرات سے پانی لا کر ان کی پیاس بجھا سکوں۔ جب حضرت عباس علمدار کا اصرار زیادہ بڑھا تو حضرت امام عالی مقام نے آپ کو سینے سے لگایا اور اشکبار آنکھوں سے رخصت دے دی۔

حضرت عباس ایک مشکیزہ کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور نہر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ یزیدی فوج نے جب حضرت عباس علمبردار کو نہر فرات کی طرف آتے دیکھا تو دو ہزار یزیدی لشکریوں نے آپ کا راستہ روک لیا۔ حضرت عباس نے یزیدی فوج سے خطاب فرمایا کہ اے کوفیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرماؤ۔ افسوس صد افسوس! کہ تم لوگوں نے بے شمار خطوط اور قاصد بھیج کر نواسہ رسول حضرت امام عالی مقام کو بلایا اور جب وہ آگئے تو ان کے ساتھ تم نے بے وفائی اور دشمنوں سے مل کر ان کے تمام رفقاء اور عزیز و اقارب کو شہید کر دیا اور رسول زادیوں اور ننھے ننھے بچوں کو ایک ایک بوند پانی کے لیے ترسایا۔ سوچو اور غور کرو میدان حشر میں ان کے نانا جان حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ کوفیوں نے جواب دیا۔ اگر تمام روئے زمین پانی ہو جائے تو بھی ہم لوگ تمہیں پانی کا ایک قطرہ نہ لینے دیں گے۔ ظالموں کا یہ جواب سن کر آپ کو جلال آگیا۔ ایک نعرہ شیرانہ لگایا اور فرمایا حسین سر کٹا سکتا ہے لیکن فاسق و فاجر کے سامنے جھکا نہیں سکتے۔

فرات کے محافظوں نے یہ کلمات سنے تو حضرت عباس پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں، نیزوں اور تیروں کی بارش کر دی۔ حضرت عباس نے بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ فرمایا اور نہر فرات کے قریب پہنچ گئے اور گھوڑے کو فرات میں داخل کر دیا۔ مشکیزہ بھرا اور ایک چلو پانی کا لیا مگر ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور بلکنا یاد آیا تو غیرت ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ساقی کوثر کے دلارے اور علی و فاطمہ کے جگر پارے پیاسے رہیں اور میں سیراب ہو جاؤں، فوراً پانی کو پھینکا اور بھرا ہوا مشکیزہ بائیں کندھے پر لٹکایا اور نکل پڑے۔ چاروں طرف سے شور اٹھا کہ راستہ روک لو، مشکیزہ چھین لو اگر یہ مشکیزہ خیمہ حسین تک پہنچ گیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ ادھر حضرت عباس اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طرح اہل بیت نبوت کے پیاسوں تک یہ پانی پہنچ جائے۔ جب دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپ نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح یزیدیوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ لاش پر لاش گرنے لگی اور خون کے فوارے بہنے لگے۔ اسی طرح آپ برابر دشمنوں کو مارتے کاٹتے اور چیرتے پھاڑتے ہوئے خیمہ حسین کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ایک خبیث زرارہ نامی نے پیچھے سے دھوکہ دے کر ایسی تلوار چلائی کہ آپ کا بایاں ہاتھ کٹ کر کندھے سے الگ ہو گیا۔ آپ نے فوراً مشکیزہ کو اپنے دائیں کندھے پر لٹکا لیا اور اسی ہاتھ سے تلوار بھی چلاتے رہے کہ پھر اچانک نوفل بن ارزق خبیث نے ایسا وار کیا کہ داہنا ہاتھ بھی کندھے سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ اب آپ نے مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ مگر مشکیزہ کا خیمہ حسینی تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہی نہ تھا۔ ایک بدبخت نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ مشکیزہ کے پار ہو گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ پھر ظالموں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر زخموں سے چور چور کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر آ گئے اور یا اخاہ ادرکنی فرمایا۔ یعنی اے بھائی جان! میری خبر گیری فرمائیے۔ امام عالی مقام دوڑ کر تشریف لائے۔ دیکھا کہ عباس علمبردار خون میں نہائے ہوئے ہیں اور عنقریب جام شہادت نوش فرمانے والے ہیں، شدت غم سے امام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے۔ الآن انکسر ظھری اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ پھر حضرت عباس کی لاش کو آپ اٹھا کر خیمہ کی طرف لا رہے تھے کہ ان کی روح

قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (شام کربلا ص ۱۳۹، روضۃ الشہداء ج ۲ ص ۲۲۰)

حضرت علی اکبر کی شہادت

حضرت امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ جملہ احباب، اقرباء اور بھائیوں بھتیجوں میں سے سب نے جام شہادت نوش فرمالیا ہے اور آپ کے ساتھ بجز آپ کے تین صاجزادوں امام زین العابدین، حضرت علی اکبر اور حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہم کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ حضرت امام زین العابدین بیمار تھے۔ حضرت علی اصغر ابھی شیر خوار تھے اور حضرت علی اکبر کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ آپ نے خود بنفس نفیس میدان جنگ میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت علی اکبر نے جب والد گرامی کو میدان میں جاتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر حضرت امام سے لپٹ گئے اور عرض کی۔ ابا جان! آپ میرے ہوتے ہوئے میدان جنگ میں کیوں تشریف لے جا رہے ہیں، مجھے اجازت دیجئے۔ حضرت امام نے محبت بھری نگاہ اپنے فرزند ارجمند پر ڈالی اور فرمایا۔ بیٹا! میں تمہیں کس دل سے اجازت دوں۔ کیا میں تمہیں خاک و خون میں غلطاں ہونے کی اجازت دوں؟ بیٹا! تم نہ جاؤ، یہ یزیدی صرف میرے خون کے پیاسے ہیں، مجھے شہید کرنے کے بعد یہ کسی سے تعارض نہ کریں گے لیکن حضرت علی اکبر نے بہت اصرار کیا اور قسمیں دیں تو امام عالی مقام کو چار و ناچار اجازت دینی پڑی۔

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں جانے کے لیے تیار ہوئے تو امام عالی مقام نے خود اپنے ہاتھوں سے اٹھارہ سالہ حسین و جمیل جوان بیٹے کو گھوڑے پر سوار کیا۔ اپنے دست مبارک سے اسلحے لگائے، تلوار حمائل کی اور نیزہ اپنے دست اقدس سے ان کے ہاتھ میں دیا۔ بیٹے نے ابا جان اور خیمہ میں کھڑی ہوئی دکھ رسیدہ بیبیوں کو سلام کیا اور میدان جنگ کی طرف چل پڑے۔

یہاں پر ہم ایک لمحے کے لیے اپنے قارئین کی توجہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما الصلوۃ والسلام کے واقعہ قربانی کی طرف مبذول کراتے ہیں کہ جب حضرت

ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے تیار کر چکے تھے تو کہا کہ میں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتا ہوں تاکہ شفقت پدری کی وجہ سے اس میں ناکامی نہ ہو۔ کربلا کی دھرتی پر حضرت امام اپنی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھتے ہیں بلکہ خود اپنے ہاتھوں تیار کر کے اپنے بیٹے کو میدان کارزار میں بھیج رہے ہیں اور ان کو قربان ہوتے اور لاشہ لاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

حضرت علی اکبر جو شکل و شمائل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے، میدان جنگ میں پہنچے اور مبارز طلب فرمایا۔ لیکن یزیدی لشکر میں سے کوئی سامنے نہ آیا تو آپ نے خود ہی لشکر اعداء میں گھس کر حملہ کر دیا اور اشقیاء کو درہم برہم کر دیا اور کافی دیر تک لڑتے رہے جب پیاس سے بے قرار ہو گئے تو پلٹ کر ابا جان کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا ابتاہ العطش ابا جان! پیاس کا بہت زیادہ غلبہ ہے۔ حضرت امام نے ان کے چہرے کے گرد و غبار صاف کیے اور اپنی انگشتری ان کے منہ میں ڈال دی جس کے چوسنے سے انہیں تسکین ہوئی اور پھر میدان میں آئے اور مبارز طلب فرمایا۔ عمرو بن سعد کے بار بار غیرت دلانے اور موصل کی گورنری کی لالچ مین طارق نامی ایک پہلوان آپ کے مقابلہ میں نکلا لیکن حضرت علی اکبر نے ایسا کاری وار کیا کہ وہ گھوڑے سے گرا اور ڈھیر ہو گیا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے جب اپنے باپ کا یہ حال دیکھا تو غصے میں آگ بگولہ ہو گیا اور دوڑ کر حضرت علی اکبر پر حملہ کر دیا۔

شہزادے نے ایک ہی وار میں اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق آیا، اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شہزادے کی ہیبت سے پورا یزیدی لشکر تھرا اٹھا۔ اب یزیدیوں میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے مقابلے میں آئے۔ آخر ابن سعد نے محکم بن طفیل کو ہزار سواروں کے ساتھ یکبارگی حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ان نابکاروں نے چاروں طرف سے آپ کو نرغے میں لے لیا۔ اور اس چمنستان فاطمی کے پھول کو زخموں سے چور چور کر دیا۔ بالآخر آپ پشت زین سے روئے زمین پر آ گئے اور پکارا یا ابتاہ ادرکنی اے ابا جان! میری خبر گیری فرمائیے۔ حضرت امام عالی مقام گھوڑا بڑھا کر میدان میں پہنچے اور شہزادے کو اٹھا کر خیمہ میں لائے۔ سر کو

گود میں لیا اور ان کے چہرہ انور سے گرد آلود خون صاف کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت علی اکبر نے آنکھیں کھولیں ابا جان کا آخری دیدار کیا اور بہشت بریں کو روانہ ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (شام کربلا ص ۱۴۴ روضۃ الشہداء ص ۳۲۷)

حضرت علی اصغر کی شہادت

سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے فرزند ارجمند سیدنا علی اصغر رضی اللہ عنہ جو ابھی کمسن ہیں، شیر خوار ہیں، پیاس سے بے تاب ہیں، شدت تشنگی سے تڑپ رہے ہیں، دشمنان اسلام یزیدیوں نے میدان کربلا میں نہر فرات کا پانی سات محرم الحرام سے بند کر رکھا ہے۔ تین دن ہو گئے ہیں اہل بیت اطہار پر کھانا پانی بند ہے، بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے اور خیمے میں کہیں بھی پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ ایسے عالم میں اس ننھے بچے کی خشک زبان کبھی باہر آتی ہے اور کبھی بے چینی سے پورا بدن ملنے لگتا ہے اور غش کھا کر بے ہوش ہو جاتے ہیں پھر چند لمحوں بعد کبھی ماں کی طرف دیکھتے ہیں اور اپنی سوکھی زبان ماں کی طرف دکھاتے ہیں تو کبھی باپ کو دیکھ کر ان کی طرف دکھاتے ہیں۔ معصوم بچہ کیا جانے کہ ظالموں نے ان کے اوپر دانہ پانی بند کر رکھا ہے۔ جب اس ننھے بچے کی بے تابی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو حضرت رباب بنت امرئ القیس (والدہ علی اصغر) بچے کو گود میں لیے حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ میرے سرتاج اب علی اصغر کی پیاس اور بے تابی دیکھی نہیں جاتی۔ اس کو گود میں لے کر جائیے اور ظالموں کو دکھائیے۔ شاید ان سنگ دلوں کو اس بچے کی پیاس اور بے تابی پر ترس آجائے اور پانی کے چند گھونٹ اس کو پلا دیں۔ یہ ننھی سی جان، چھ مہینے کا علی اصغر نہ جنگ کرنے کے لائق ہے اور نہ میدان کارزار کے قابل۔

حضرت امام عالی مقام اس ننھے سے نور نظر کو سینہ سے لگا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے اور فرمایا۔ اے میرے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! میں نے اپنا تمام کنبہ اور خاندان واحباب کو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کی نظر کر دیا ہ اب بھی اگر

آتش بغض و عناد جوش میں ہے تو اس کے لیے میں ہوں یہ میرا بچہ علی اصغر شیر خوار ہے، پیاس سے دم توڑ رہا ہے، اس کی بے تابی دیکھو اور کچھ شائبہ بھی رحم کا ہو تو اس کا حلق تر کرنے کو ایک گھونٹ پانی دے دو۔

حضرت امام عالی مقام کی اس تقریر کا ظالمان سنگدل پر کوئی اثر نہیں ہوا اور اس بے زبان بچے پر ان کو ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ بجائے پانی کے ایک بدبخت ازلی حرملہ بن کاہل نے تیر کا ایسا نشانہ باندھ کر مارا کہ علی اصغر کے حلق کو چھید تا ہوا امام پاک کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ حضرت امام نے تیر کھینچا تو حضرت علی اصغر کے گلے سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا اور بچے نے تڑپ کر باپ کی گود میں جان دے دی، رضی اللہ عنہ۔

جب حضرت امام عالی مقام اس شگوفہ تمنا کو خیمہ میں لائے اور ان کی والدہ نے اول نظر میں دیکھا کہ بچے کے جسم میں بے تابانہ حرکتیں نہیں ہیں، سکون کا عالم ہے تو گمان کیا کہ پانی پلا دیا گیا ہو گا۔ حضرت امام سے دریافت کیا۔ فرمایا وہ بھی ساقی کوثر کے جام رحمت و کرم سے سیراب ہونے کے لیے اپنے بھائیوں سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چھوٹی سی قربانی بھی قبول فرمالی۔ الحمد للہ علی احسانہ ونوالہ۔

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

(سوانح کربلا ص ۱۲۳، روضۃ الشہداء ج ۲ ص ۳۳۸)

نوٹ: حضرت امام عالی مقام حضرت علی اصغر کو دشمنوں کے سامنے صرف حجت قائم کرنے کے لیے لے گئے تھے کہ کل یزیدی یہ نہ کہیں کہ اگر ہمیں ننھے شیر خوار علی اصغر کی پیاس کا علم ہوتا تو ہم ضرور اس بچے کو پانی دیتے۔

تاجدار کربلا حضرت سیدنا

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

جاں نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امام عالی مقام پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اب تنہا امام عالی مقام، راکب دوش رسول شہزادہ بتول، حضرت علی کے نور نظر، جنتی نوجوانوں کے سردار، شہنشاہ کربلا، پیکر صبر و رضا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جو اپنی بیماری، نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے بستر علالت پر ہیں، حضرت امام عالی مقام کو تنہا دیکھا تو نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ باباجان! پہلے ہمیں میدان کارزار میں جانے اور اپنی جان نثار کرنے کی اجازت دیجئے۔ میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام عالی مقام نے بیمار نور نظر کو اپنی آغوش محبت میں لیا، پیار کیا اور فرمایا۔ بیٹا! ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے، ابھی تو تمہیں غمزدہ خواتین اہل بیت کی نگہداشت کرنی ہے اور ان بیکسان اہل بیت کو وطن تک پہنچانا ہے۔ میرے فرزند! اللہ تعالیٰ تم ہی سے میری نسل اور حسینی سادات کا سلسلہ جاری فرمائے گا اور جو امانتیں میرے جد و پدر کی میرے پاس ہیں، وہ تم کو دینا ہے۔ تم سے بہت ساری امیدیں باقی ہیں۔ دیکھو میرے فرزند! میرے لخت جگر! صبر و استقامت سے رہنا اور راہ حق میں آنے والی ہر تکلیف و مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا اور ہر حالت میں اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و سنت کی پابندی کرنا اور جب بھی مدینہ پہنچنا تو نانا جان سے میرا سلام کہنا اور سارا آنکھوں دیکھا حال سنانا۔ میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو، اس لیے تمہیں

میدان کارزار میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔

پھر امام عالی مقام نے ان کو تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا۔ اپنی دستار مبارک اتار کر سر پر رکھی اور اس صبرو رضا کے پیکر کو بستر علالت پر لٹا دیا۔ اب امام پاک اپنے خیمہ میں تشریف لائے، صندوق کھولا، قبائے مصری زیب تن فرمائی۔ اپنے نانا جان کا عمامہ مبارک سر پر باندھا۔ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی ڈھال پشت پر رکھی۔ شیر خدا حضرت سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی تلوار ذوالفقار گلے میں حمائل کی اور حضرت جعفر طیار کا نیزہ ہاتھ میں لیا اور اپنے برادر اکبر سیدنا امام حسن کا پٹکا کمر میں باندھا۔ اس طرح شہیدوں کے آقا، جنت کے نوجوانوں کے سردار سب کچھ راہ حق میں قربان کرنے کے بعد اب اپنی جان عزیز کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اہل خیمہ نے اس منظر کو کن آنکھوں سے دیکھا ہو گا۔ ان کا سردار ان سے طویل عرصہ کے لیے جدا ہونے والا ہے، ناز پروردوں کے سروں سے شفقت پدری کا سایہ اٹھنے والا ہے۔ نونہالان اہل بیت کے گرد یتیمی منڈلا رہی ہے۔ ازواج کا سہاگ رخصت ہو رہا ہے۔ بے کس قافلہ حسرت بھری نگاہوں سے امام کے چہرہ پر نظر کر رہا ہے، نورانی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضرت امام پاک نے اہل بیت اطہار کو خدا کے سپرد فرمایا۔ سب کو صبرو شکر کی تلقین فرمائی اور سب کو اپنا آخری دیدار دکھا کر آخری سلام کر کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

تین دن کے بھوکے پیاسے اور اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور جاں نثاروں کو راہ حق میں قربان کر دینے والے امام پہاڑوں کی طرح جمی ہوئی فوجوں کے مقابلے میں شیر کی طرح ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور میدان کربلا میں ایک ولولہ انگیز رجز پڑھی جو آپ کے نسب اور ذاتی فضائل پر مشتمل تھی اور اس میں شامیوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی و ناراضگی اور ظلم کے انجام سے ڈرایا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ اس میں آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! تم جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہو اسی رسول کا ارشاد ہے کہ جس نے حسن و حسین سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی

اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی۔ تو اے یزیدیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری دشمنی سے باز آؤ۔ اگر واقعی خدا و رسول پر ایمان رکھتے ہو تو سوچو اس خدائے سمیع و بصیر کو کیا جواب دو گے؟ اور محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ اپنے رسول کے لاڈلوں کا گھر اجاڑنے والو! اپنے انجام پر نظر کرو۔ بے وفاؤ! تم نے مجھے خطوط اور قاصد بھیج کر بلایا اور کہا کہ ہماری رہنمائی فرمایئے اور ہمیں شریعت و سنت رسول پر عامل بنایئے ورنہ ہم خدا کے حضور آپ کا دامن پکڑ کر شکایت کریں گے اس لیے میں چلا آیا اور جب میں یہاں آگیا تو تم نے میرے ساتھ برا سلوک کیا اور مظالم کی انتہا کر دی۔ ظالمو! تم نے میرے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کو خاک و خون میں تڑپایا۔ میرے رفقاء کو شہید کیا اور اب میرے خون کے پیاسے ہو۔ اے یزیدیو! سوچو کہ میں کون ہوں؟ کس کا نواسہ ہوں؟ میرے والد گرامی اور میری والدہ صاحبہ کون تھیں؟ بے غیرتو! اب بھی وقت ہے، شرم سے کام لو اور میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔ اتنے میں یزیدی لشکر میں شور اٹھا اور کسی نے کہا اے حسین! ہم کچھ سننا نہیں چاہتے۔ آپ کے لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ آپ یزید کی بیعت کر لیجئے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جایئے۔ امام عالی مقام نے فرمایا۔ اے بدبختو! مجھے خوب معلوم ہے کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور تمہاری غیرت ایمانی مردہ ہو چکی ہے۔ اے یزیدیو! میں نے یہ تقریر صرف اتمام حجت کے لیے کی تھی تاکہ کل تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے حق اور امام برحق کو نہیں پہچانا تھا۔ الحمد للہ، میں نے تمہارا یہ عذر ختم کر دیا۔ اب رہا یزید کی بیعت کا سوال؟ تو یہ مجھ سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں فاسق و فاجر کے سامنے سر جھکا دوں۔

مرد حق باطل سے ہرگز خوف کھا سکتا نہیں
سر کٹا سکتا ہے لیکن سر جھکا سکتا نہیں

امام عالی مقام نے جب دیکھا کہ یہ بدبخت میرے قتل کا وبال اپنی گردنوں پر ضرور لیں گے اور میرا خون بہائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے تو آپ نے فرمایا۔ اب تم لوگ جو ارادہ رکھتے ہو، اسے پورا کرو اور جسے میرے مقابلے کے لیے بھیجنا چاہتے ہو،

بھیجو۔ چنانچہ مشہور جنگ جو اور بہادر جو حضرت امام حسین سے مقابلہ کرنے کے لیے محفوظ رکھے گئے تھے' ان میں سے ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم بن قحطبہ کو آپ کے مقابلے کے لیے بھیجا جو ملک شام کا نامی گرامی پہلوان تھا۔ وہ غرور و تکبر کے کلمات کہتا ہوا اور اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہوا حضرت امام کے سامنے آیا اور آتے ہی آپ پر حملہ کرنا چاہا کہ شیر خدا کے شیر نے ذوالفقار کا ایسا کاری وار کیا کہ اس کا سر جسم سے جدا ہو گیا اور اس کی تمام بہادری اور غرور کو خاک میں ملا دیا۔ یہ دیکھ کر یزید ابطحی بڑے کروفر کے ساتھ آگے بڑھا اور آپ کے سامنے پہنچ کر ایک نعرہ مارا اور کہا کہ شام و عراق کے بہادروں میں میری بہادری کا غلغلہ ہے۔ میں روم و مصر میں شہرہ آفاق ہوں' بڑے بڑے بہادروں کو آنکھ جھپکتے میں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں' ساری دنیا کے لوگ میری شجاعت و بہادری کا لوہا مانتے ہیں' کسی میں میرے مقابلے کی تاب نہیں۔ آج تم میری قوت و بہادری دیکھ لو گے۔ امام عالی مقام نے فرمایا۔ تو مجھے جانتا نہیں' میں فاتح خیبر شیر خدا علی مشکل کشا کا شیر ہوں' تم جیسے نامردوں کی میرے نزدیک کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شامی جوان یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً گھوڑا کدا کر آپ پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت امام نے اس کے وار کو بے کار کر کے پھرتی کے ساتھ اس کی کمر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

بدر بن سہیل یہ منظر دیکھ کر غصے سے لال پیلا ہو گیا اور ابن سعد سے کہا کن بزدلوں اور بہادری کے نام کو بدنام کرنے والوں کو حسین کے مقابلے میں بھیج دیا جو دو ہاتھ بھی جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ میرے چاروں بیٹوں میں سے کسی کو بھیج دے۔ پھر دیکھ منٹوں میں حسین کا سر کاٹ لاتے ہیں۔ چنانچہ ابن سعد نے اس کے بڑے لڑکے کو اشارہ کیا۔ وہ گھوڑا کداتا ہوا امام عالی مقام کے سامنے پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ بہتر ہوتا کہ تیرا باپ مقابلہ میں آتا تاکہ وہ تجھے خاک و خون میں تڑپتا ہوا نہ دیکھتا پھر آپ نے ذوالفقار حیدری کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر کے جہنم میں پہنچا دیا۔

بدر نے جب اپنے بیٹے کا یہ حشر دیکھا تو غیظ و غضب میں دانت پیستا ہوا گھوڑا دوڑا کر امام کے سامنے آیا اور آتے ہی نیزہ سے وار کیا۔ آپ نے نیزہ کو روکا تو اس نے

فوراً تلوار سے حملہ کردیا۔ آپ نے اس وار کو بھی خالی کردیا اور اس پر شمشیر ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ بدر کا سر کٹ کر گیند کی طرح دور جا گرا۔ اسی طرح نئے نئے شمشیرزن، نیزے باز اور بہادران شام و عراق آپ کے مقابلے میں آتے اور گاجر مولی کی طرح کٹ کر ختم ہو جاتے۔ شیر خدا کے شیر نے تین دن کی بھوک پیاس کے باوجود شجاعت و بہادری کا وہ جوہر دکھایا کہ زمین کربلا بہادران شام و عراق کی لاشوں سے کھیت ہو گئی۔ دشمنان اسلام کے لشکر میں ایک شور اٹھا کہ اگر جنگ کا یہی انداز رہا تو ہماری جماعت کا ایک بھی سپاہی نہ بچ سکے گا۔ لہٰذا موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کردو۔ اب سینکڑوں تلواریں چمکنے لگیں اور دشمنان اسلام بڑھ بڑھ کر امام پاک پر حملہ کرنے لگے۔ ادھر آپ کی تلوار ذوالفقار سے آپ جس طرف حملہ کرتے پرے کے پرے کاٹ ڈالتے اور دشمنوں کے سروں کو اس طرح اڑاتے جیسے باد خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔

ابن سعد کو جب اس طرح کی جنگ میں بھی کامیابی نظر نہ آئی تو اس نے حکم دیا کہ چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کردی جائے اور جب خوب زخمی ہو جائیں تو نیزوں سے حملہ کیا جائے۔ تیر اندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور چاروں طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ حضرت امام کا گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی طاقت نہ رہی۔ مجبوراً حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ ہر طرف سے تیر آرہے ہیں اور امام مظلوم کا جسم اقدس تیروں کا نشانہ بن رہا ہے، تن نازنین زخموں سے چور اور لہولہان ہو رہا ہے۔ بے وفا کوفیوں نے جگر پارہ رسول فرزند بتول کو خطوط اور قاصدوں کے ذریعے بلا کر مہمان بنانے کا وعدہ کیا تھا اور وہ اپنے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ اچانک زہر میں بجھا ہوا ایک تیر آیا اور حضرت امام پاک کی پیشانی پر لگا یہ وہ پیشانی ہے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں بار چوما تھا۔ تیر لگتے ہی چہرہ انور پر خون کا دھارا بہہ نکلا۔ آپ غش کھا کر زمین پر آرہے۔ اب ظالموں نے نیزہ سے حملہ کردیا۔ شیطان صفت سنان نے ایک ایسا نیزہ مارا جو تن اقدس کے پار

ہو گیا تیر، نیزہ اور شمشیر کے بہتر زخم کھانے کے بعد آپ سجدے میں گرے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ ۵۶ سال ۵ ماہ ۵ دن کی عمر شریف میں جمعہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ مطابق ۶۸۰ء کو امام عالی مقام اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نضر بن خرشہ آپ کے سر مبارک کو تن اقدس سے جدا کرنے کے لیے آگے بڑھا اور امام عالی مقام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ اٹھے اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پھر بدبخت ازلی خولی بن یزید، سنان بن انس، شبل بن یزید، یا شمر خبیث نے آپ کے سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کر دیا۔

یزیدیوں نے سمجھا کہ ہم نے حسین کو مار ڈالا اور وہ مر گئے لیکن زمین کربلا کا ذرہ ذرہ زبان حال سے ہمیشہ یہ پکارتا رہے گا کہ اے حسین!

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ!
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

نواسہ رسول جگر گوشہ بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو صرف بے دردی سے شہید کرنے پر ہی یزیدیوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے جسم مبارک پر جو کپڑے تھے ان کو بھی لوٹ لیا گیا۔ چنانچہ اسحاق بن حیوہ حضرمی نے قمیص اتار لی۔ بحر بن کعب نے پاجامہ اتارا، قیس بن اشعث نے چادر اتار لی۔ جب سے اس کا نام قیس قطیفہ مشہور ہو گیا۔ اسود بن خالد نے نعلین مبارک اتار لیں۔ بنی نہشل کے ایک شخص نے آپ کی تلوار لے لی جو بعد میں حبیب بن بدیل کے خاندان میں آ گئی۔ اس قدر ظلم و ستم کرنے کے بعد بھی سنگدل اور خونی شامیوں اور کوفیوں کا جذبہ بغض و عناد سرنہ ہوا۔

اس کے بعد یزیدی فوج نے اہل بیت نبوی کے خیموں پر چھاپہ مارا اور ان میں تمام اسباب و سامان لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ پردہ نشینان عفاف کے سروں سے چادریں (اوڑھنیاں) اتار لیں۔ اس کے بعد خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ (طبری ج ۵ ص ۲۷۸)

اس کے بعد عمرو بن سعد نے اپنی فوج میں آواز دی کہ کون کون ایسے ہیں جو لاش حسین کو گھوڑوں سے پامال کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس پر دس آدمی تیار ہوئے، ان میں

اسحاق بن حیوہ حضرمی بھی تھا۔ یہ دسوں سوار آئے اور اپنے گھوڑوں سے امام حسین کے جسم اقدس کو پامال کر کے ان کے سینہ و پشت کو چور چور کر دیا۔

اس شقاوت و سنگدلی پر زمین کانپ اٹھی۔ عرش الٰہی تھرا گیا۔ زمین و آسمان خون کے آنسو روئے اور جن و انس میں صف ماتم بچھ گئی۔ خاص طور سے اس شقاوت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا صدمہ پہنچا ہو گا اس کا اندازہ آنے والے صفحات سے ہو گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو

صدمہ جانکاہ

سرزمین کربلا میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ یزیدیوں نے جو سلوک کیا اس واقعہ ہائلہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج پہنچا اور قلب مبارک کو جو صدمہ ہوا وہ اندازہ اور قیاس سے باہر ہے۔ سنن امام احمد و بیہقی اور مشکوٰۃ میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یری النائم ذات یوم بنصف النھار اشعث اغبر بیدہ قارورہ فیھا دم فقلت بابی انت وامی ما ھذا قال ھذا دم الحسین و اصحابہ ولم ازل القطہ منذالیوم فاحصی ذالک الوقت فاجد قتل ذالک الوقت ایک روز میں دوپہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سنبل معنبر و گیسوئے معطر بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں۔ دست مبارک میں ایک خون بھرا شیشہ ہے۔ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ کیا ہے؟ فرمایا حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے، میں اسے آج صبح سے اٹھا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اس تاریخ اور وقت کو یاد رکھا جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین اسی وقت اور اسی تاریخ کو شہید کیے گئے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف مترجم باب فضائل اہل بیت ص ۴۹۱ تاریخ الخلفاء ص ۳۰۴)

حضرت سلمٰی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافع کی زوجہ اور حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی ہیں، وہ بیان فرماتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ رو

رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ انھوں نے فرمایا رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی راسہ ولحیتہ التراب فقلت مالک یا رسول اللہ! قال شھدت قتل الحسین آنفا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر مبارک و ریش اقدس (داڑھی مبارک) پر گرد و غبار ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا میں ابھی حسین کی شہادت گاہ پر گیا تھا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۷، شرح الصدور ص ۲۵۱، تاریخ الخلفاء ص ۲۰۴)

محترم قارئین کرام! مذکورہ بالا دونوں احادیث کریمہ سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور امت کے اعمال سے بھی باخبر ہیں۔ نیز ان یزید کے بیٹوں فاسقوں اور نمک حراموں کو بھی اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ خاص طور سے اورنگ آباد کے ظہور احمد قرشی، پاکستان کے محمود احمد عباسی اور اس کے متبعین خارجیوں کو جو واقعات کربلا کا انکار کرتے ہیں اور اسے افسانوی حیثیت قرار دیتے ہیں شرم آنی چاہیے۔

واقعاتِ بعد شہادت

حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں بصرہ ازدیہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو آسمان سے خون برسا۔ صبح کو ہمارے مٹکے گھڑے اور تمام برتن خون سے بھرے ہوئے تھے۔ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین جس روز شہید کیے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا۔ (صواعق محرقہ ص ۶۴۴)

حضرت ام حبان فرماتی ہیں کہ حضرت امام حسین جس دن شہید کیے گئے اس دن سے ہم پر تین دن تک اندھیرا رہا اور جس شخص نے منہ پر زعفران ملا اس کا منہ جل گیا اور بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔ حضرت علی بن شیر سے روایت ہے کہ میں نے اپنی دادی سے سنا وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت امام حسین کی شہادت کے زمانے میں جوان لڑکی تھی، کئی روز تک آسمان رویا یعنی آسمان سے خون برسا۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۹)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین کی شہادت کے دن سورج گہن میں آگیا تھا اور مسلسل چھ ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے۔ بعد میں رفتہ رفتہ وہ سرخی جاتی رہی۔ البتہ افق کی سرخی جس کو شفق کہا جاتا ہے آج تک موجود ہے۔ یہ سرخی شہادت امام حسین سے پہلے موجود نہیں دیکھی گئی تھی۔

یزیدی لشکریوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ایک اونٹ پایا اور شہادت امام کے بعد اس کو ذبح کیا اور پکایا تو اس کا گوشت آگ کی طرح سرخ بن گیا اور جب اس کو پکایا گیا تو وہ کڑوا ہو گیا اور آپ فرماتے ہیں کہ حضرت امام کی شہادت کے بعد سات دن تک میدان کربلا میں اندھیرا رہا، دیواروں پر دھوپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور بہت سے ستارے بھی ٹوٹے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۴، صواعق محرقہ ص ۶۴۵)

جنوں کی نوحہ خوانی

ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ام سلمہ کی زبانی لکھا ہے کہ میں نے شہادت حسین پر جنات کو اشک باری اور نوحہ کرتے دیکھا ہے۔ ثعلب نے امالی میں ابی حباب کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے کربلا میں جا کر ایک معزز عرب سے دریافت کیا کہ کیا تم نے جنات کو گریہ و زاری کرتے سنا ہے؟ اس نے کہا تم جس سے چاہو پوچھ لو، ان کی گریہ و زاری ہر ایک نے سنی ہے۔ میں نے کہا جو کچھ تم نے سنا ہے وہ مجھے بھی بتاؤ، اس شخص نے جواب دیا میں نے جنات کی زبانی یہ اشعار سنے ہیں:

مسح الرسول جبینہ فلہ	اس جبین کو رسول نے چوما تھا ہے نور
بریق فی الخدور ابواہ من علیا	وہی ان کے چہرے پر ان کے والدین قریش
قریش وجدہ خیر الجدود	کے اعلیٰ خاندان ان کے نانا جان تمام اجداد سے بہتر ہیں۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۰۵، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۹)

اہل بیت اطہار کی کربلا سے کوفہ کو روانگی

نواسہ رسول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کی لاش مبارک کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندنے کے بعد یزیدی لٹیروں نے اہل بیت کا کل سامان چھین لیا۔ اس وقت خانوادہ نبوی میں عابد بیمار حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ باقی تھے۔ جس وقت شمر کی نظر ان پر پڑی، اپنے سپاہیوں سے کہا۔ اس کو کیوں باقی رکھا؟ اس کو بھی قتل کر دو۔ ایک شخص حمید بن مسلم کے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحم ڈال دیا۔ اس نے کہا۔ سبحان اللہ! یہ بیمار اور کمسن ہے، اس کو قتل مت کرو۔ اتنے میں ابن سعد آیا اور اس نے کہا۔ کہ کوئی شخص عورتوں کے خیمہ میں نہ جائے اور جو کچھ مال لوٹا گیا ہے اس کو واپس کر دیا جائے لیکن کسی نے کوئی چیز واپس نہ کی۔ (طبری ج ۵ ص ۲۷۹)

اس کے بعد عمرو ابن سعد نے تمام شہداء کے سر کاٹنے کا حکم دیا اور شمر ذی

الجوشن، قیس بن اشعث، عمرو بن الحجاج اور عروہ بن قیس کے ہاتھ یہ سر حضرت امام عالی مقام کے سر کے ساتھ ابن زیاد کے پاس بھجوا دیئے۔ یہ لوگ ان سروں کو نیزوں پر لٹکا کر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ خود ابن سعد اس روز کربلا میں ٹھہر گیا اور گیارہ محرم کی صبح کو اپنی فوج کے تمام مقتولین کو جمع کیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا۔ مگر شہدائے راہ حق کی لاشوں کو ایسے ہی بے گور و کفن پڑی رہنے دیا پھر پردہ نشین خواتین جو بیمار زین العابدین اور چند چھوٹے بچوں کے ساتھ کھلے آسمان کے نیچے رات بھر پڑی رہیں، انہیں قیدی بنا کر کوفہ روانہ ہوا۔

یزیدی فوج کے ایک سپاہی قرہ بن قیس تمیمی کا بیان ہے کہ جب یہ تباہ شدہ قافلہ اس جگہ سے گزرنے لگا جہاں حضرت حسین اور دیگر شہداء کی لاشیں بے گور و کفن چٹیل میدان میں پڑی تھیں تو قافلے میں ایک ماتم بپا ہو گیا اور حضرت امام کی بہن حضرت زینب نے انتہائی درد کے ساتھ روتے ہوئے کہا یا محمداہ، یا محمداہ آپ پر اللہ اور ملائکہ کا درود و سلام ہو۔ دیکھئے یہ حسین چٹیل میدان میں خاک و خون میں غلطاں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پڑے ہیں۔ یا محمداہ آپ کی بیٹیاں قیدی بنا کر لے جائی جا رہی ہیں۔ آپ کی اولاد قتل کی گئی اور ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔ یہ دلدوز فریاد سن کر دوست و دشمن سب رونے لگے۔ پھر جب عمرو بن سعد کربلا سے چلا گیا تو قبیلہ بنی اسد جو قریہ غاضریہ کے تھے، ان لوگوں نے آ کر ان شہداء کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت امام حسین اور ان کے تمام ساتھیوں کی لاشوں کو دفن کر دیا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۸۱-۲۸۰، الحسین عربی ص ۱۵۴)

امام حسین کا سر انور اور ابن زیاد

ابن زیاد کوفہ کے دارالامارت میں بیٹھا تھا اور لوگوں کو محل میں آنے کی عام اجازت تھی۔ جب دربار بھر گیا تو ابن زیاد کے سامنے حضرت امام عالی مقام کا سر اقدس ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ اس وقت ظالم ابن زیاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ جس سے وہ بار بار آپ کے لبوں اور دانتوں کو مارتا تھا۔ ایک صحابی رسول حضرت زید بن

ارقم رضی اللہ عنہ جو اس وقت وہاں پر موجود تھے' ان سے یہ گستاخی نہ دیکھی گئی۔ تڑپ اٹھے اور روتے ہوئے کہا۔ اے ابن مرجانہ! چھڑی کو ہٹالے۔ خدا کی قسم! میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ ان لبوں اور دانتوں کو چوما کرتے تھے۔ یہ کہہ کر بے اختیار رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا۔ خدا تجھے خوب رلائے۔ اگر تو بڈھا نہ ہوتا اور تیری عقل خراب نہ ہو گئی ہوتی تو میں اسی وقت تیری گردن مار دیتا۔ حضرت زید وہاں سے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ اے لوگو! آج کے بعد سے تم سب غلام بن گئے کیونکہ تم لوگوں نے فاطمہ کے لخت جگر کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا حاکم بنایا جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کر رہا ہے اور بروں کو غلام بنا رہا ہے۔ تم نے ذلت کو گوارا کیا اور جو ذلت کو گوارا کرے اس پر خدا کی مار ہے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۸۱' سیر الصحابہ ص ۱۷۴' مولف ندوی)

ابن زیاد اور حضرت زینب

سر امام عالی مقام کے بعد اہل بیت کے دوسرے افراد ابن زیاد کے سامنے پیش کیے گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت امام عالی مقام کی ہمشیرہ ہیں۔ آپ کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی۔ محل کے ایک گوشے میں بیٹھ گئیں اور آپ کی کنیزوں نے آپ کے گرد حلقہ بنا لیا تھا۔ ابن زیاد نے پوچھا' یہ کون عورت ہے؟ تین دفعہ اس نے یہ کہا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر ایک کنیز نے کہہ دیا یہ رسول اللہ کی نواسی' فاطمۃ الزہرا کی بیٹی اور حضرت امام حسین کی ہمشیرہ ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد جو فتح و ظفر کے نشے میں چور تھا آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں ذلیل و خوار کیا اور جھٹلایا۔ شیر خدا کی بیٹی حضرت زینب نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے نبی کے ذریعے سے ہمیں عزت دی اور ہمیں پاک و صاف فرمایا۔ ہم نہیں' فاسق ذلیل ہوتے ہیں اور فاجر جھٹلائے جاتے ہیں۔ ظالم ابن زیاد نے کہا تو نے دیکھا اللہ نے تیرے گھر والوں سے کیا سلوک کیا۔ حضرت سیدہ نے جواب دیا۔ ان کے لیے شہادت مقدر ہو چکی تھی اس لیے وہ اپنے مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب اللہ تجھے اور انہیں ایک

جگہ جمع فرمائے گا اس وقت وہ اس کے سامنے اس کا انصاف طلب کریں گے۔ یہ دندان شکن جواب سن کر ابن زیاد غصہ سے بے تاب ہو کر بولا۔ خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ اس اذیت ناک جملے پر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں' بے اختیار رو پڑیں۔ واللہ! تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا' میرے خاندان کا نشان مٹایا' میری شاخیں کاٹ دیں اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے۔ اس کے بعد ابن زیاد بد نہاد کی نظر عابد بیمار پر پڑی۔ وہ انہیں بھی قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت زینب بے قرار ہو کر چیخ پڑیں اور فرمایا۔ اے ابن زیاد! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو اس بچے کو قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر ڈال۔ ابن زیاد پر دیر تک سکتے کا عالم طاری رہا۔ اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ خون کا رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ واللہ' مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے' اچھا اسے چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے گا۔

ایک جاں نثار کی شہادت

ابن زیاد نے جامع مسجد کوفہ میں شہر والوں کو جمع کیا اور منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے کہا۔ اس خدا کی حمد و ستائش جس نے امیرالمومنین یزید بن معاویہ کو غالب کیا اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی کو ہلاک کر ڈالا۔ اس اجتماع میں مشہور محب اہل بیت حضرت عبداللہ ابن عفیف ازدی جو دونوں آنکھوں سے نابینا تھے' ان سے خطبے کے یہ الفاظ سن کر رہا نہیں گیا۔ فرط غضب میں کانپتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ابن زیاد کو للکارتے ہوئے کہا۔ خدا کی قسم! تو ہی کذاب ابن کذاب ہے۔ حسین سچا' اس کا باپ سچا' اس کے نانا جان سچے۔ ابن زیاد اس جواب سے تلملا اٹھا اور جلاد کو حکم دیا کہ شاہراہ عام پر لے جا کر اس اندھے بڈھے کا بھی سر قلم کر دو۔ حضرت عبداللہ بن عفیف شوق شہادت میں مچلتے ہوئے اٹھے اور مقتل پہنچ کر چمکتی ہوئی تلوار کا مسکراتے ہوئے خیر مقدم کیا' خون بہا' لاش تڑپی اور ٹھنڈی ہو گئی۔ کوثر کے ساحل پر جاں نثاروں کی تعداد

میں ایک عدد کا اور اضافہ ہو گیا۔ (طبری ج ۵ ص ۲۸۴)

سر امام کی کوفہ میں تشہیر

ابن زیاد بد نہاد نے حکم دیا کہ تمام شہداء کے سروں کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جائے اس کے بعد دروازہ قصر پر آویزاں کر دیا جائے۔ (تاریخ طبری ج ۲۸۴)

تاریخ طبری کی دوسری روایت یہ ہے کہ ابن زیاد نے کوفہ میں امام عالی مقام کے سر مبارک کی تشہیر کے بعد حضرت امام اور ان کے تمام جاں نثار شہدائے کرام کے سروں اور اسیران اہل بیت کو زحر بن قیس، ابو بردہ بن عوف ازدی اور طارق بن ابو ظبیان ازدی کے ہمراہ شمر وغیرہ کی سرکردگی میں یزید پلید کے پاس دمشق اس حالت میں روانہ کیا کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا اور بیبیوں کو اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بٹھایا گیا تھا اور ظالم ابن زیاد نے حکم دیا تھا کہ سروں کو نیزوں پر چڑھائے ہوئے آبادیوں سے گزرنا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ کوئی یزید کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو۔ (سعادت الکونین ص ۲۳)

اثنائے سفر میں مبارک سے عجیب عجیب خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ چنانچہ حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جب ابن زیاد نے حکم دیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر انور کو نیزہ پر چڑھا کر کوفہ کی گلیوں میں پھرایا جائے تو اس وقت میں اپنے مکان کی کھڑکی میں کھڑا قرآن حکیم کی سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا پڑھتے پڑھتے جب اس آیت کریمہ تک پہنچا ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایتنا عجبا تو سر اقدس سے یہ آواز سنی اعجب من اصحاب الکھف قتلی وحملی اصحاب کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجیب تر ہے اور در حقیقت بات یہی ہے کیونکہ اصحاب کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا لیکن قتل نہیں کیا تھا اور حضرت امام حسین کو ان کے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والوں نے مہمان بنا کر بلایا پھر بے وفائی کی اور تین دن کے بھوکے پیاسے رکھ کر شہید کر دیا۔ یہ ضرور عجیب ہے۔ (شواہد النبوت ص ۲۰۸، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۰)

جب اشقیاء کی جماعت امام عالی مقام کے سر مبارک کو لے کر پہلی منزل پر ایک گرجا گھر کے پاس رات گزارنے کے لیے اتری اور شراب نبیذ پی رہی تھی، ان کے سامنے لوہے کا قلم غیب سے نمودار ہوا اور اس قلم نے ایک قطرہ خون سے یہ شعر لکھا:

اترجوا امۃٌ قتلت حسینا

شفاعۃَ جدہٗ یوم الحساب

یعنی جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے کیا وہ اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ان کے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ان کی شفاعت کریں گے؟ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۰، صواعق محرقہ ص ۴۴۳)

یزیدیوں نے جب دیکھا تو ان کو بہت تعجب ہوا۔ گرجا گھر کے راہب سے پوچھا، یہ شعر کس نے لکھا ہے اور کب کا لکھا ہوا ہے؟ راہب نے کہا۔ کس نے لکھا ہے یہ مجھے نہیں معلوم، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے نبی کے زمانے سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ (حیات الحیوان حصہ ۲ ص ۱۲۵) خصائص کبریٰ جلد اول میں صفحہ ۷۷ پر چھ سو سال لکھا ہے۔

راہب نے جب شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر اور چند بیبیوں اور بچوں کو بحالت قیدی دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور دریافت کرنے پر جب پورا حال اس کو معلوم ہوا تو کہا معاذ اللہ تم لوگ کتنے برے آدمی ہو کہ اپنے نبی کی اولاد کو قتل کیے ہو اور پھر ان کے بال بچوں کو قیدی بنائے ہو پھر اس راہب نے ان یزیدیوں سے کہا کہ اگر رات بھر کے لیے اپنے نبی کے نواسے کا سر ہمارے پاس رہنے دو تو میں تم کو دس ہزار درہم دیتا ہوں۔ وہ لوگ راضی ہوگئے۔ راہب نے رقم ادا کر کے حضرت امام کا سر مبارک لیا اور اپنے مخصوص کمرے میں لے گیا پھر سر انور، چہرہ مبارک اور مقدس زلفوں اور داڑھی کے بالوں پر جو گرد و غبار اور خون جما ہوا تھا، دھویا اور عطر و کافور لگایا اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے سامنے رکھ کر زیارت کرنے لگا۔ خدائے عزوجل اس کے اس ادب سے راضی ہوا اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ راہب رونے لگا اور اس کی نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ اس نے دیکھا کہ سر اقدس سے آسمان تک نور ہی

نور ہے۔ جب اس نے سر اقدس کی یہ کرامت اور انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا تو بے ساختہ صدق دل سے لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور صبح کو سر انور ان کے حوالے کر دیا اور گرجا گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اہل بیت کا مطیع و خادم بن گیا۔ یہاں ایک اور سخت عبرت خیز واقعہ یہ ہوا کہ لشکر سعد نے باہم یہ فیصلہ کیا کہ جو درہم راہب نے دیا ہے یہیں تقسیم کر لیے جائیں۔ چنانچہ جیسے ہی درہم سے بھری تھیلیوں کا منہ کھولا تو دیکھا کہ سب درہم ٹھیکری ہو گئے ہیں اور ان کے ایک طرف یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے:

ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون۔	ظالم جو کرتے ہیں خدائے تعالیٰ کو اس سے غافل ہرگز نہ جانو۔

اور دوسری طرف یہ آیت مبارکہ تحریر تھی:

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔	ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔

(صواعق محرقہ ص ۱۶۱، سعادت الکونین ص ۱۲۴)

امام عالی مقام کا سر مبارک دربار یزید میں

جب شہداء کے سر اور اسیران اہل بیت یزید کے دربار (دمشق) میں پہنچے تو یزید نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اس سلسلے میں مختلف روایتیں تاریخ کے صفحات پر تحریر ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ شہادت امام حسین سے یزید ناراض ہوا اور اپنی بے زاری کا اظہار کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یزید اس سے خوش ہوا، محفل سرور آراستہ کی اور بر سر محفل سر امام کی توہین کی اور دیگر روایتیں پیش کر کے بہت سے یزیدی یزید ابن معاویہ کو واقعات کربلا کا ذمہ دار ہونے سے بری کرنے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں جیسا کہ ایک ابن یزید ظہور احمد قرشی اورنگ آبادی اور دوسرے یزید پرستوں نے حال ہی میں کیا ہے لیکن در حقیقت صحیح ترین روایت جس کو حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے تاریخ الخلفاء ص ۲۰۵ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو چکے تو ابن زیاد نے ان تمام شہداء کے سروں کو یزید کے پاس دار السلطنت میں بھیج دیا۔ یزید پہلے تو اس سرہائے بریدہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا مگر جب عامۃ المسلمین اس کے اس فعل پر اس سے ناراض ہوئے اور ملامت کی تو اس کو بھی افسوس ہوا اور اپنے فعل پر ندامت ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کا یزید کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار بالکل بجا تھا۔

مصنف تاریخ طبری علامہ ابی جعفر جریر الطبری لکھتے ہیں کہ جب امام حضرت حسین کا سر یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے لوگوں کو دربار آنے کی عام دعوت دی۔ جب سب لوگ آ گئے تو اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ یزید کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے وہ آپ کے سامنے دانتوں میں ٹھونکا دیتا اور یہ کہتا کہ اب ہماری اور ان کی

مثال ایسی ہے جیسا کہ شاعر حصین بن الحمام نے کہا ہے کہ ہماری تلواریں ایسے لوگوں کی کھوپڑیاں توڑتی ہیں جو ہم پر غالب تھے اور وہ نہایت نافرمان اور ظالم تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے یہ دیکھا تو فرمایا۔ اے یزید تو اپنی چھڑی حسین کے دانتوں اور لبوں سے لگا رہا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوما کرتے تھے۔ سن لے قیامت کے دن تیرا حشر ابن زیاد کے ساتھ ہوگا اور حسین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ دربار یزید سے اٹھے اور چلے گئے۔ (طبری ج ۵ ص ۲۹۱)

علامہ امام ابن حجر مکی شافعی رحمتہ اللہ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ جب یزید نے حضرت امام حسین کے سر مبارک کے ساتھ بے ادبی کی (جیسا کہ گزرا) تو اس وقت یزید کے پاس قیصر روم کا سفیر بھی موجود تھا۔ اس نے بہت متعجب ہو کر کہا کہ ہمارے یہاں ایک جزیرہ کے گرجا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کے کھر کا نشان ابھی تک محفوظ ہے۔ ہم لوگ ہر سال ہدیے اور نذرانے لے کر اس کی زیارت کو جاتے ہیں اور اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح تم لوگ اپنے کعبے کی کرتے ہو۔ بلاشبہ تم لوگ جھوٹے اور بے ہودہ ہو۔ اسی طرح اس وقت ایک ذمی یہودی بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ میرے اور میرے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان ستر پشتیں گزر چکی ہیں لیکن اب تک یہودی میری تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور تم نے اپنے نبی کے فرزند کو اس طرح بے دریغ قتل کر دیا۔ (صواعق محرقہ ص ۲۶۰)

اہل بیت کی مدینہ منورہ واپسی

صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جو حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ میں سختی نہ کرنے کے سبب بحکم یزید گورنری سے معزول کر دیئے گئے تھے۔ یزید نے انہیں اہل بیت نبوت کا ہمدرد سمجھ کر بلوایا اور کہا حسین کے اہل و عیال کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچانے کا انتظام کرو۔

اس کے بعد یزید نے اپنے آپ کو قتل حسین سے بری الذمہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلا کر کہا۔ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے۔ واللہ! اگر براہ راست آپ کے والد اور میرا سامنا ہو جاتا تو جو کچھ وہ فرماتے، میں منظور کر لیتا اور ان کو قتل کرنا ہرگز گوارا نہ کرتا۔ لیکن خدا کو جو منظور تھا وہ ہوا۔ اب آپ مدینہ تشریف لے جایئے اور مجھ کو وہاں سے خط لکھتے رہئے گا اور جو بھی ضرورت ہو اس سے مجھے مطلع کیجئے گا۔ (طبری ج ۵ ص ۲۸۷)

حضرت نعمان بن بشیر کے ہمراہ تیس آدمیوں کا حفاظتی دستہ کیا گیا۔ وہ اہل بیت کو لے کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے اور راستہ بھر نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ مدینہ منورہ کے لوگوں کو واقعہ کربلا کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی جب یہ لٹا ہوا قافلہ شہر میں داخل ہوا تو ایک کہرام مچ گیا۔ قیامت سے پہلے قیامت آ گئی، وفور غم اور جذبہ بے خودی میں اہل مدینہ اور حضرت ام سلمہ و حضرت محمد بن حنفیہ گھروں سے روتے ہوئے نکل پڑے۔ قافلہ سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوا۔ حضرت امام زین العابدین کی نظر جیسے ہی روضہ مطہرہ پر پڑی تو بے اختیار رو پڑے اور صرف اتنا ہی کہہ سکے۔ دادا جان! اپنے نواسے کا سلام قبول فرمایئے۔

آہ و فغاں کا ابلتا ہوا ساگر تھم جانے کے بعد شہزادہ کونین حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں مادر مشفقہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا۔

مدینہ منورہ پر حملہ اور قتل و غارت گری

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یزید پلید نے اپنے چچا زاد بھائی عثمان ابن محمد ابن ابی سفیان کو مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ باشندگان مدینہ کو یزید کی بیعت پر دعوت دیں۔ عثمان بن محمد نے مدینہ پہنچتے ہی ایک جماعت کو یزید کی جانب روانہ کیا۔ بعدہ جب یہ جماعت یزید کے پاس سے مدینہ طیبہ واپس آئی تو اس نے یزید پلید کی دشنام طرازی پر اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور اس کی بے دینی، شراب نوشی، گانا گانے والیوں سے فحش اور گندے گانے سننے، قصہ گوئی میں وقت صرف کرنے، حرام خوری، بہن بھائی کا نکاح اور کتوں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر کیا اور کہا کہ ہم لوگوں نے اس کی ان تمام خرافات کو دیکھ کر اس کی بیعت توڑ دی ہے اور تم لوگوں سے بھی ہمارا کہنا یہی ہے کہ وہ بیعت کے قابل نہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ تاریخ الخلفاء ص ۲۰۶ میں لکھتے ہیں کہ اس وفد کے قائد حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واللہ! ہم نے یزید کی مخالفت اس وقت اختیار کی جب ہم کو یقین ہو گیا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی کیونکہ یزید کے فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کر رہے تھے، شرابیں عام طور سے پی جا رہی تھیں اور لوگوں نے نماز ترک کر دی تھی۔ اسی وفد کے ایک رکن منذر بن زبیر نے بھی قسم کھا کر کہا کہ مجھ کو یزید نے ایک لاکھ درہم دیئے ہیں اور میرے ساتھ احسان بھی کیا ہے لیکن میں سچائی کو ہاتھ سے جانے نہ دوں گا۔ یزید شراب نوش اور تارک صوم و صلوٰۃ ہے اور ابن جوزی ابو الحسن بدا ہنی سے جو ثقہ راوی ہیں، نقل کرتے ہیں کہ اہل مدینہ یزید کی علامات فسق و فجور کے ظاہر ہو

جانے کے بعد منبر پر چڑھ کر اس کی بیعت سے منکر ہو گئے۔ عبداللہ ابن ابی عمرو بن حفص مخزومی نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر کہا کہ اگرچہ یزید نے مجھ کو صلہ اور انعام دیا ہے نیز میری جائیداد میں بھی اضافہ کیا ہے لیکن جو خدا کا دشمن اور دائم الخمر ہو، میں نے اس کی بیعت کو اس طرح اپنے سے علیحدہ کر دیا جس طرح اپنی دستار کو۔ اس کے بعد دیگر اور لوگوں نے یزید کی بیعت سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اس کی بیعت توڑ دی اور عثمان بن محمد کو جو یزید شقی کی جانب سے گورنر مدینہ منورہ مقرر ہوا تھا، اس کو مدینہ سے نکال کر عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کے دست پر بیعت کر لی۔

جب یزید پلید کو یہ خبر پہنچی تو وہ برا فروختہ ہوا اور مسلم بن عقبہ کو ۶۳ھ میں بیس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ اس بدبخت لشکر نے مدینہ منورہ میں وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ جس کے تصور سے روح لرز اٹھتی ہے۔ قتل و غارت گری اور طرح طرح کے مظالم کا بازار گرم کیا۔ لوگوں کے گھروں کو لوٹ لیا، سات سو صحابہ کو بے گناہ شہید کیا اور تابعین و حفاظ قرآن وغیرہ ملا کر کل دس ہزار سے زیادہ شہید کیا۔ لڑکوں کو قید کر لیا اور پاکدامن عورتوں کو تین شبانہ روز اپنے اور یزیدی فوجیوں پر حلال کر لیا۔ روضہ شریف و منبر شریف کی درمیانی جگہ جس کی بابت صحیح حدیث میں آیا ہے کہ یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یہاں پر گھوڑے باندھے اور ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن تک مسجد نبوی میں لوگ نماز سے مشرف نہ ہو سکے۔ صرف سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ جو کبار تابعین میں سے تھے، پاگل بن کر وہاں حاضر رہے۔ آخر میں ان ظالموں نے ان کو بھی گرفتار کر لیا مگر پھر دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ ابن جوزی نے ایسی سند کے ساتھ کہ جو حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے، بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حرہ کی راتوں میں (جس وقت یزیدیوں نے حملہ کیا) میرے سوا دوسرا کوئی شخص مسجد نبوی شریف میں نہ رہ سکا تھا۔ اہل شام جب مسجد میں آئے تو کہتے تھے کہ یہ دیوانہ بڈھا اس مقام پر کیا کر رہا ہے اور میں نماز کا کوئی وقت ایسا نہ گزارتا تھا جب میں اذان و اقامت کی آواز حجرہ مقدسہ (مسجد نبوی) سے نہ سنتا۔ پھر میں اسی اذان و اقامت سے نماز ادا کرتا تھا۔ یزیدی لوٹ کھسوٹ کی گرم

بازاری اور غنڈہ گردی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں، جب یزیدی فوج ان کے مکان میں گھسی اور کچھ نہ پایا تو آپ کی داڑھی کے سب بال اکھیڑ لیے گئے۔ اسی طرح اس خبیث لشکر نے ایک نوجوان کو پکڑ لیا، اس کی ماں فریاد کرتی آئی تو اس کے سامنے اس لڑکے کو شہید کر دیا اور اس کا سر اس کی ماں کی گود میں دے دیا اور کہا تو اپنے زندہ رہنے کو غنیمت نہیں سمجھتی کہ بیٹے کو لینے چلی آئی۔

جب مسلم بدکردار نے اہل مدینہ کو زبردستی یزید پلید کی بیعت و اطاعت پر مجبور کیا تو ایک شخص جو قبیلہ قریش سے تھا، اس نے بوقت بیعت یہ کہا کہ میں طریقہ طاعت پر بیعت کرتا ہوں، معصیت پر نہیں۔ مسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس مقتول کی ماں ام یزید بن عبداللہ بن ربیعہ نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں تو اس ظالم مسلم کو زندہ یا مردہ جلا دوں گی۔ جب وہ ظالم مدینہ منورہ میں قتل و غارت گری کے بعد مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہاں عبداللہ بن زبیر اور ان تمام لوگوں کا خاتمہ کر دے جو یزید کے خلاف ہیں تو اتفاقاً راستہ میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ فوراً مر گیا۔ اس کی جگہ یزید کے حکم کے مطابق حصین بن نمیر سکونی قائد لشکر بنا۔ مسلم کو انہوں نے وہیں دفن کر دیا۔

جب یہ خبیث لشکر آگے بڑھ گیا تو اس عورت کو مسلم کے مرنے کا پتا چلا وہ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر آئی تاکہ اس کو قبر سے نکال کر جلائے۔ جب قبر کھودی تو کیا دیکھا ایک اژدھا اس کی گردن سے لپٹا ہوا اس کی ناک کی ہڈی پکڑے چوس رہا ہے۔ یہ دیکھ کر سب ڈرے اور اس عورت سے کہنے لگے۔ خدائے تعالیٰ خود ہی اس کے اعمال کی سزا اس کو دے رہا ہے اور اس نے عذاب کا فرشتہ اس پر مسلط کر دیا ہے، اب تو اس کو رہنے دے۔ اس عورت نے کہا۔ نہیں! خدا کی قسم! میں اپنے عہد اور قسم کو ضرور پورا کروں گی اور اس کو جلا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کروں گی۔ مجبور ہو کر سب نے کہا اچھا پھر اس کو پیروں کی طرف سے نکالنا چاہیے جب ادھر سے مٹی ہٹائی تو کیا دیکھا کہ اس طرح پیروں کی طرف بھی ایک اژدھا لپٹا ہوا ہے پھر سب نے اس عورت سے کہا

اب تو اس کو چھوڑ دے' اس کے لیے یہی عذاب کافی ہے مگر وہ عورت نہ مانی۔ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ اس ظالم پر میرا غصہ محض تیری رضا کے لیے ہے۔ مجھے یہ قدرت دے کہ میں اپنی قسم پوری کروں اور اس کو جلادوں یہ دعا کر کے اس نے ایک لکڑی اژدہے کی دم پر ماری وہ گردن سے اتر کر چلا گیا پھر دوسرے اژدہے کو ماری' وہ بھی چلا گیا۔ تب انہوں نے مسلم کی لاش کو قبر سے نکالا اور جلا دیا۔ (جذب القلوب ص ۷۳' شام کربلا ص ۲۲۱)

جذب القلوب میں ہے کہ مسلم کی موت محرم کی چاند رات ۶۴ھ کو ہوئی۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کا نام مسرف رکھ دیا۔

فضائل مدینہ منورہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایکید اهل المدینه احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء جو شخص اہل مدینہ سے مکرو فریب کرے یا جنگ کرے تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۷۶) حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا یرید احد اهل المدینه بسوء الا اذابه الله فی النار ذوب الرصاص جو مدینہ منورہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں رانگے کی طرح پگھلائے گا۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۴۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من اخاف اهل المدینه ظلما اخافه الله وکانت علیه لعنه الله والملائکة والناس اجمعین لا یقبل الله منه یوم القیمه صرفا و لا عدلا جس نے اہل مدینہ کو اپنے ظلم سے خوفزدہ کیا خدائے تعالیٰ اسے خوف میں مبتلا کرے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ' فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اس کی فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔ (جذب القلوب ص ۳۲)

ان احادیث کریمہ سے ثابت ہوا کہ جو اہل مدینہ کو ڈرائے ان سے جنگ کرے، ان پر ظلم ڈھائے یا ان سے کسی برائی کا بھی ارادہ کرے تو خدائے تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ میں رانگے کی طرح پگھلائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اور اس کی کوئی عبادت چاہے وہ فرض ہو یا نفل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔

یزید کی تیسری شرارت و شیطنت!

حرم مکہ اور خانہ کعبہ پر منجنیق سے حملہ اور بے حرمتی

مدینہ منورہ کو تاراج کرنے کے بعد یزید کی یہ فوج حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلے کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوگئی۔ فوج کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ تو راستے ہی میں ہلاک ہوگیا لیکن مرنے سے پہلے اس نے حصین بن نمیر کو بحکم یزید اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ ابن نمیر نے مکہ پہنچ کر حرم کا (جہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پناہ گزین تھے) محاصرہ کرلیا اور منجنیق سے سنگباری کی۔ (منجنیق پتھر پھینکنے کا آلہ ہوتا ہے جس سے پتھر پھینک کر مارا جاتا ہے۔ اس کی زد توپ کی طرح بڑی زبردست اور دور کی مار ہوتی ہے) سنگباری سے صحن حرم شریف پتھروں سے بھر گیا اور اس کے صدمہ سے مسجد حرام کے ستون ٹوٹ گئے اور کعبہ مکرمہ پر سنگ باری کرنے سے اس کی دیواریں شکستہ ہو گئیں اور چھت گر گئی۔ شامی پتھر برسانے کے بعد روئی گندھک اور رال کے گولے بھی بنا بنا کر اور جلا جلا کر پھینکنے لگے جس سے خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی۔ اس کا غلاف جل گیا۔ اور اس دنبہ کا سینگ جو فدیہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام میں جنت سے بھیجا گیا تھا اس کی سینگ بطور تبرک کعبہ شریف کی چھت میں آویزاں تھا وہ بھی جل گیا۔ کعبہ مقدسہ کئی روز تک بے لباس رہا اور وہاں کے باشندے سخت مصیبت میں مبتلا رہے ابھی شامی لشکر کعبہ شریف اور اہلیان مکہ کی تاراجی میں لگا ہوا ہی تھا کہ اچانک یزید پلید کے مرنے کی اطلاع ملی۔ ابن نمیر نے یہ خبر سنی تو اس کے حوصلے پست ہوگئے اور اس نے محاصرہ اٹھالیا اور حضرت عبداللہ ابن زبیر سے صلح کرلی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۶، جذب القلوب ص ۴۲۵)

یزید پلید نے کل تین برس سات مہینے حکومت کی اور پندرہ ربیع الاول ۶۴ھ

انتالیس سال کی عمر میں شہر حمص ملک شام میں ہلاک ہوا۔

یزید کے مرنے کے بعد اہل حجاز و یمن و عراق و خراسان نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے دست مبارک پر بیعت کی اور اہل شام و مصر نے یزید کے بیٹے معاویہ کو اس کا جانشین بنایا۔ معاویہ اگرچہ یزید کی اولاد میں سے تھا لیکن آدمی نیک اور صالح تھا اور باپ کے ناپاک افعال کو دل سے برا جانتا تھا عنان حکومت لیتے وقت ہی سے بیمار تھا اور آخر تک بیمار رہا اور چالیس روز یا دو تین مہینے حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

اللہ ہمیں اور ہمارے تمام احباب و رشتہ داروں کو اہل بیت کے زمرے میں رکھے اور یزید پلید کے تمام حوارین کے شر و فساد سے محفوظ و مامون فرمائے۔ (آمین) بجاہ سید المرسلین۔

قاتلانِ حسین کا
عبرتناک انجام

حضرت عامر بن سعد البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عامر! میرے صحابی براء بن عازب کے پاس جا کر میرا سلام کہہ اور خبر دے کہ جنہوں نے میرے بیٹے حسین کو قتل کیا ہے، وہ دوزخی ہیں۔ پس میں نے براء بن عازب کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خواب بیان کیا۔ انہوں نے سن کر فرمایا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ (سعادت الکونین ص ۱۵۴)

حاکم نے سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اوحی اللہ الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم انی قتلت بیحیٰی بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن بنتک سبعین الفا وسبعین الفا یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی بھیجی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے عوض ستر ہزار کو مارا اور اے محبوب تمہارے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار کو ماروں گا۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۸، ماثبت بالسنۃ ص ۳۰)

حضرت سید امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سرزمین شام پر قہرالٰہی کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور ایک ایک گستاخ سے مواخذہ ہوا۔ ایک ایک موذی کو سزا ملی، دمشق سے کوفہ اور کربلا تک کے سارے ستم گر لرزا دینے والی ہلاکتوں کا نشانہ بنے۔ یزیدی اقتدار قہر و غضب کی کڑکتی ہوئی بجلیوں سے جل گیا اور آبادیوں میں ہولناک بیماریاں اور وبائیں پھوٹ پڑیں۔

ابن جوزی زہری سے روایت کرتے ہیں کہ قاتلان امام حسین میں سے کوئی بھی

شخص دنیا میں سزا سے نہ بچا۔ بعض کو قتل کی سزا ملی، بعض اندھے ہو گئے اور جو لوگ برسر اقتدار تھے، بہت تھوڑی مدت میں ان کا اقتدار جاتا رہا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں، حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد جو فتنے برپا ہوئے اور جن کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے، ان میں سے اکثر بالکل صحیح ہیں۔ (الحسین عربی ص ۱۶۴ صواعق محرقہ ص ۶۴۸)

عبدالمالک کے زمانے میں جب مختار بن ابی عبید ثقفی کوفہ کا حاکم مقرر ہوا تو اس نے سب سے پہلے حضرت امام حسین کے قاتلوں سے انتقام کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں سے کہا کہ مجھے ہر اس شخص کا نام و پتا بتاؤ جو حضرت امام حسین کے مقابلے میں کربلا گیا تھا، لوگوں نے بتانا شروع کیا اور مختار ثقفی نے ایک ایک کو گرفتار کرنا اور شاہراہوں پر قتل کرنا شروع کر دیا۔

یزید بن معاویہ کا انجام

دمشق کے بھرے دربار میں اہل بیت کے ایک مظلوم نے یزید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "اے یزید سن لے! حسین کے خون سے جس سلطنت کی بنیاد کو تو نے پانی دیا ہے تیری اولاد بھی اس پر نہیں تھوکے گی۔" اس جرات مندانہ خطاب پر سارا دربار سناٹے میں آگیا تھا اور سامعین کے دلوں پر میں یہ بات اتر گئی تھی کہ خاندان اہل بیت رسالت کے مظلوم کی یہ آہ کبھی خالی نہیں جائے گی۔

واقعہ کربلا کے کچھ ہی دنوں بعد یزید ایک ہلاکت آفریں اور انتہائی موذی مرض میں مبتلا ہوا۔ پیٹ کے درد اور آنتوں کے زخم کی ٹیس سے ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہتا تھا۔ حمص میں جب اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اپنے بڑے لڑکے معاویہ کو بستر مرگ پر بلایا اور امور سلطنت کے بارے میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ بے ساختہ بیٹے کے منہ سے چیخ نکلی اور نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے باپ کی پیش کش کو ٹھکرا دیا کہ "بس تاج و تخت پر آل رسول کے خون کے دھبے ہیں، میں اسے ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔ خدا اس منحوس سلطنت کی وراثت سے مجھے محروم رکھے جس کی بنیادیں

سبط رسول کے خون پر رکھی گئی ہیں۔"

یزید اپنے بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر تڑپ گیا اور شدت رنج والم سے بستر پر پاؤں پٹخنے لگا۔ موت سے کچھ دن پہلے یزید کی آنتیں سڑ گئیں اور اس میں کیڑے پڑ گئے، تکلیف کی شدت سے خنزیر کی طرح چیختا تھا، پانی کا قطرہ حلق سے نیچے اترنے کے بعد نشتر کی طرح چبھنے لگتا تھا، عجیب قہر الٰہی کی مار تھی۔ پانی کے بغیر بھی تڑپتا تھا اور پانی پا کر بھی چیختا تھا۔ بالآخر اسی درد کی شدت سے تڑپ تڑپ کر اس کی جان نکلی۔ لاش میں ایسی ہولناک بدبو تھی کہ قریب جانا مشکل تھا جیسے ویسے اس کو سپرد خاک کیا گیا۔ (نقش کربلا ص ۶۵)

ابن زیاد کا انجام

عبید اللہ بن زیاد، یہ وہ بد بخت و بد نہاد انسان ہے جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اسی بد بخت کے حکم سے حضرت مسلم بن عقیل ان کے بیٹوں اور امام حسین اور آپ کے اہل بیت و اصحاب کو تمام ایذائیں پہنچائی گئیں۔ یہی ابن زیاد موصل میں تیس ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس کے مقابلے کے لیے ایک فوج کو لے کر بھیجا۔ موصل سے تقریباً پچیس کلو میٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک خوب جنگ رہی، جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا، اس وقت ابراہیم کی فوج غالب آئی۔ ابن زیاد کو شکست ہوئی اور اس کے ہمراہی بھاگ نکلے۔ ابراہیم نے حکم دیا کہ فوج مخالف میں سے جو ہاتھ آئے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ بہت سے ہلاک کئے گئے۔ اسی ہنگامہ میں ابن زیاد بھی فرات کے کنارے محرم کی دسویں تاریخ ۶۷ھ میں مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ابراہیم کے پاس بھیجا گیا۔ ابراہیم نے مختار کے پاس کوفہ بھجوایا۔ مختار نے دارالامارت کوفہ کو آراستہ کیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے ابن زیاد کا سر ناپاک اسی جگہ رکھوایا جس جگہ اس مغرور حکومت و بندہ دنیا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک رکھا تھا۔ مختار نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے کہا۔ اے اہل

کوفہ! دیکھ لو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون ناحق نے ابن زیاد کو نہ چھوڑا۔ آج اس نامراد کا سر اس ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں رکھا ہوا ہے، چھ سال ہوئے ہیں، وہی تاریخ ہے، وہی جگہ ہے۔ خداوند عالم نے اس مغرور فرعون خصال کو ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا۔ اسی کوفہ اور اسی دارالامارت میں اس بے دین کے قتل و ہلاک پر جشن منایا جا رہا ہے۔ (سوانح کربلا ص ۱۴۲)

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد اور اس کے سرداروں کے سر مختار ثقفی کے سامنے لا کر رکھے گئے تو ایک بڑا سا سانپ نمودار ہوا، اس کی ہیبت سے لوگ ڈر گئے، وہ تمام سروں میں پھرا جب عبیداللہ ابن زیاد کے سر کے پاس آیا تو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر اس کے منہ سے نکلا۔ اس طرح تین بار سانپ اس کے سر کے اندر داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۷۹۴)

عمرو بن سعد کا انجام

عمرو بن سعد، یہ وہی شقی ازلی ہے جس کی دسوں انگلیاں آل حیدر کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں، جس کی کمان میں کربلا کا خوں ریز معرکہ سر ہوا اور خاندان رسالت کے لعل و جواہر خاک و خون میں آلودہ ہوئے۔ ملک رے کی لالچ میں اس ظالم نے بی بی بتول کا ہرا بھرا چمن تاراج کیا۔ جب مختار کے حکم سے یزیدی کتوں کا قتل عام شروع ہوا تو ابن سعد کتوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگا لیکن مختار کے جاں باز سپاہیوں نے اس کو پکڑ لیا جس وقت ابن سعد سامنے آیا تو مختار کی آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں۔ گرجتے ہوئے کہا او دشمن رسول! بتا تجھے کیا سزا دوں جس سے دنیائے اسلام کے کلیجوں کی وہ آگ ٹھنڈی ہو جائے جو تیرے ناپاک ہاتھوں نے کربلا میں لگائی ہے۔ ابن نے سعد نے جواب دیا۔ میں بے گناہ ہوں۔ واقعات کربلا کی ساری ذمہ داری یزید اور ابن زیاد پر تھی۔ میں نے صرف حکم کی تعمیل کی تھی۔ مختار کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں اور کہا او ننگ اسلام! سچ بتا، یزید اگر تیرے خون کی اولاد کے قتل کا حکم دیتا تو کیا اس کی تعمیل کر سکتا تھا؟ یزید کے حکم کی تو نے تعمیل کی اور نبی کے حکم کا جنازہ نکال دیا۔

اسی درمیان خبر ملی کہ ابن سعد کا بیٹا حفص جو کربلا میں امام عالی مقام کے خلاف اپنے باپ کی مدد کر رہا تھا' وہ بھی گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ مختار نے حکم دیا اسے فوراً حاضر کیا جائے۔ جب وہ سامنے آیا تو جلاد سے کہا۔ ابن سعد کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹے کا سر تن سے جدا کرو تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ حضرت علی اکبر اور حضرت علی اصغر کی تڑپتی لاش دیکھ کر حضرت امام عالی مقام کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ جلاد نے آگے بڑھ کر جوں ہی گردن پر تلوار چلائی ابن سعد چیخ پڑا۔ ابھی وہ اپنا سر پیٹ ہی رہا تھا کہ اشارہ پاتے ہی جلاد نے ابن سعد کی گردن بھی اڑا دی۔ اس طرح ظلم و شقاوت کے ایک بہت بڑے عفریت کے ناپاک وجود سے دھرتی کا بوجھ ہلکا ہوا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ مختار کے سپاہیوں نے ابن سعد کو اس کے مکان میں قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے پیش کیا۔ اس وقت اس کا بیٹا حفص وہیں موجود تھا۔ باپ کا سر دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ اس کے بعد مختار نے اس کا بھی سر قلم کر دینے کا حکم دیا اور دونوں کے سر حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھیج دیئے۔ (نقش کربلا ص ۷۰، تاریخ طبری ج ۵ ص ۵۰۴)

شمر کا انجام

یہ وہی سیہ بخت ہے جس نے جگر گوشہ رسول کی گردن پر تلوار چلائی تھی اور فاطمہ کے چاند کو خاک و خون میں ڈبویا تھا۔ ابن سعد کے قتل سے فارغ ہو کر مختار نے اسے سامنے کھڑا کیا۔ مارے خوف و دہشت کے شمر تھر تھر کانپنے لگا۔ مختار نے گرجتے ہوئے کہا نابکار! تجھے ذرا بھی غیرت نہیں آئی کہ تو نے اپنے ہاتھوں سے کعبہ کی دیوار ڈھا دی۔ اونٹ اور بکری کی طرح فاطمہ کے لال کو ذبح کیا۔ افسوس! حرم کا چراغ اور عرش کی قندیل تو نے پھونکوں سے بجھا دی۔ اے شقی القلب! تین دن کے بھوکے پیاسے نازنینوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے تجھے ذرا بھی ترس نہیں آیا' تیرا زندہ جسم پھونک کر اس کی راکھ ہواؤں میں اڑا دی جائے تب بھی حسین کے خون کا بدلہ نہیں ہو سکے گا۔ سنگدل قاتل! ذرہ ذرہ حسین کا نعرہ بلند کر رہا ہے' تیرے ہاتھوں نے بحر و بر میں آگ لگا دی ہے' اب اسے کون بجھا سکتا ہے۔ عالم غیظ میں جوں ہی مختار نے تلوار اٹھائی' شمر نے

گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ پیاس سے تڑپ رہا ہوں' ایک گھونٹ پانی پلادے۔ مختار نے کہا۔ شمر! وہ وقت یاد کر جب تیری فوج نے فرات کی لہروں پر ۲۲ ہزار تلواروں کا پہرہ بٹھادیا تھا اور اہل بیت کے معصوم بچے اور پردہ نشین سیدانیاں تین شبانہ روز پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس کے رہ گئیں، تجھے پانی نہیں مل سکتا۔ جہنم کا ماء حمیم تیرے انتظار میں ہے' شمر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ مختار نے اشارہ کیا اور جلاد نے آگے بڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا۔ (نقش کربلا ص ۷۲)

تاریخ طبری میں ہے کہ مختار کے سپاہیوں نے شمر لعین پر حملہ کیا اور اس کے سر کو کاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا اور لاش کو کتوں کے لیے پھینک دیا۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ شمر کی لاش کو گھوڑوں کے ٹاپوں سے روند ڈالا گیا۔ (طبری ج ۵ ص ۴۹۶' صواعق محرقہ ص ۱۹۵۸' الحسین عربی ص ۱۶۵)

خولی بن یزید کا انجام

یہ وہی ظالم و بے رحم انسان ہے جس نے سبط رسول کے کلیجے میں برچھا مارا تھا اور سر کو نیزے پر چڑھا کر خوشی میں ناچتا تھا۔ مختار کے سامنے جب لایا گیا تو بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مختار کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ جلاد کو حکم دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو جب اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تو پھر دونوں پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ تکلیف کی شدت سے وہ زمین پر اچھلنے لگا۔ مختار نے کہا ضبط سے کام لو۔ تیرے قتل کے بعد بھی تیری لگائی ہوئی آگ مسلمانوں کے سینوں میں بھڑکتی رہے گی۔ یہ تیرے اعمال کی کافی سزا نہیں ہے تو جس دردناک عذاب کا مستحق ہے اس کا سلسلہ تیری آخری ہچکیوں کے بعد شروع ہوگا۔ (نقش کربلا ص ۷۳)

تاریخ طبری اور الحسین عربی تصنیف میں ہے کہ مختار نے خولی کے گھر والوں کے سامنے اسے قتل کیا اور پھر اس کو جلا دیا اور اس وقت تک اس کی لاش کے پاس کھڑا رہا جب تک اس کی لاش جل کر راکھ نہیں ہوگئی۔ (طبری ج ۵ ص ۵۰۲' الحسین عربی ص ۱۶۵)

حکیم بن طفیل الطائی کا انجام

حکیم بن طفیل الطائی وہ بد نصیب انسان ہے جس نے کربلا میں حضرت عباس علم بردار کو شہید کر کے ان کے لباس اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا تھا اور آپ کے مشکیزہ پر تیروں کی بارش کر کے اس میں چھید کر دیا تھا۔ جس سے تمام پانی گر گیا تھا۔ جب مختار کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کے چہرے پر تیروں کی بارش کر دو چنانچہ جب تیر لگنے لگے تو حکیم بن طفیل اس کی تکلیف سے چیخنے لگا۔ مختار نے کہا۔ بس یہی تکلیف اور یہی صدمہ! حضرت امام حسین اور حضرت عباس پر تیروں کی بارش کی تو اس وقت یہ خیال نہیں آیا تھا۔ آخر کار تیروں ہی کی بوچھاڑ میں وہ مر گیا۔ (شہادت الحسنین ص ۴۷)

حرملہ بن کاہل کا انجام

حرملہ بن کاہل یہ وہ نابکار ہے جس نے شیر خوار حضرت سیدنا علی اصغر رضی اللہ عنہ کے پھول جیسے نرم و نازک حلقوم پر تیر چلایا تھا اور باغ رسالت کا وہ ننھا پودا دم کے دم میں مرجھا گیا تھا۔ جب وہ بد بخت مختار کے سامنے لایا گیا تو مختار کربلا کا وہ منظر یاد کر کے بلبلا اٹھا اور جلاد کو حکم دیا کہ حرملہ کے گلے پر تیروں کی بارش کی جائے اور نزع کے وقت آخری تیر گلے کے آرپار ہو۔ اس طرح تڑپ تڑپ کر بہت دیر میں وہ واصل جہنم ہوا۔ (نقش کربلا ص ۴۷)

دیگر اشقیاء کا انجام

حضرت امام عالی مقام کی شہادت کے بعد جبار بن یزید نے آپ کا عمامہ شریف بہ نیت استہزاء اپنے ناپاک سر پر رکھ لیا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں وہ کچھ دنوں کے بعد پاگل ہو گیا اور فولاد کی زنجیروں سے ٹکرا کر ذلت کی موت مرا۔

عبدالرحمٰن بن حصین نامی گستاخ و بے ادب نے خیمہ مبارک سے امام عالی مقام

کا پیراہن شریف لوٹ کر پہنا تھا۔ اس گستاخی کی اسے یہ سزا ملی کہ وہ برص کی ناپاک بیماری میں مبتلا ہو گیا کوئی اس کے قریب نہ جاتا تھا' کتوں کی طرح اسے دانہ پانی دیتے' مرتے وقت اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔

یزیدی فوج کا ایک سپاہی اسود بن حنظلہ نے امام عالی مقام کی تلوار اپنے قبضے میں کرلی۔ اس بے ادبی کی اسے یہ سزا ملی کہ وہ جذام میں مبتلا ہو گیا۔ سارا بدن پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگا۔ (نقش کربلا ص ۷۴)

قاتلان حسین پر طرح طرح کے عذاب

حضرت ابوالشیخ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں لوگ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں جس کسی نے بھی کسی بھی طرح کی کوئی اعانت کی' وہ مرنے سے پہلے کسی نہ کسی عذاب میں ضرور مبتلا ہو گیا۔ اسی مجلس میں ایک بڈھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا میں نے بھی تو مدد کی تھی مگر میں کسی عذاب میں مبتلا نہیں ہوا۔ اتنے میں وہ چراغ درست کرنے کے لیے اٹھا تو اس کی آگ نے بڈھے کو پکڑ لیا جس سے اس کا پورا بدن جلنے لگا' وہ آگ آگ چلاتا ہوا دریائے فرات میں کود پڑا مگر وہ آگ نہیں بجھی اور اس میں وہ مر گیا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ امام سدی سے بھی منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ خدا کی قسم! میں نے اسے دیکھا کہ جلتے ہوئے وہ کوئلے کی طرح ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ص ۶۴۸)

سبط ابن جوزی نے واقدی سے بیان کیا ہے کہ ایک بوڑھا آپ کے قتل میں شریک ہوا تو وہ اندھا ہو گیا۔ اس سے اندھے پن کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ آستین مبارک چڑھائے ہوئے اور ہاتھ شریف میں ننگی تلوار لیے ہوئے کھڑے ہیں اور آپ کے سامنے ایک چمڑا بچھا ہوا ہے اور دس قاتلان امام حسین ذبح کیے ہوئے پڑے ہیں۔ جب آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو بہت لعنت ملامت کی اور خون میں ڈبو کر ایک سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی۔ اسی وقت سے میں اندھا ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ص ۶۴۹)

مصنف صواعق محرقہ حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یزید کے لشکر کا ایک سپاہی جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا' کچھ دنوں کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا کہ تو اتنا خوب صورت تھا' پھر اتنا زیادہ کالا کیسے ہو گیا؟ اس نے کہا۔ جس روز میں نے امام حسین کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا' اسی روز سے ہر رات کو دو آدمی میرے پاس آتے تھے اور مجھے پکڑ کر ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں آگ ہوتی ہے پھر مجھے منہ کے بل اس آگ میں ڈال کر نکالتے ہیں اسی وجہ سے میرا منہ کالا ہو گیا ہے۔ اس کے بعد وہ بہت بری موت سے مرا۔ (صواعق محرقہ ص ۶۴۹)

اسی طرح مروی ہے کہ ایک بڈھے نے بیان کیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک طشت رکھا ہوا ہے جو خون سے بھرا ہوا ہے اور لوگ آپ کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں اور آپ اس خون کو ان کی آنکھوں میں لگا رہے ہیں' یہاں تک کہ میں بھی آپ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ تو میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں تو قتل حسین کے وقت موجود نہیں تھا تو حضور اکرم نے فرمایا۔ تو اس کی تمنا رکھتا تھا کہ حسین قتل ہو۔ پھر آپ نے میری طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو میں اندھا ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ص ۶۵۰)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شب و ستم کیا تو بحکم الٰہی آسمان سے تارے ٹوٹے اور وہ اندھا ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۰۴)

علامہ بارزی حضرت منصور سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ملک شام میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کا منہ سور جیسا تھا۔ انہوں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ روزانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک ہزار مرتبہ اور جمعہ کے دن چار ہزار مرتبہ اور ان کی اولاد پر لعنت بھیجا کرتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ایک لمبا خواب بتایا۔ جس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی لعنت بھیجنے کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت اقدس میں شکایت کی تو آپ نے اس پر لعنت فرمائی اور اس کے منہ پر تھوک دیا تو اس کا منہ سور جیسا ہو گیا اور لوگوں کے لیے ایک نشان ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ص ٦٥٠)

غرضیکہ مختار نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا اور بے شمار لوگ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اس طرح وعدہ الٰہی پورا ہوا اور کل ایک لاکھ چالیس ہزار لوگ قتل امام حسین کے عوض مارے گئے۔

مختار ثقفی کا حشر

مختار نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلان کے بارے میں بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا لیکن آخر میں وہ خود نبوت کا دعویٰ کر کے مرتد ہو گیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اس پر لشکر کشی کی اور ٦٧ھ میں مختار پر غلبہ پا کر اس ملعون کو قتل کر دیا۔

فضائل عاشورہ

خداوند قدوس اپنے مقدس کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ الی قولہ اربعۃ حرم۔ (پ۱۰ سورہ توبہ) بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں۔ جب سے اس آسمان اور زمین بنائے ان میں سے۔ چار حرمت والے ہیں۔ (کنزالایمان ص ۲۷۸)

ان ہی حرمت والے مہینوں میں ماہ محرم بھی شامل ہے۔ اس مہینے کی دسویں تاریخ جسے عاشورہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دنیا کی تاریخ میں اتنی عظمت و برکت والا دن ہے کہ جس میں خداوند قدوس کی قدرتوں اور نعمتوں کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، اسی دن حضرت ادریس و حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے، اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان نوح میں سلامتی کے ساتھ جودی پہاڑ پر پہنچی، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، اسی دن حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے زندہ و سلامت باہر آئے، اسی دن عرش و کرسی، لوح و قلم، آسمان و زمین، چاند و سورج، ستارے اور جنت بنائے گئے، اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور کی گئی، اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام گہرے کنویں سے نکالے گئے، اسی دن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اسی دن حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش معاف ہوئی، اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو جن و انس پر حکومت عطا ہوئی، اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی اور فرعون اپنے لشکر سمیت دریا میں غرق ہو گیا، اسی دن آسمان سے زمین پر سب سے پہلی بارش ہوئی، اسی دن قیامت آئے گی اور اسی دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کرام نے میدان کربلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے رہ کر اسلام کی بقاء و تحفظ کے

لیے جام شہادت نوش فرما کر حق کے پرچم کو سربلند فرمایا۔ (غنیتہ الطالبین ص۴۲۶، مکاشفتہ القلوب ص۶۵۷)

شب عاشورہ

حضرت مولا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے عاشورہ کی شب (۹ محرم کا دن گزر کر آنے والی رات) کو عبادت کی تو اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا اس کو زندہ رکھے گا۔ (غنیتہ الطالبین ص۴۲۸)

حضرت سیدنا غوث اعظم دستگیر الحسنی والحسینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص شب عاشورہ میں رات بھر عبادت میں مشغول رہے اور صبح کو روزہ رکھے تو اس کو اس طرح موت آئے گی کہ اس کو مرنے کا احساس بھی نہ ہوگا۔ (غنیتہ الطالبین ص۴۲۷)

اسی لیے علمائے کرام نے اس برکت والی رات میں بہت سی نمازیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے چند قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

(۱) دو رکعت نماز نفل اس رات میں روشنی قبر کے لیے پڑھیں اس کی ترکیب یہ ہے کہ دونوں رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص (قل ھو اللہ احد) تین تین بار پڑھے۔ حق تعالیٰ قیامت تک اس نماز پڑھنے والے کی قبر کو روشن فرما دے گا۔

(۲) چار رکعت نماز نفل ایک سلام سے پڑھیں، چاروں رکعتوں میں الحمد کے بعد سورہ اخلاص پچاس پچاس مرتبہ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اس نماز پڑھنے والے کے پچھلے پچاس سال کے گناہ اور آئندہ پچاس سال کے گناہ بخش دے گا۔ (جواہر غیبی)

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ شب عاشورہ میں چار رکعت نفل اس ترتیب سے پڑھیں کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد آیت الکرسی ایک بار اور سورہ اخلاص تین بار پڑھیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سورہ اخلاص سو بار پڑھیں تو اس کی برکت سے گناہوں سے پاک ہو جائیں گے اور جنت میں بے انتہا نعمتیں حاصل ہوں گی۔ راحت القلوب میں آیت الکرسی تین بار اور سورہ اخلاص دس بار لکھا ہے اور نماز سے فارغ ہو کر سورہ اخلاص سو بار پڑھیں۔ (راحت القلوب ص۲۲۵)

(۴) چار رکعت ایک سلام سے پڑھیں۔ چاروں میں الحمد کے بعد سورہ اخلاص پانچ بار پڑھیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی۔

عاشورہ کا روزہ

نویں اور دسویں محرم دونوں دن کا روزہ رکھنا چاہیے۔ اس کی بہت فضیلت ہے۔
حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھے ہوئے دیکھا۔ آپ نے ان سے فرمایا یہ کیسا دن ہے کہ جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ وہ عظمت والا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دی اور اس کو اس کی قوم کے ساتھ ڈبو دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسی کے شکریہ میں روزہ رکھا۔ اس لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کرنے میں تو تمہاری بہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور ساری امت کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۱۴)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ (محرم) کے دسویں دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۹۱)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ سے امید ہے کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال قبل کا گناہ مٹا دیتا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۹۰)

مسند امام احمد اور بزاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یوم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو۔ یعنی نویں اور دسویں محرم دونوں دن روزہ رکھو۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۲۴)

اشعتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد سوم ص ۲۱۷ پر ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عاشورہ محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو وہ

دن ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اگلے سال تک دنیا میں زندہ رہا تو میں ضرور نویں محرم کا روزہ رکھوں گا۔

قطب الاقطاب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے عاشورہ کے روزے کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ عاشورہ کے دن جنگل کی ہرنیاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی دوستی کے سبب اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ آدمیوں کے حال پر افسوس و تعجب ہے کہ وہ روزہ نہیں رکھتے۔ (راحت القلوب ص ۲۲۳)

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چار عمل ایسے ہیں جن کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی نہیں چھوڑا۔ اول عاشورہ کا روزہ، دوم عشرہ ذی الحجہ کا روزہ، سوم ہر ماہ کا تین روزہ (ایام بیض کا روزہ) اور چہارم فجر سے پہلے دو رکعت سنت موکدہ۔ (ماثبت بالسنتہ ص ۱۶)

عاشورہ اور سال نو کی نفل نمازیں

(۱) سرکار قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور غریب نواز علیہ الرحمتہ والرضوان کے اوراد میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جو کوئی محرم الحرام کی چاند رات میں دو رکعتیں پڑھے، دونوں رکعتوں میں الحمد کے بعد سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھے تو اس نماز پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ بہشت میں دو ہزار محل عطا فرمائے گا۔ ہر محل میں ہزار دروازے یاقوت کے ہوں گے۔ ہر دروازے پر ایک تخت زبرجد کا ہوگا اور اس پر حور بیٹھی ہوگی اور چھ ہزار برائیاں اس نمازی کی دور کی جائیں گی اور چھ ہزار نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

(۲) محرم کی پہلی تاریخ کو دو رکعت نفل پڑھے۔ یعنی دن میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین بار پڑھے۔ بعد سلام کے ہاتھ اٹھا کر اس دعا کو پڑھے۔

اللھم انت اللہ الفرد الابد القدیم ھذہ سنہ جدیدہ اسئلک فیہ العصمہ من الشیطان الرجیم والامان من السلطان الجابر و من

شر کل ذی شر من البلایا والافات واسئلک العون والعدل علی ھذہ النفس الامارہ بالسوء والاشتغال بما لم یقربنی الیک یابریا روف یارحیم یاذوالجلال والاکرام برحمتک یاارحم الراحمین۔ صاحب جواہر غیبی فرماتے ہیں جو شخص اس نماز اور دعا کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دو فرشتے موکل کرے گا تاکہ وہ مدد کریں اس کے کاروبار میں اور شیطان لعین کہتا ہے کہ افسوس میں ناامید ہوا اس شخص سے تمام سال تک۔ (راحت القلوب ص ۶۲۳، جواہر غیبی)

(۳) چھ رکعت دو دو رکعت کر کے پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد آیت الکرسی ایک بار اور سورہ اخلاص پندرہ بار پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اس نماز پڑھنے والے کو بے حد ثواب عطا فرمائے گا۔

عاشورہ دن کی نفل نمازیں

(۱) عاشورہ کے دن چار رکعت نماز نفل اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پچاس مرتبہ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اس نماز پڑھنے والے کے پچاس برس گزشتہ کے اور پچاس برس آئندہ کے گناہ معاف فرمائے گا اور جنت میں اس کے لیے نور کے ہزار محل تعمیر کرائے گا۔ (غنیتہ الطالبین ص ۴۲۷)

(۲) چار رکعتیں دو سلام سے پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اذا زلزلت الارض، سورہ قل یا ایھا الکافرون اور سورہ اخلاص ایک ایک بار پڑھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ستر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (غنیتہ الطالبین ص ۴۲۷)

(۳) عاشورہ کے دن چھ رکعت دو دو رکعت کر کے پڑھیں۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ والشمس، انا انزلناہ، اذا زلزلت الارض، قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ایک ایک بار پڑھیں اس طرح چھ رکعت پوری کریں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدے میں سر رکھ کر قل یا ایھا الکافرون ایک بار پڑھ کر اپنی حاجت طلب کریں۔ (راحت القلوب)

(۴) عاشورہ محرم کو سورج بلند ہونے کے بعد (تقریباً نو بجے صبح) دو رکعت نماز نفل ادا فرمائیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد جو بھی سورہ یاد ہو، پڑھیں۔ بے حد و بے اندازہ ثواب پائیں گے۔ (راحت القلوب)

(۵) عاشورہ کو غسل کر کے دو رکعت نماز نفل اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورہ اخلاص دس بار پڑھیں اور سلام کے بعد ایک مرتبہ آیت الکرسی اور نو مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں۔ عمر میں خیر و برکت اور زندگی میں فلاح و نعمت حاصل ہوگی۔

(۶) یکم محرم تا دس محرم روزانہ چار رکعت پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورہ اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھیں۔ نماز پوری کرنے کے بعد اس کا ثواب حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ارواح مبارکہ کے حضور پیش کریں۔ صاحبزادگان سید الکونین اس نماز پڑھنے والے کی قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ حضرت شبلی جو اس واقعے کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں روزانہ اس نماز کو پڑھ کر حضرات حسنین کریمین کو بخشا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت امام حسین شہید کربلا نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ تو میں نے عرض کیا حضور! مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی۔ فرمایا خطا نہیں، ہماری آنکھیں تمہارے احسان سے شرمندہ ہیں۔ جب تک ہم قیامت کے دن اس کا بدلہ نہ دلوا دیں گے اس وقت تک ہماری آنکھ ملانے کے قابل نہیں ہے۔ (یہ ان کا کرم ہے) (جواہر غیبی)

(۷) عاشورہ کے روز ستر مرتبہ حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس کا نام زمرہ مشائخ و اولیاء کبار میں تحریر فرمائے گا۔

کھچڑا اور سبیل امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کے لیے کون سا صدقہ افضل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ الماء فحفر بئرا وقال هذه لام سعد پانی تو حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے۔ (یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کے لیے ہے) (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۲۳)

اس حدیث پاک میں یہ الفاظ هذه لام سعد کہ یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے، یعنی یہ سعد کی ماں کے ایصال ثواب کے لیے وقف ہے۔ اس سے واضح طور سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کوئی صدقہ و خیرات کی جائے اور اس صدقہ و خیرات اور نیاز پر مجازی طور پر اس کا نام لیا جائے یعنی یوں کہا جائے کہ یہ سبیل یا کھچڑا حضرت امام حسین و شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم کے لیے ہے تو ہرگز ہرگز اس سبیل کا پانی یا دودھ اور کھچڑا حرام نہ ہو گا۔ ورنہ پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اس کنویں کا پانی بھی حرام تھا جس کی نسبت غیر اللہ یعنی سعد کی ماں کی طرف تھی حالانکہ اس کنویں کا پانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر صحابہ کرام و اہل مدینہ نے پیا ہے اگر صرف نسبت کر دینے سے کوئی چیز حرام ہو جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اس کنویں کا پانی پیتے؟ اس سے بالکل ظاہر ہو گیا کہ جس طرح کنویں کا پانی غیر اللہ کی طرف نسبت کر دینے سے حرام نہیں ہوتا اسی طرح حضرت امام حسین کی نیاز شربت یا کھچڑا ان کی طرف نسبت کر دینے سے حرام نہیں ہوتا ہے۔ کھچڑے کے متعلق تو ایک روایت

میں آتا ہے کہ خاص محرم کے دن کھچڑا پکانا حضرت نوح علیہ السلام کی سنت ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان سے نجات پا کر جودی پہاڑ پر ٹھہری تو وہ دن عاشورہ محرم تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کے تمام اناجوں کو باہر نکالا تو فول (بڑی مٹر) گیہوں، جو، مسور، چنا، چاول، پیاز یہ سات قسم کے غلے موجود تھے۔ آپ نے ان ساتوں کو ایک ہانڈی میں ملا کر پکایا۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین قلیوبی نے فرمایا کہ مصر میں جو کھانا عاشورہ کے دن بلیغ الحبوب (کھچڑا) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی اصل و دلیل یہی حضرت نوح علیہ السلام کا عمل ہے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ راحت المحبین میں فرماتے ہیں کہ جو شخص عاشورہ کے دن سات قسم کے دانے پکائے تو ہر دانے کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جائے گی اور اسی مقدار سے گناہ محو کیے جائیں گے۔ (تفسیر روح البیان پ ۱۲ آیات قصہ نوح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من وسع علی عیالہ فی النفقہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنہ یعنی جو شخص عاشورہ کے دن اپنے بال بچوں کے کھانے پینے میں خوب زیادہ فراخی و کشادگی کرے گا (یعنی زیادہ کھانا تیار کرا کر خوب پیٹ بھر کر کھلائے گا) اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس کے رزق میں وسعت اور خیر و برکت عطا فرمائے گا۔

(ماثبت بالسنہ ص ۱۹، اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۳۵، مکاشفۃ القلوب ص ۶۵۸، مظاہر حق ج ۲ ص ۱۴۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو کھانا حضرت امام حسین و امام حسن رضی اللہ عنہما کی نیاز کے لیے پکایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۸)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ملیدہ اور کھیر کسی بزرگ کے فاتحہ کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں، یہ جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۹۷) پھر چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اگر فاتحہ کسی بزرگ کے نام کی ہو تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۹۸)

امام اہل سنت مجدد دین و ملت حضرت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان سے کسی نے محرم شریف کے کھچڑے اور سبیل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے سبیل کے متعلق اپنے فتاوے میں ارشاد فرمایا کہ پانی یا شربت کی سبیل لگانا جبکہ بہ نیت محمود اور خالصاً لوجہ اللہ ثواب رسانی ارواح طیبہ ائمہ اطہار مقصود ہو تو بلاشبہ بہتر و مستحب اور کار ثواب ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اذا کثرت ذنوبک فاسق الماء علی الماء تتناثر الورق من الشجر فی الریح العاصف جب تیرے گناہ زیادہ ہو جائیں تو پانی پر پانی پلا گناہ جھڑ جائیں گے، جیسے سخت آندھی میں پیڑ کے پتے۔ اسی طرح کھانا کھلانا، لنگر بانٹنا بھی مندوب و باعث اجر ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ عزوجل یباھی ملائکتہ بالذین یطعمون الطعام من عبیدہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے جو لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں، فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے (کہ دیکھو یہ کیسا اچھا کام کر رہے ہیں) (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ نصف اول ص ۸۸)

محترم قارئین! ابھی آپ نے محدث دہلوی حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کا فتویٰ نیاز امام عالی مقام کے متعلق پڑھا جس میں آپ نے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا جو سیدنا اعلیٰ حضرت سے بہت پہلے کے بزرگ ہیں۔ بعدہ عاشق رسول اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کا فتویٰ ملاحظہ فرمایا۔ اب آپ کے سامنے وہابیت نجدیت، تبلیغی جماعت کے گرو گھنٹال مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ وہی رشید احمد گنگوہی ہے جس نے کوا کھانے کو کار ثواب بتایا ہے۔ پڑھیے اور حضرت امام عالی مقام سے ان کی دشمنی ملاحظہ فرمایئے۔

رشید احمد گنگوہی اور تمام دیوبندیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ محرم میں سبیل لگانا، شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۳)

دوسری جگہ سوال کیا گیا کہ ہندوؤں کے تہوار دیپاولی اور ہولی کی پوریاں کھانا

مسلمانوں کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟ تو مولانا رشید احمد گنگوہی جواب دیتا ہے' درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۲۳) ایک اور سوال کیا گیا کہ ہندو جو پیاؤ پانی کی لگاتے ہیں' سودی روپیہ صرف کر کے مسلمانوں کو اس کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب رشید احمد گنگوہی دیتا ہے' اس پیاؤ سے پانی پینے میں مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۱۱۴)

مسلمانو! حیرت کا مقام ہے کہ دیوبندیوں کا گرو گھنٹال اولیاء کرام کے نام کا شربت تو حرام بتا رہا ہے اور بتوں کے نام پر ایک کافر ناپاک کے ہاتھ کی بنی ہوئی پوری' کچوری اور سودی روپیہ کے پیاؤ سے پانی پینے کو جائز بتا رہا ہے۔ اس سے ان کے عقیدے کا اندازہ بہت آسانی سے لگ جاتا ہے کہ اس گروپ کا تعلق اولیاء کرام سے ہے یا گروہ شیطان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانان عالم کو ان کے ناپاک اور گندے عقیدوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مجالس محرم

محرم الحرام کے دسوں دن خصوصاً عاشورہ کے دن مجلس منعقد کرنا اور صحیح روایتوں کے ساتھ حضرت سیدنا امام حسین و شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم کے فضائل اور واقعات کربلا بیان کرنا جائز و باعث ثواب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس مجلس میں صالحین کا ذکر ہو وہاں رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بالفعل جو کچھ معمول اس فقیر کا ہے' لکھتا ہے اس سے قیاس کر لینا چاہیے کہ سال بھر میں دو مجلسیں فقیر کے مکان میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ ایک مجلس ذکر وفات شریف (میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم) دوسری مجلس شہادت حسین رضی اللہ عنہما اور یہ مجلس بروز عاشورہ یا اس سے دو ایک دن قبل ہوتی ہے۔ چار پانچ آدمی کبھی کبھی ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد جب فقیر آتا ہے تو لوگ بیٹھتے ہیں اور ذکر فضائل حسین رضی اللہ عنہما کا جو حدیث شریف میں وارد ہے' بیان کیا جاتا ہے اور جو کچھ احادیث میں ان بزرگوں کی شہادت کی

خبر ہے اور روایت صحیحہ میں جو کچھ تفصیل بعضے حالات کی ہے اور ان حضرات کے قاتلوں کی بد عنوانی کا بیان ہے، وہ ذکر کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں بعضے مرثیے جو جن و پری سے حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنے ہیں، وہ بھی ذکر کیے جاتے ہیں اور وہ خواب وحشت ناک ذکر کیے جاتے ہیں جو حضرت عباس و دیگر صحابہ نے دیکھے تھے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے نہایت رنج و الم ہوا۔ پھر ختم قرآن کیا جاتا ہے اور پنج آیت پڑھ کر کھانے کی جو چیز موجود ہوتی ہے، اس پر فاتحہ کیا جاتا ہے اور اس اثنا میں اگر کوئی شخص خوش الحان بسلام پڑھتا ہے یا مرثیہ شروع پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر حاضرین مجلس اور اس فقیر کو بھی حالت رقت و گریہ و بکالاحق ہوتی ہے۔ اس قدر عمل میں آتا ہے تو اگر یہ سب فقیر کے نزدیک اس طریقہ سے جس کا ذکر کیا گیا ہے، جائز نہ ہوتا تو ہرگز فقیر ان چیزوں پر اقدام نہ کرتا۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۲۶۵)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علامہ شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ و الرضوان فرماتے ہیں جو مجلس ذکر شریف سیدنا امام حسین و اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی ہو جس میں روایات صحیحہ معتبرہ سے ان کے فضائل و مقامات و مدارج بیان کیے جائیں اور ماتم و تجدید غم وغیرہ امور مخالفہ شرع سے یکسر پاک ہو فی نفسہ حسن و محمود ہے۔ خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم اگرچہ وہ نظم بوجہ ایک مسدس ہونے کے جس میں ذکر حضرت سید الشہداء ہے، عرف حال میں بنام مرثیہ ہو کہ اب وہ مرثیہ نہیں جس کی نسبت ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المراثی واللہ سبحانہ تعالی۔ (اعالی الافادہ فی تعزیہ الہند و بیان الشہادہ ص ۱۶)

اسی رسالے میں دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ذکر شہادت شریف جبکہ روایات موضوعہ و کلمات ممنوعہ و نیت نامشروعہ سے خالی ہو عین سعادت ہے۔ عند ذکر الصلحین تنزیل الرحمہ (الحدیث) یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ (ص ۹)

اس کے برخلاف دیوبندی جماعت کے گرو گھنٹال مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے

ہیں کہ محرم میں ذکر شہادت حسنین علیہما السلام کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو، تب بھی نادرست اور شبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۱۱۳)

قارئین کرام! مجالس محرم کے سلسلے میں اہل سنت و جماعت کا موقف اور دیوبندی جماعت کا فتویٰ آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ محب امام حسنین کون ہے اور کون دشمن امام حسین؟

نوٹ: آج کل جو مرثیے پڑھے جاتے ہیں ان میں اکثر روایتیں غلط طور سے لکھی ہوتی ہیں اس لیے ان کا پڑھنا جائز نہیں ہے ہاں اگر روایات صحیحہ ہوں تو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ناچیز نے مستند و معتبر روایات کی روشنی میں واقعات کربلا بیان کیا ہے اس کو اگر مجالس محرم میں پڑھا جائے تو انشاء اللہ حضرت امام حسین کی روح خوش ہوگی۔[1]

[1] اور ان کے فیوض و برکات حاصل ہوں گے۔

تعزیہ داری اور خرافات محرم

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمتہ والرضوان تعزیہ داری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عشرہ محرم میں تعزیہ داری اور قبرو صورت وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۲)

اسی فتاویٰ عزیزی کے ص ۱۸۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ تعزیہ داری جیساکہ بد مذہب کرتے ہیں، بدعت ہے اور ایسے ہی تابوت، قبروں کی صورت اور علم وغیرہ یہ بھی بدعت ہے اور ظاہر ہے کہ بدعت سیئہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تعزیہ جو کہ بنایا جاتا ہے زیارت کے قابل نہیں بلکہ اس قابل ہے کہ اسے نیست و نابود کیا جائے جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فلسانہ فان یستطع فبقلبہٖ و ذالک اضعف الایمان (رواہ مسلم۔) تم میں سے جو ں کوئی بات خلاف شرع دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے ختم کرے اور اگر ہاتھ سے ختم رنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر زبان سے بھی منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ (ص ۱۸۴)

تعزیہ داری میں کسی طرح کی امداد کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز نہیں ہے اس لیے کہ گناہ پر مدد ہے اور گناہ پر مدد ناجائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۶)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سیدنا امام احمد خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں۔ تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضہ پرنور حضور شہزادہ گلگوں

قباحسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیٰ جدہ الکریم و علیہ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیت تبرک مکان میں رکھنا، اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر مکانات وغیرہا ہر غیر جاندار کی بنا کر رکھنا سب جائز اور ایسی چیزیں معظمان دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں۔ ان کی تمثال بہ نیت تبرک پاس رکھنا قطعاً جائز جیسے صدہا سال سے طبقتہ فطبقتہ ائمہ دین و علمائے معتمدین، نعلین شریفین حضور سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشے بناتے اور ان کے فوائد جلیلہ و منافع جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں جسے اشتباہ ہو علامہ امام تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ کا مطالعہ کرے مگر جہاں بے خرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الامان الامان کی صدائیں آئیں۔ اول تو نفس تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی۔ ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت ہے جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت۔ پھر کسی میں پریاں کسی میں براق، کسی میں اور بے ہودہ طمطراق۔ پھر کوچہ بہ کوچہ و دست بدست اشاعت غم کے لیے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی۔ کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغول طواف، کوئی سجدے میں گرا ہے کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علی جدہ و علیہ الصلوۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے پھر باقی تماشے، باجے تاشے، مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں۔ غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا۔ ان بے ہودہ رسوم نے جاہلانہ و فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا۔ ریا و تفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر (یا اسٹیج لگا کر) پھینکیں گے، روٹیاں زمین پر گرتی ہیں۔ رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے، پیسے دیتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اضاعت ہوتی ہے مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔ اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی

پوری رسوم جشن- یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جنازے ہیں- کچھ نوچ اتار، باقی توڑ تاڑ کر دفن کر دیئے- یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جداگانہ رہے- اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثنا کا ہمارے بھائیوں کو نیکی کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے- آمین اب کہ تعزیہ داری اسی طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و حرام ہے- ہاں اگر اہل اسلام جائز طور پر حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کی سعادت پر انحصار کرتے تو کس قدر خوب و محبوب تھا اور اگر نظر شوق و محبت میں نقل روضہ انور کی بھی حاجت تھی تو اس قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرض تبرک و زیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعت غم و تصنع الم و نوحہ خوانی و ماتم کنی اور دیگر امور شنیعہ و بدعات قطعیہ سے بچتے، اس قدر میں کوئی حرج نہ تھا مگر اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لیے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے اور حدیث میں آیا ہے اتقوا مواضع التھم اور وارد ہوا من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم- لہٰذا روضہ اقدس حضور سید الشہداء کی ایسی تصویریں بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اسے بقصد تبرک بے آمیزش منہیات اپنے پاس رکھے جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظمہ اور روضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں- یا دلائل الخیرات شریف میں قبور پرنور کے نقشے لکھے ہیں- والسلام علی من اتبع الہدیٰ واللہ تعالیٰ و سبحانہ اعلم- (اعالی الافادہ فی تعزیہ الہند و بیان الشہادہ ص ۲)

تعزیہ پر جو کھانا یا مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اس کو نہیں کھانا چاہیے- اعلحضرت تحریر فرماتے ہیں- حضرت امام کے نام کی نیاز کھانی چاہیے اور تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ چاہیے پھر دو سطر بعد تحریر فرماتے ہیں تعزیہ پر چڑھانے سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی نیاز نہیں ہو جاتی اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو اس کے کھانے سے احتراز کرنا چاہیے- (رسالہ تعزیہ داری ص ۱۸)

محرم الحرام کی خرافات

اسلامی نیا سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ الحرام پر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس ماہ مبارک میں بہت سی خرافات اور بدعات رائج ہیں۔ ہم قدرے تفصیل سے اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

محرم الحرام کا مہینہ شروع ہوا کہ بعض مسلمان سینکڑوں ہزاروں روپے خرچ کر کے نقلی روضہ حسن و حسین بناتے ہیں اور اس کو حضرت امام حسین کے روضہ مقدسہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کا نام تعزیہ رکھتے ہیں اور اس میں دو مصنوعی قبریں بھی بناتے ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسری پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں۔ سبز غلاف والی کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر بتاتے ہیں اور وہاں شربت یا ملیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلاتے ہیں۔ ناریل چڑھاتے ہیں اس سے منتیں مانگتے ہیں، مرثیے پڑھے جاتے ہیں، نوحہ اور ماتم بھی کرتے ہیں اور سینہ کوبی ہوتی ہے۔ اتنے زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ایک دھوم مچ جاتی ہے۔ زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں، پھر دسویں محرم کو علم اور شدے اور تعزیہ کا جلوس نکالتے ہیں۔ اس کے آگے ڈھول تاشے بجاتے، کودتے ناچتے ہوئے مصنوعی کربلا کی طرف جاتے ہیں اور وہاں اس کو لے جا کر دفن کر دیتے ہیں، کہیں کہیں ہم نے خود دیکھا ہے۔ خاص طور سے ضلع سورت میں۔ (خاص جحت کے لیے) ان خرافات کو دیکھا کہ لوگ تعزیہ کے اوپر چڑھتے ہیں اور جو عورتیں بے پردہ گھروں سے نکل کر ان تعزیوں کو دیکھنے سڑکوں پر نکل پڑتی ہیں، ان کو چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں پھر اس کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کہیں پر اس کو دفن کرتے ہیں۔ اس کے بعد تعزیہ یا امام حسین کا تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں کرتے ہیں کہ امام حسین (معاذ اللہ) انتقال کر گئے۔ حالانکہ آپ شہید ہیں اور شہید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وہ زندہ ہیں، مرتے

نہیں ہیں۔

کہیں سواریاں بٹھائی جاتی ہیں اور کربلا کے لٹے ہوئے قافلہ کی یاد تازہ کی جاتی ہے اور ان سے منتیں مانگتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں، کہیں باگ بنائے جاتے ہیں اور صرف لنگوٹ پہن کر کودتے، اچھلتے ہیں اور شیطانی حرکت کرتے ہوئے گزرتے ہیں جس سے ستر عورت کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ حدیث پاک میں ہے کہ لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ایسا منظر کرنے اور دیکھنے والے پر۔ یہ سب خرافات و ناجائز ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ بعض اہلسنّت و جماعت بھی عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں اور محرم میں شادی بیاہ کو ناجائز بتاتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کہیں سواریاں نکالی جاتی ہیں اور ناچتے کودتے سڑکوں کا گشت کرتے ہیں۔ ایسے اکثر لوگ بے نمازی اور فاسق و فاجر ہوتے ہیں۔ لوگ ان سے سوالات کرتے ہیں اور بعض اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ ہم جو بھی سوال ان سے کرتے ہیں وہ صحیح صحیح جواب دیتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اس کے (سواری کے) آنگ میں حضرت امام حسین تشریف لے آئے ہیں، وہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ معاذ اللہ صد معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے خرافات اور گندے عقائد سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

عاشورہ کے دن ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

عاشورہ کے دن دس چیزوں کو علمائے کرام نے مستحب لکھا ہے۔ بعض علماء نے اسے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض نے اسے حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کا قول بتایا ہے۔ بہرحال! یہ سب اچھے کام ہیں، ان کو کرنا چاہیے۔

(۱) روزہ رکھنا

(۲) صدقہ کرنا

(۳) نوافل پڑھنا

(۴) ایک ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنا

(۵) علماء اور اولیاء کی زیارت کرنا
(۶) یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا
(۷) اپنے گھر والوں پر کھانے میں وسعت و فراخی کرنا
(۸) سرمہ لگانا
(۹) غسل کرنا
(۱۰) ناخن تراشنا، مریضوں کی بیمار پرسی کرنا اور امام عالی مقام و دیگر کے نام کی فاتحہ کرنا

غسل

محرم کی دس تاریخ کو غسل ضرور کریں کیونکہ اس روز زمزم کا پانی تمام پانیوں میں پہنچتا ہے۔ مصنف تفسیر نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ عاشورہ کے دن غسل کرنے والا سال بھر بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ (بحوالہ تفسیر روح البیان پ ۱۲)

سرمہ لگانا

محرم کی دس تاریخ کو جو شخص سرمہ لگائے تو ان شاء اللہ سال بھر اس کی آنکھ نہیں دکھے گی۔ (در مختار کتاب الصوم، ماثبت بالسنہ ص ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ مولائے کریم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مسلمانوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سچی محبت عطا فرمائے اور جس مقصد کے لیے آپ نے اپنی جان قربان فرمائی اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور محرم الحرام کا جملہ خرافات و بدعات سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین

وصلی للہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ و ازواجہ واہل بیتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ؛

مقام امام حسین اور واقعات کربلا

خوارج کے نکتہ نظر میں

مخالفین اسلام کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں سے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل بیت اطہار امہات المومنین' صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی محبت وعقیدت کو نکال کر ان کے دلوں کو ویران کر کے ان پر دشمنان اسلام کو حاوی کر دیں۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہی مذکورہ بالا حضرات کی محبت وعقیدت ان کے ایمان کی روح ہے۔ جب یہی کمزور ہو جائے گی تو ان کو ختم کرنا بالکل آسان ہو جائے گا۔ اسی لئے دشمنان دین وملت سب سے پہلے اپنی تنقید کا نشانہ ان ہی ذوات عالیہ کو بنایا۔ اس سلسلے میں بعض نام نہاد مسلم محققین نے بھی اپنی بے جا تحقیق کے پردے میں دشمنان اسلام کا ہاتھ مضبوط کیا اور ان کے ناپاک اور خطرناک مشن کو آگے بڑھانے میں ایک اہم رول ادا کیا۔ اسی قسم کی ایک بے جا تحقیق سرزمین اورنگ آباد (مہاراشٹر) کے ایک ناصبی خارجی ظہور احمد اورنگ آبادی ہندوستان میں اور محمود عباسی نامی شخص نے پاکستان میں پیش کی ہے۔ جس میں ان خارجیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور یزید پلید کو برحق خلیفۃ المسلمین ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ان لوگوں کی تحقیق سے مضطرب ذہنوں میں جو سوالات اٹھے ہیں ہم ایک ایک کر کے اسے ذکر کر رہے ہیں اور انشاء اللہ وانشاء رسولہ ہر ایک سوال کا مثبت ومسکت جواب دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سوالات

نمبر۱: کیا ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں خیانت سے کام لیا ہے؟

نمبر۲: کیا یزید کی حکومت وخلافت قوانین شرعیہ کے عین مطابق تھی' اور کیا اس پر تمام صحابہ اور جمہور مسلمین کا اتفاق تھا؟

نمبر۳: کیا یزید کو امیر المومنین کہہ سکتے ہیں اور کیا اسکے نام کے آگے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا ازروئے شرع جائز ہے؟

نمبر۴: کیا حسینی قافلے پر ۷ محرم سے دریائے فرات کا پانی بند کیا جانا جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے؟

نمبر۵: کیا امام عالی مقام ۱۰ محرم کو کربلائے معلیٰ پہنچے؟

نمبر۶: کیا امام عالی مقام اور دیگر شہدائے کربلا کو شہید کرنے کے بعد ان کے سروں کو لاشوں سے جدا کرنا' پھر انہیں نیزوں پر چڑھا کر ان کی تشہیر کرنا اور لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کو روند ڈالنا[1] یہ تمام باتیں بھی جھوٹ' غلط اور بے بنیاد ہیں؟

نمبر۷: کیا کربلا میں پہلا حملہ حسینی خیمہ سے کیا گیا تھا؟

نمبر۸: کیا یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا؟ اور کیا وہ اس کام سے راضی نہیں تھا؟

نمبر۹: کیا یزید قسطنطنیہ کے اول حملے میں شریک ہوا تھا اور کیا وہ جنتی ہے؟

جوابات

ہم ان اٹھائے گئے سوالات کا تحقیقی جواب پیش کر رہے ہیں ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں بنے بنائے پروگرام کے تحت خیانت و بددیانتی کی انتہا کر دی ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مکمل کتابیں ہی خیانت' بد دیانتی' کذاب و افتراء اور دجل و فریب سے بھری ہوئی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس سے پہلے کہ ہم ان خائن اہل قلم کی بد دیانتی اور قلمی چوری کا پردہ فاش کریں اپنے قارئین کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں مذکورہ بالا کتاب مرتبہ محمود احمد عباسی کی بدنام زمانہ کتاب خلافت معاویہ یزید ظہور احمد کی کوئی اپنی قلمی کاوش یا علمی قابلیت کا نمونہ نہیں ہے بلکہ ایسی غیر مستند اور دل آزار کتاب کے مواد کو چوری کر کے ترتیب دی گئی ہے جسے حکومت پاکستان نے دشمنی امام حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اپنے ملک میں پابندی

---

[1] اور ان سروں کو ابن زیاد اور یزید کے پاس روانہ کرنا۔

عائد کر دی تھی اور ہندو پاکستان کے علمائے حق نے اس کتاب کی سطر سطر کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ اور اسے سرزمین پاکستان میں خلاف قانون قرار دے دیا گیا تھا۔ اور عوام الناس کے سامنے اپنی علمی قابلیت کو ثابت کرنے کیلئے مرتب کتاب کے بھائی نثار احمد اورنگ آبادی نے اپنے بھائی کی کتاب کو اس کی اپنی علمی کاوش اور امانت علمیہ کے روپ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''موصوف نے محرم اور اس کی فضیلت' اس ماہ میں ہونے والے واقعات' حادثات اور حقائق کا ذکر کرنے میں قرآن و حدیث سے دلائل اخذ کر کے ساتھ ہی ساتھ کتب سیر و تاریخ کے اسماء و صفحات کا بھی حوالہ دیا ہے جس سے موصوف کی دقت نظری اور امانت علمیہ کا ثبوت ملتا ہے۔''

(آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں ا)

یعنی چوری تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ اہل علم یا جن کے پاس ''خلافت معاویہ و یزید'' نامی کتاب ہوگی وہ مذکورہ بالا عبارت کو دیکھ کر یقینی طور پر کہہ اٹھیں گے کہ دیکھو کس طرح عوام کو دھوکہ اور فریب دیا جا رہا ہے۔ اور حقائق کو چھپا کر اپنی علمی قابلیت کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ اب ہم ظہور احمد کی بد دیانتی اور مکر و فریب کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں۔ خارجیوں اور ناصبیوں کی تحریروں خصوصا ظہور احمد کی کتاب میں جو بات سب سے زیادہ دل خراش اور دشمنی امام حسین کا کھلا ہوا نمونہ ہے وہ یہ ہے کہ مرتب کتاب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے ہی کو سرے سے صفحہ ہستی سے مٹانے اور اپنے لاڈلے یزید کی پوزیشن کو داغدار نہ ہونے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ چنانچہ انتہائی شرمناک جسارت کرتے ہوئے شہزادۂ رسول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق لکھتا ہے کہ ''حسین ابن علی رضی اللہ عنہ ماہ صفر کو قتل ہوئے۔ اس وقت ان کا سن پچپن سال تھا''۔

(آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں ۱۰ بحوالہ طبری)

مذکورہ بالا عبارت '' تاریخ طبری'' کی ایک نامتمام عبارت ہے جسے اس طرح پیش کر کے امت مسلمہ کو ایک بہت بڑا فریب دے کر امام عالی مقام کی شہادت کو سرے سے ختم کرنے کی ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت کوشش کی جاری ہے۔ اب

آیئے ہم آپ کے سامنے اصل عبارت جس کا حوالہ ظہور احمد مذکور نے اپنی کتاب میں دیا ہے اسی تاریخ طبری سے ہم صحیح حوالہ نقل کر رہے ہیں۔

''آپ عراق میں آئے اور روز عاشورہ ۶۱ھ نینوا میں قتل کیے گئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہ صفر ۶۱ھ میں قتل کیے گئے اور سن آپ کا پچپن برس کا تھا۔ ثابت یہی ہوتا ہے کہ محرم کی دسویں کو قتل ہوئے'' (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۲۰)

محترم قارئین! اندازہ لگائیں کہ مرتب کتاب نے اصل حقیقت کے بیان میں کس قدر خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے کہ طبری کی اصل اور صحیح ثابت ہوئی روایت کو ہڑپ کر دیا اور اپنے مطلب کیلئے ادھوری عبارت پیش کر کے امت مسلمہ کو دھوکہ دینے اور اتحاد بین المسلمین کو پارہ پارہ کرنے کی ایک شرمناک جسارت کی ہے۔ کیا ہے کوئی مرد مجاہد جو ایسے خائن کو اس کے کرتوت کی سزا دے؟

ظہور احمد کی تیسری سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ وہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیاز اور سبیل کو حرام قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

''محرم میں جو بھی چیزیں بنائی جاتی ہیں شربت، نذر و نیاز کے ملیدے، مٹھائیاں اور کھچڑا وغیرہ یہ سب غیر اللہ کے نام کی چیزیں ہوتی ہیں جن کا کھانا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے اور وہ ہر چیز جو اللہ کے نام کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے۔'' (آؤ محرم ص ۱۸)

خائن ظہور احمد خارجی نے جس آیت کریمہ کا ترجمہ پیش کیا ہے وہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اور آیت کریمہ سے جو مطلب نکالا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ آیئے سب سے پہلے ہم اصل حقیقت آپ کے سامنے پیش کریں۔ سب سے پہلے آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ اور اس کے بعد چند مفسرین کرام کا اس آیت کریمہ کے تحت تفاسیر پیش کی جائیں گے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا وہ حرام ہے۔ (کنزالایمان) یہاں ان جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے جو وقت ذبح غیر خدا کا نام لے کر ذبح کے گئے

ہوں۔ چنانچہ تفسیر "خزائن العرفان" میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت
کے لوگ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔ اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ
کے نام پر کیا گیا مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا وہ حرام نہیں
جیسے کہ عبداللہ کی گائے' عقیقے کا بکرا ولیمے کا جانور' یا وہ جانور جس سے اولیاء کی ارواح
کو ثواب پہنچانا منظور ہو ان کو غیر وقت میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے
مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہوا اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال
وطیب ہے۔ اس آیت کریمہ میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس پر ذبح کرتے
وقت غیر خدا کا نام لیا جائے۔ (تفسیر خزائن العرفان ۳۹)

تفسیر موضح القرآن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ اور وہ جانور حرام ہے تم پر
جو آواز اٹھائیں یعنی کہیں اس کو ذبح کرنے کے وقت نام سوائے خدائے تعالیٰ کے
(۲۶)

تفسیر حسینی قادری میں اسی آیت کے ماتحت ہے اور حرام کی وہ چیز جس پر ذبح
کے وقت آواز بلند کریں لغیر اللّٰہ واسطے غیر خدا کے' بتوں کے نام پر۔ (ج ۱ ص۲۱)

تفسیر احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے معناہ ذبح بہ لاسم غیر اللّٰہ مثل
لات وعزیٰ واسماء الانبیاء۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا
گیا ہو اور وہ وہ ہے جو لات وعزیٰ کیلئے ذبح کیا جاتا تھا۔ (ص ۴۱ مطبع رحیمیہ دیوبند)

ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت اُهِلَّ میں یا مَا اُهِلَّ سے مراد ہے ذبح
کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا' لہٰذا اگر کوئی جانور یا کوئی چیز کسی کی طرف منسوب کر دی
جائے تو وہ حرام نہیں ہوتی۔ ظہور احمد سمجھے آپ۔ آیت کریمہ میں جانوروں کے متعلق
بیان کیا گیا ہے اور آپ اس سے اولیاء کرام اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ
کی نیاز مراد لے کر حرام قرار دے رہے ہیں۔ کیا یہ خیانت نہیں ہے؟ اور اگر جو معنی
آپ نے نکالا ہے اور اگر وہی مراد لیا جائے تو پھر دنیا کی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہ
جائے گی جو حرمت کے دائرے میں نہ آ جائے۔ اسلئے آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور
فرمایئے اور اپنے گندے عقیدے سے توبہ کر لیجئے۔

علامہ احمد جیون علیہ الرحمہ جو عرب و عجم کے علماء کے استاد ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں' اپنی کتاب "تفسیرات احمدیہ" میں اسی آیت **ما اهل به لغير الله** کے ماتحت فرماتے ہیں **ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم في زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانوا ينذرونها (ص ۴۲)**

اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کیلئے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔

لیجئے ظہور احمد اورنگ آبادی' آپکے شہر کے بانی حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے استاد گرامی نے اولیاء کرام کے جانوروں کو جائز فرما دیا۔ کیا اب اپنے گھر کی گواہی کو بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا؟

اس کے علاوہ ظہور احمد نے جو بیل اور بچھڑے کو ناجائز و حرام بتایا ہے اس کا مکمل جواب ناچیز کی اسی کتاب کے حصہ اول میں بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے وہاں مطالعہ کیا جائے۔

سوال نمبر ۲: کیا یزید کی حکومت و خلافت قوانین شرعیہ کے عین مطابق تھی اور کیا اس پر تمام صحابہ اور جمہور مسلمین کا اتفاق تھا؟

جواب: ہرگز نہیں' بالکل غلط' جھوٹ اور کھلا ہوا فریب اور تاریخی واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ اگر تاریخی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم صحابہ کرام' تابعین عظام کے اقوال اور تاریخی شواہد پیش کریں سب سے پہلے ظہور احمد اورنگ آبادی کی اس عبارت کو پیش کر رہے ہیں جس میں یزید کو بالاتفاق مسلمانوں کا خلیفہ (بادشاہ) پیش کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

ناصبی ظہور لکھتا ہے کہ "امیر یزید کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا...... اور یہ سب سے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی تحریک و تائید سے ہوا تھا۔"

قارئین کرام! ناصبی ظہور ابن یزید اور دوسرے خارجی مذکورہ بالا عبارت سے یہ تاثر دینے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں کہ یزید بڑے بڑے صحابہ کرام کی تحریک و تائید سے خلیفہ منتخب ہوا تھا۔ حالانکہ تاریخی حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ آیئے سب سے پہلے کس نے تحریک شروع کی تھی۔ تو تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل واضح اور صاف ہو جاتی ہے کہ تمام صحابہ کرام نہیں بلکہ صرف ایک شخص حضرت مغیرہ بن شعبہ ہی اس تحریک کے بانی تھے اور انہوں نے بھی صرف اپنی گورنری باقی رکھنے کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ یزید کو ولی عہد بنایا جائے۔ صاحب تاریخ طبری و تاریخ الخلفاء یزید کی ولی عہدی کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ جو حضرت امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ ان کو جب امیر معاویہ نے معزولی کا فرمان لکھ کر بھیجا تو انہوں نے اس کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اور چند روز کے بعد خود حضرت امیر معاویہ کے پاس پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ نے دیر سے حاضر ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ میں ایک اہم کام کی تکمیل میں مصروف تھا۔ جس کے باعث تعمیل حکم میں اتنی تاخیر ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ نے پوچھا۔ وہ اہم کام کون سا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا کہ میں لوگوں سے یزید کیلئے خلافت کی بیعت لے رہا تھا۔ یہ سن کر حضرت امیر معاویہ نے دریافت فرمایا پھر تم نے اس کام کی تکمیل کر دی۔ مغیرہ نے کہا ہاں' میں اس کام کو پورا کر چکا ہوں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ نے مغیرہ کو کوفہ کی گورنری کیلئے بحال کر دیا۔ اور حکم دیا کہ یزید کی بیعت کیلئے مزید کام کرے۔ اسکے بعد حضرت امیر معاویہ نے زیاد (گورنر بصرہ) سے یزید کی ولی عہدی کیلئے مشورہ طلب کیا تو زیاد نے اپنے معتمد خصوصی عبید بن کعب نمیری کو یزید کی ولی عہدی سے اپنی بے زاری اور نفرت کا مندرجہ ذیل پیغام دے کر حضرت امیر معاویہ کے پاس روانہ کیا کہ "اسلام کا تعلق اور ذمہ داری بہت بڑی چیز ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ یزید کی طبیعت میں کاہلی اور سہل انگاری بہت ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ شکار کا گرویدہ ہے۔ اس لئے آپ ابھی تامل کیجئے۔"

(تاریخ الخلفاء ص ۲۰۱' تاریخ طبری ج ص ۱۳۴)

یزید کی ولی عہدی کیلئے مشورے جاری تھے کہ کچھ نو مسلم اور سرکاری مسلمانوں نے مغیرہ بن شعبہ کی جانب سے نذرانے ملنے اور اس کے حکم سے یزید کی ولی عہدی کی تائید کرنے کیلئے حضرت امیر معاویہ کے پاس پہنچ گئے۔ یہ تعداد میں تھوڑے تھے۔ اس لئے ان کی بات پر کچھ توجہ نہیں دی گئی۔ ادھر اکثریت نے اس معاملے کو اہلیان مدینہ منورہ کے مشورے اور رائے پر چلنے کی تائید کی۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بذات خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور یزید کی ولی عہدی کیلئے مدینہ والوں بالخصوص صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا لیکن اس میں بھی ان کی کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ اسکی پوری تفصیل اسی کتاب کے حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ امام المحدثین حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ علامہ ابن جوزی سے نقل فرماتے ہیں کہ جب ۶۲ھ شروع ہوا تو یزید پلید نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو جو اس کا چچا زاد بھائی تھا مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ باشندگان مدینہ سے یزید کی بیعت لے۔ عثمان نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو یزید کے پاس بھیجا۔ جب یہ جماعت یزید کے پاس سے مدینہ منورہ لوٹی تو اس نے یزید کی برائیاں کھلے عام بیان کرنا شروع کر دیں۔ اور اس کی بے دینی' شراب نوشی' اور ممنوعات کے ارتکاب اور کتوں سے کھیلنے کا ذکر کیا۔ نیز دوسری اور اس کی برائیاں منظر عام پر لے آئے تو اہلیان مدینہ نے اس جماعت سے یہ حالات سن کر یزید کی بیعت و خلافت سے بے زار ہوگئے۔ اسی جماعت میں منذر نامی ایک شخص تھے۔ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ یزید نے مجھ کو ایک لاکھ درہم دیئے ہیں لیکن میں سچائی کو ہاتھ سے جانے نہ دوں گا۔ سنئے۔ یزید شراب نوش اور تارک صلوٰۃ ہے۔ نیز یہی شخص ابن جوزی ابوالحسن بدائنی سے جو ثقہ راوی ہیں نقل کرتے ہیں کہ اہلیان مدینہ نے یزید کی علامات فسق و فجور کے ظاہر ہونے کی بعد منبر پر چڑھ کر اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ ابن عمرو بن حفص مخزومی نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر کہا اگرچہ یزید نے مجھ کو صلہ اور انعام دیا ہے لیکن وہ خدا کا دشمن اور دائم السکر ہے۔ میں نے اس کی بیعت توڑ دی ہے جیسے اپنی

دستار سر سے اتار لی ہے۔ پھر دوسرے اٹھے اور انہوں نے اپنی جوتی پاؤں سے نکال کر پھینک دی اور کہا میں نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے۔ یہاں تک کہ عماموں اور جوتیوں سے مجلس بھر گئی۔' جذب القلوب ص ۴۷)

اے یزید کے ہم نوا ظہور احمد اورنگ آبادی! دیکھئے یہ ہیں وہ حضرات جو یزید کے ہم زمانہ اور اس کے تمام فاسقانہ حالات کے چشم دید گواہ جو یزید کے بارے میں اہلیان مدینہ کے سامنے گواہی دے رہے ہیں۔ کیا اب بھی آپ یزید کو بالاتفاق خلیفہ تسلیم کرنے کی اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں گے؟

محدث جلیل حضرت علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یزید کے گناہوں میں حد درجہ بڑھ جانے کی وجہ سے اہلیان مدینہ نے اسکی بیعت توڑ دی تھی۔ (صواعق محرقہ ص ۳۳۲)

محترم قارئین! اب آیئے خارجیوں کے ترجمان محمود عباسی اور ظہور احمد اورنگ آبادی کی اس بد دیانتی کا پوسٹ مارٹم کریں جو انہوں نے یزید کی ولی عہدی کیلئے مقدمہ ابن خلدون کی ناتمام عبارت پیش کر کے عوام الناس کو دھوکہ اور فریب دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یزید کی ولی عہدی پر جمہور صحابہ کا اتفاق تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنانے کی تحریک شروع کی تو بقول ابن خلدون یزید فاسق و فاجر نہیں تھا۔ لیکن جب یزید کا فسق و فجور ظاہر ہو گیا تو صحابہ کرام اسکے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے۔ کسی نے یزید کی بیعت توڑ کر اس سے جنگ کرنے کا ارادہ فرما لیا اور کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو جنگ سے روک کر خاموشی اختیار کرنے پر اکتفا کیا تاکہ آپس میں جھگڑا فساد اور خون خرابہ نہ ہو۔ وہ اس لئے خاموش نہیں تھے کہ ان کو یزید کی خلافت وحکومت تسلیم تھی۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حینئذفی شانه فمنهم من رائے الخروج علیه ونقض بیعته من اجل ذالک کما فعل الحسین وعبداللّٰه بن الزبیر رضی اللّٰه عنهما ومن تبعهما فی ذلک ومنهم من اباه لما فیه من اثارة الفتنة وکثرة القتل

مع العجز عن الوفاء به الان شوکة یزید یومئذ هی عصابة بنی امیه (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)

اور جب یزید میں فسق و فجور کی وہ باتیں پیدا ہوگئیں جو ہونی تھیں تو صحابہ میں اسکے بارے میں اختلاف رائے ہوگیا۔ بعض نے اس کے فسق و فجور کی وجہ سے اسکے خلاف کھڑے ہو جانے اور اس کی بیعت توڑ دینے کو ضروری سمجھا۔ جیسا کہ حضرت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور انکے ماننے والوں نے کیا۔ اور بعض نے فتنہ اور بہت زیادہ قتل و غارت کے خطرات اور ان کی روک تھام سے عجز محسوس کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس وقت یزید کی قوت و شوکت بنی امیہ کی عصبیت تھی۔

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ جن صحابہ نے یزید کی بیعت کی اور اسکے خلاف آواز نہ اٹھائی وہ اسکے خلیفہ برحق ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ فتنہ وفساد اور قتل و غارت گری سے بچنے کیلئے تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر فتنہ وفساد بڑھ گیا تو اسکا روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے رخصت پر عمل کیا۔ اور امام حسین حق کیلئے ڈٹ گئے۔ اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان قربان کر کے عزیمت پر عمل پیرا ہوئے۔

اسکے علاوہ اس سے بھی زیادہ صاف دلیل ہم پیش کرنے جا رہے ہیں جس سے کھلے لفظوں میں یہ بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق و فجور بالکل مسلم تھا جسکے مقابلے کیلئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے۔ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

واما الحسین فانه لماظهر فسق یزید عندالکافة من اهل عوصه بعثت شیعة اثل البیت بالکوفة للحسین ان یاتیهم فیقوموا بامره فرای الحسین ان الخروج علیٰ یزید متعین من اجل فسقه لا سیما من له القدرة علیٰ ذالک وظنها من نفسه باهدیته وشوکته (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۰)

اور رہے امام حسین تو جب یزید کا فسق و فجور اس کے زمانہ کے سب لوگوں پر ظاہر ہوگیا تو کوفہ کے محبین اہل بیت نے امام حسین کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ کوفہ تشریف لے آئیں وہ سب ان کی اطاعت امام حسین نے بھی محسوس فرمالیا کہ یزید

کے خلاف اسکے فسق و فجور کی وجہ سے کھڑے ہو جانا متعین ہوگیا ہے' خاص طور سے اس شخص کیلئے جسے اس پر قدرت حاصل ہو جائے۔ اور حضرت امام کو اپنی ذات میں اس قدرت وقوت اور اہلیت کا ظن غالب پیدا ہو گیا تھا۔

محترم حضرات! انصاف کیجئے۔ مذکورہ بالا عبارات سے بالکل صاف واضح ہو رہا ہے کہ یزید کے فسق و فجور میں صحابہ کرام کی دو رائیں نہ تھیں۔ بلکہ اسکے خلاف کھڑے ہونے میں دورائے تھی۔ اور وہ بھی اس کی اہلیت و نااہلیت کی بناء پر نہیں جبکہ یزید کا فسق مسلمہ کل تھا۔ اس لئے امام حسین یزید کے خلاف اپنے اقدام میں حق پر تھے۔

اب رہا سوال کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین کی غلطی تھی کہ ایک امام عادل بادشاہ وقت کے خلاف آواز اٹھائی جس سے آپ باغی کہلائے۔ اور اسکی سزا قتل ہے۔

تو ایسے گندے خیالات کی تردید فرماتے ہوئے علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں۔

''قاضی ابوبکر بن عربی نے اپنی کتاب ''العواصم والقواصم'' میں یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے کہ امام حسین اپنے نانا جان کی شریعت کے مطابق قتل کئے گئے۔ غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے امام کے خلاف کھڑے ہونے والے کیلئے قتل کی جو سزا تجویز کی ہے وہاں شرطیہ ہے کہ وہ امام عادل ہو۔ قاضی صاحب نے اس شرط کو نظر انداز کر کے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ حالانکہ حسین کے زمانے میں ملت کی امامت و سرداری کیلئے امام حسین سے زیادہ عادل و کامل اور مستحق اور کون ہوسکتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

مذکورہ بالا عبارت سے بھی زیادہ واضح طور پر حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ واما ما تفوہ بعض الجہلة من ان الحسین کان باغیا فباطل عند اهل السنة والجماعت ولعل هذا من هذیانات الخوارج الخوارج عن الجارة (شرح فقہ اکبر ص ۸۷)

اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ حضرت امام حسین باغی تھے۔ تو یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے شاید یہ خارجیوں کی بکواس ہے جو صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

امام ملاعلی قاری کی اس عبارت سے یہ بات بالکل ہی واضح ہو رہی ہے کہ جو لوگ حضرت امام حسین کو باغی اور یزید پلید کو امام عادل خلیفۃ المسلمین سمجھتے ہیں ان کا شمار ہرگز ہرگز اہل سنت میں نہیں ہے بلکہ وہ خارجی یزیدی ہیں۔

نیز ایک سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ ان تمام صحابہ کرام کے بارے میں کیا کہا جائے جنہوں نے یزید کے خلاف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔تو اس سلسلے میں بھی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر فرما دیا ہے

پڑھیے علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔ واما غير الحسين من الصحابة الذين كانوا بالحجاز والشام والعراق ومن التابعين لهم فرأوا ان الخروج على يزيد وان كان فاسقا لا يجوز لما ينشا عنه من الهرج والدماء فاقصروا عن ذلك ولم يبايعوا الحسين ولا انكروا عليه ولا اثموه لانه مجتهد وهو اسوة المجتهدين ولا يذهب بك الغلط ان تقول بتاثيم هؤلاء بمخالفة الحسين وقعودهم عن نصره لانه .... عن اجتهادمنه.

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

لیکن امام حسین کے علاوہ بعض صحابہ وتابعین وحجاز وشام اور عراق میں سے تھے انکی رائے یہ تھی کہ یزید اگرچہ فاسق و نااہل ہے لیکن قتل وخونریزی کے باعث اسکے خلاف کسی طرح کا اقدام صحیح نہیں ہے۔اسی وجہ سے عملاً انہوں نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا۔ ورنہ جہاں تک امام حسین کے اقدام کا سوال ہے ان کے برحق ہونے پر کبھی انہوں نے انکار نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس سلسلے میں امام حسین کو خطا کار' گنہ گار ٹھہرایا۔ کیونکہ وہ مجتہد تھے اور مجتہد کی شان یہی ہوتی ہے۔ اور اس غلطی سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بچنا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے صحابہ و تابعین کو گنہگار کہو۔ کیونکہ ان کا موقف بھی اجتہاد ہی کے نتیجے میں تھا۔

محترم قارئین! ہمارے مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یزید فاسق و فاجر تھا اور اس میں تمام صحابہ کرام وتابعین عظام اور اہلیان

حجاز و شام و بصرہ کا اتفاق تھا۔ اب اس میں کسی بھی قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ نیز خلیفۃ المسلمین اپنے رسول کا نائب ہوتا ہے اور اسی کے ہاتھ میں مسلمانوں کا دین اور دنیا ہوتی ہے۔ اور جب خلیفہ ہی فاسق ہوگا تو قوم کا کیا حال ہوگا۔ ہر ذی عقل شخص اسی بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ ان ہی سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے امام عالی مقام نے یزید کی فاسقانہ عادتوں کو ختم کرنے کیلئے اسکے خلاف آواز اٹھائی جو ان کیلئے فرض بھی تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یزید کے فسق و فجور اور گندے کردار کے بارے میں کسی معتبر و مستند تاریخی کتابوں میں کچھ ملتا ہے۔ تو یہاں ہم اسی کتاب کے حوالے سے یزید کے گندے کردار کو پیش کر رہے ہیں جس کا حوالہ ظہور احمد نے اپنی کتاب میں اکثر جگہ دیا ہے۔ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

وقد روی ان یزید کان قد اشتھر بالمعازف وشرب الخمر والغنا والصید واتخاذ الغلمان والقیان والکلاب والنطاح بین الکباش والذباب والقرود وما من یوم الا یصبح فیه مخمورا وکان یشد القرد علی فرس مسرجة بجمال ویسوق به ویلبس القرد قلانس الذهب وکذلک الغلمان وکان یسابق بین الخیل وکان اذا مات القرد حزن علیه (البدایہ جد۸ ص۲۳۵)

اور بیشک روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ یزید آلات لہو ولعب شراب نوشی اور سیر و شکار کیلئے اپنے زمانے میں بہت زیادہ مشہور تھا۔ نوعمر لڑکوں گانے والی دو شیزاؤں اور کتوں کو اپنے پاس جمع رکھتا تھا۔ اور سینگ والے لڑاکا' مینڈھوں' سانڈوں اور بندروں کے درمیان لڑائی کا مقابلہ کرواتا تھا۔ اور ہر دن صبح کے وقت نشے میں مخمور ہوتا تھا۔ اور بندروں کو زین کسے ہوئے گھوڑوں پر سوار کرکے دوڑاتا تھا۔ اور بندروں اور نوعمر لڑکوں کو سونے کی ٹوپیاں پہناتا تھا۔ گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرواتا تھا۔ اور جب کوئی بندر مرجاتا تھا تو اس کا سوگ مناتا تھا۔

علاوہ ازیں حضرت ابن کثیر یزید کے خصائص مذمومہ تحریر کرتے ہیں کہ وکان فیه ایضا اقبال علی الشهوات وترک بعض الصلوات فی بعض الاوقات

وامانتها فی غالب الاوقات (البدایہ ج ۸ ص ۲۳۰)

یعنی یزید کے اندر شہوتوں اور نفسانی خواہشات کا بہت زیادہ میلان تھا۔ اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی چھوڑ دیتا تھا۔ اور وقت گزار کر پڑھنا تو اکثر اوقات رہتا تھا۔

محترم قارئین! انصاف سے بتایئے کیا ایسے کرتوت والا شخص ملت اسلامیہ کا امیر و خلیفہ ہوسکتا ہے؟ اور امام حسین نے ایسے شہوت پرست' بے نمازی' شرابی شخص کے خلاف آواز بلند فرمائی تو کیا وہ حق پر نہیں تھے؟ حضرت امام حسین نے یزید کے خلاف جو خروج کیا وہ اسکی اپنی فسق و فجور کی گندی عادتوں اور شہوات نفسانی اور شراب نوشی کی بناء پر تھا۔ جس کا ثبوت اور شہوات نفسانی اور شراب نوشی کی بناء پر تھا۔ جس کا ثبوت ابھی آپ نے ایک معتمد و مستند مورخ کے حوالے سے پڑھ لیا ہے۔ اب آیئے ہم حضرات امام حسین رضی اللہ عنہ سے خود دریافت کریں کہ آپ نے یزید کے خلاف کیوں آواز بلند فرمائی۔ تو آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

ایھاالناس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من رای سلطانا جائر امستحلا لحرم اللّٰہ ناکثا لعھد اللّٰہ مخالضا لسنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعمل فی عباد اللّٰہ بالاثم والعدوان فلم یغیرما علیہ بفعل ولا قول کان حقا علی اللّٰہ ان یدخلہ مدخلہ الا وان ھولاء قدلزموا طاعۃ الشیطان وترکوا طاعۃ الرحمن واظھروا الفساد واعطلوا الحدود واستاثر وابالفئی واحلوا حرام اللّٰہ وحرموا حلالہ وانا احق من غیر (تاریخ کامل ج ۵ ص ۴۸)

اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ اس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرالیا ہے' عہد الٰہی کو توڑ دیا ہے سنت رسول کی مخالفت کر رہا ہے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم اور عدوان کا معاملہ کرتا ہے اور دیکھنے والے کو اس پر قولاً یا عملاً غیرت نہیں آئی۔ تو خدا کا یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ (دوزخ) میں اسے ڈال دے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں (یزید اور یزیدیوں) نے شیطان کی اطاعت کی' رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی۔ فتنہ

وفساد برپا کر دیا اور حدود الٰہی کو بیکار کر دیا مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیا۔ اللہ کی حرام کردہ باتوں کو حلال اور حلال کو حرام کیا۔ لہٰذا میں بہ نسبت کسی اور شخص کے (یزید اور یزیدیوں کے خلاف جہاد کرنے میں) زیادہ حق دار ہوں۔

محترم قارئین حضرت امام عالی مقام کے خطبے میں غور فرمایئے آپ نے اس عظیم خطبہ میں یزیدیوں کے ایک ایک کرتوت کو جمع فرما دیا ہے۔ مگر کسی یزیدی نے ان باتوں کی تردید نہیں کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید اور یزیدی ان تمام باتوں میں ملوث تھے۔ ایسی صورت میں کیا ایک امام عادل، متقی، پرہیزگار، نواسہ رسول، جنتی نوجوانوں کا سردار اپنا مقدس ہاتھ یزیدیوں کے ہاتھ میں دے سکتا تھا؟ یہی وہ رمز ہے جسے حضور غریب نواز نے اپنی مشہور رباعی میں ظاہر فرما دیا ہے۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین دین است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست درد ست یزید حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اب آیئے آپ کے سامنے علماء کے فیصلے پیش کروں جو یزید کے بارے میں ہیں۔ سنیے اور غور فرمایئے کہ باپ کے حالات کو بیٹے سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ جب یزید کے لڑکے معاویہ کو یزید کے تخت پر بٹھایا گیا تو انہوں نے جو خطبہ دیا وہ مشہور محدث حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے صواعق محرقہ میں بغیر ابومخنف کے حوالے کے یوں تحریر کیا ہے۔

ثم قلد ابی الامرو کان غیر اهل له ونازع ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقصف عمره وانتبر عقبه وصارفی قبره رهینا بذنوبه ثم بکی فقال ان من اعظم الامور علینا علمنا بسؤ مصرعه وبئس منقلبه. وقد قتل عترة رسول الله صلی الله علیه وسلم واباح الخمر وخرب الکعبة

(صواعق محرقه ص ۳۳۶)

یعنی پھر میرے باپ کو حکمت دی گئی وہ نالائق تھا۔ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا۔ اسکی عمر کم کر دی گئی اور اسکی نسل تباہ کر دی گئی۔ اور وہ اپنی قبر میں گناہوں کے وبال میں گرفتار ہو گیا۔ پھر رویا اور کہا ہم پر سب سے زیادہ گراں اسکی بری موت اور

برا ٹھکانہ ہے۔ اس نے عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا۔ شراب حلال کی اور کعبہ کو برباد کیا۔

محقق علی الاطلاق حضرت الشیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ "تکمیل الایمان" میں فرماتے ہیں۔

یزید امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے امیر کیسے ہوسکتا ہے اور مسلمانوں کا اجماع اس پر کس طرح واجب آتا ہے جبکہ اس وقت صحابہ کرام اور صحابہ کی اولاد جو بھی موجود تھی اس کی اطاعت سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ مدینہ منورہ سے چند لوگ اسکے پاس شام میں جبر و اکراہ سے پہنچائے گئے۔ مگر یزید کے ناپسندیدہ اعمال کو دیکھ کر واپس مدینہ منورہ چلے آئے اور عارضی بیعت کو فسخ کر دیا اور ان لوگوں نے برملا کہا کہ وہ (یزید) خدا کا دشمن ہے، شراب نوشی کرتا ہے اور تارک الصلوۃ ہے، زانی اور فاسق ہے، محارم سے صحبت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ (تکمیل الایمان ص ۲۹۲)

محترم حضرات! مذکورہ بالا تمام حقائق مستند و معتمد مورخین و مصنفین کے حوالوں سے پیش کئے گئے ہیں۔ اسکے باوجود ناصبی ظہور احمد اورنگ آبادی اپنے پیشوا یزید کی صفائی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "خلیفہ یزید کے کردار میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اسکے خلاف خروج کا کوئی جواز نکالا جاسکتا۔ (آؤ محترم کی ص ۲۸)

اس عبارت کو پیش کر کے ظہور احمد اس بات کی ناکام کوشش کر رہا ہے جب یزید میں کسی قسم کی کوئی خامی یا برائی نہیں تھی تو امام حسین نے جو یزید کے خلاف خروج کیا وہ بالکل غلط اور بغاوت پر مبنی تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو حقائق ہم نے پیچھے بیان کئے ہیں اور یہاں بیان کرنے جا رہے ہیں ان تمام سے یہ ثابت ہے کہ امام حسین کا یزید کی بیعت سے انکار اسکے فسق و فجور کی وجہ سے تھا اور ظالم یزید کی حکومت کا جو تسلط ہوگیا تھا اس کو دفع کرنے اور مسلمانوں کو یزید کے ظلم و ستم سے بچانے کیلئے تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو ہر مکتبہ فکر کیلئے مسلم شخصیت ہیں فرماتے ہیں کہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خروج (یزید کے خلاف) خلافت راشدہ کے

دعوے کی بناء پر نہ تھا۔ کیونکہ وہ تیس سال گزرنے پر ختم ہوچکی تھی۔ بلکہ آپ کی غرض رعایا کی ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے نجات دلانے کی بناء پر تھا۔ اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے۔ اور یہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ وقت اور اس کے خلاف کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو' یہ اس وقت کیلئے کہ وہ ظالم بادشاہ بلا کسی جھگڑے اور مزاحمت کے پورا پورا تسلط حاصل کرے اور اسکے تسلط میں کسی کو جھگڑا نہ ہو اور کوئی اس کا مزاحم نہ ہو۔ اور یہاں ابھی تک اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ یزید پلید کے تسلط سے راضی ہی نہ تھے۔ اور حضرت امام رضی اللہ عنہم جیسے حضرات نے اس کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔ حاصل کلام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خروج یزید کے ظالمانہ تسلط کے دفع کرنے کیلئے تھا نہ اسکا تسلط رفع کرنے کیلئے۔ یعنی یہ امر نہ تھا کہ یزید کا کامل تسلط ہوگیا تھا۔ اور آپ کا یہ مقصود تھا کہ اسکا تسلط اٹھا دیویں۔ اور وہ خروج جو حدیث میں ممنوع ہے وہ وہی ہے جو ظالم بادشاہ کا تسلط دفع کرنے کیلئے ہو۔ اور دفع اور رفع میں جو فرق ہے وہ مسائل فقیہہ میں ظاہر و مشہور ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۲۲)

اسی تعلق سے اب ہم آپ کے سامنے دیوبندی جماعت کے بڑے بڑے مولوی حضرات کے فتوے پیش کررہے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

دیوبندی جماعت کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی اپنے فتاوے میں تحریر کرتے ہیں۔ یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا۔ حضرت امام نے ناجائز سمجھا اور گوا کراہ میں انصیاد جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق (حق کے ساتھ) ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو) شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں اسی لئے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا۔ خصوصاً جبکہ حضرت امام آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو عداوت ہی تھی۔ چنانچہ امام حسن کے قتل کی بناء یہی تھی۔ اور مسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے مگر مسلط

ہونا کب جائز خصوصاً نا اہل کو۔ اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا۔ پھر اہل حل و عقد کسی کو خلیفہ بناتے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۶۵ مطبع دیو بند)

مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ یزید فاسق تھا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۷)

بہر حال یزید کے فسق و فجور پر جبکہ صحابہ کرام سب کے سب ہی متفق ہیں۔ خواہ مسائعین ہوں یا مخالفین پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علماء راسخین محدثین، فقہا مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدر الدین عینی، علامہ ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ سعد الدین تفتازانی، محقق ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیا الہراسی جیسے محققین یزید کے فسق پر علماء سلف کا اتفاق نقل کر رہے اور خود بھی اس کے قائل ہیں تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ (شہید کربلا اور یزید ص ۱۵۲ مطبع دار الکتاب دیو بند)

مورخ تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی کتاب تاریخ اسلام میں یزید کی ولی عہدی اور اس کو خلیفہ بنانے کے متعلق لکھتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے جب یزید کی ولی عہدی کیلئے تحریک پیش کی تو اسی وقت سے ہی مدینہ منورہ میں مخالفت شروع ہوگئی تھی۔ اور یہ فیصلہ خلافت راشدہ کی سنت کے خلاف اور اسلامی جمہوریت کے منافی تھا۔ پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں کہ جب امیر معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کیلئے اپنے گورنروں کے نام ایک حکم جاری کیا تو سبھوں نے اسکی مخالفت کی۔ محمد بن عمرو بن حزم نے کھڑے ہو کر کہا۔ امیر المومنین! آپ یزید کو خلیفہ تو بنا رہے ہیں لیکن ذرا اس پر بھی خیال فرمالیں کہ قیامت کے دن آپ کو اس فعل کا خدائے تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

محمد بن عمرو بن حزم کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عوام بھی یزید کی ولی عہدی سے خوش نہیں تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ یزید نے اس منصب کو حاصل کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو خلافت کا اہل ثابت نہیں کیا۔ اور جب حضرت امام حسین کو اس کی ولی عہدی کی خبر ملی تو ایسی مقدس ہستی اسکے ہاتھ پر کیسے بیعت کر سکتی تھی۔ کیونکہ اول تو اس کا انتخاب ہی غیر شرعی طریقے پر ہوا اور اسکی حکومت غیر شرعی تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ

اپنے اعمال و کردار سے بھی اس قدر گرا ہوا تھا کہ ہمیشہ لہو و لعب سیر و شکار میں مصروف رہتا۔ خواجہ سراؤں کو اس نے اپنی خدمت پر مامور کیا تھا۔ رقص و سرور کی محفلوں میں بے محابا شریک ہوتا تھا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے عیوب اس میں تھے۔ وہ کسی بھی طرح اس قابل نہیں تھا کہ اسے ایک منٹ کیلئے بھی مسلمانوں کا خلیفہ یا سردار تسلیم کیا جائے۔ (تاریخ اسلام قسط ۵ ص ۱۷۳ تا ص ۱۷۶)

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل عالم مولانا شاہ معین الدین ندوی اپنی کتاب تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ یزید ایک لاابالی شخص تھا اور مدینہ منورہ' بصرہ اور مختلف مقامات کے وفود نے حضرت امیر معاویہ کے سامنے یزید کو ولی عہد بنانے کی رائے نہ دی تھی لیکن اسکے باوجود کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور روپیوں کی لالچ دے کر یزید کی بیعت لی گئی۔ اور یزید کی ولی عہدی نے خلاف کی روح اور اسلامی حریت و آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۲۰ تا ۳۴)

بانی جماعت اسلامی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ "یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل جس خرابی کی ابتداء ہو رہی تھی وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اسکے مزاج اور اسکے مقصد کی تبدیلی تھی۔ اسی تبدیلی کو امام حسین کی دور رس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا۔ اور اسکو صحیح اسلامی اصول پر لانے کیلئے ہی امام نے اپنی جان تک دے دینے کا فیصلہ کیا۔" (خلافت وملوکیت)

نوٹ: ان فتاوے اور عبارات کو نقل کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ تھانوی' گنگوہی' قاری طیب اور مودودی صاحبان کے نزدیک یزید کی کیا حیثیت ہے۔ اور آج بعض دیوبندی تبلیغی کہلانے والے یزید کو کیا سمجھ رہے ہیں اور اس کو جنتی مغفرت یافتہ اور نہ جانے کیا کیا لکھ رہے ہیں تاکہ وہ اپنے اقدام سے توبہ کریں۔

محترم قارئین: یہ تھا یزید کی خلافت و امارت کا استصواب اور انتخاب۔ اس پر کسی تبصرہ و نتیجہ کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اہل علم انصاف پسند حضرات خود ہی فیصلہ کرلیں گے۔ کہ ظہور احمد اور دوسرے خارجیوں کا یہ کہنا کہ یزید کی خلافت پر قوانین شرعیہ کے مطابق تمام صحابہ اور جمہور مسلمین کا ایسا اتفاق تھا کہ کوئی اسکے خلاف

نہ تھا۔ کہاں تک درست ہے؟

شدت غم سے چھلک آئے ہیں آنسو ورنہ
مدعا میرا نہیں آپ سے شکوہ کرنا

سوال نمبر۳: کیا یزید کو امیر المومنین کہہ سکتے ہیں۔ اور کیا اسکے نام کے آگے رحمۃ اللہ لکھنا ازروئے شرع جائز ہے؟

جواب: یزید ایک شرابی زانی اور بدکردار شخص تھا اسکو امیر المومنین کہنا جائز نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی خائن ظہور احمد اورنگ آبادی اپنی کتاب میں جگہ جگہ یزید کو امیر المومنین اور اسکے نام کے آگے رحمۃ اللہ علیہ لکھنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ حالانکہ تاریخ کی معتبر کتابوں میں درج ہے کہ مجدد اول حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو آپ نے اسے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ **وقال نوفل بن ابی الفرات کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید فقال قال امیر المومنین یزید بن معاویه فقال تقول امیر المومنین فامر به فضرب عشرین سوطا۔** (صواعق محرقہ ص ۲۲۲)

حضرت نوفل بن فرات فرماتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ بس ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا اسے امیر المومنین کہہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے۔ اور پھر آپکے حکم سے اسکو بیس کوڑے مارے گئے۔

محترم قارئین! حضرت عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ یعنی یزید کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ مگر طین پر دین غالب ہے تو یزید کو امیر المومنین کہنا بھی برداشت نہ کر سکے اور بطور سزا قائل کو بیس کوڑے لگوائے۔ آج کے اس پرفتن دور میں یزید کو امیر المومنین' متقی و پرہیزگار کہنے والے کو کون کوڑے مارے؟ کاش حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز جیسا کوئی متقی پرہیزگار مجدد ہوتا جو ظہور احمد قرشی کو کوڑے لگواتا تو اسکے ہوش ٹھکانے آجاتے۔

محترم قارئین! آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے کہ یزید کو صرف امیر المومنین کہنے پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بیس کوڑے لگوائے۔ اگر وہ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہتا تو کتنی بڑی سزا کا مستحق ہوتا۔ علاوہ ازیں یزید بن معاویہ ہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیة یقال له یزید (صواعق ص ۳۳۱)

یعنی میری سنت کو بدلنے والا پہلا شخص بنی امیہ سے ہوگا جس کو لوگ یزید کہا کریں گے۔ غور فرمائیں جسکے متعلق خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے دیں کہ یہ میری سنت کو بدلنے والا ہے وہ متقی پرہیز گار اور امیر المومنین کیسے ہوسکتا ہے۔ نیز یزید کے سر پر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے' مدینہ منورہ' پر لشکر کشی کر کے وہاں کے باشندوں کے بے عزتی اور توہین کرنے' مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کر کے خانہ کعبہ پر پتھروں کی بارش اور غلاف کعبہ کو جلانے شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو جائز کرنے اور خود بھی حرام کا ارتکاب کرنے' شراب نوشی زنا جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب گناہ نہیں ہے اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود اب آپ خود فیصلہ کرلیجئے کہ کیا ایسے کردار کا انسان متقی' عادل' اور خلیفہ برحق امیر المومنین ہوسکتا ہے؟ اور کیا ایسے شخص کے آگے' رحمۃ اللہ علیہ لکھ سکتے ہیں؟

آؤ اب ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے گمراہ کن عقائد اور تحریر سے توبہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے معاف فرمائے گا۔ ورنہ کل قیامت کے دن پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور کیا جواب دیں گے؟

سوال نمبر۴: کیا حسینی قافلے پر سات محرم سے دریائے فرات کا پانی بند کیا جانا جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے؟

جواب: نہیں ہر گز نہیں۔ بلکہ تاریخی کتابوں میں بڑی ہی تفصیل کے ساتھ یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپکے ساتھ آنے والے مرد وعورت اور معصوم بچیوں پر یزیدیوں نے سات محرم سے پانی بند کر دیا تھا اور یہ سلسلہ دس محرم تک قائم

رہا۔ اسکے باوجود ابن یزید خائن مولف ظہور اور نگ آبادی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ
”یہ بات اکثر شہادت ناموں اور کربلا کی داستانوں کا خاص الخاص موضوع ہے
کہ حسینی قافلہ پر تین دن تک پانی بند کر دیا گیا' عورتیں اور معصوم بچے ایک ایک بوند
پانی کو ترستے رہے' یہ بات بھی سرے سے غلط ہے۔ (آ ؤ محرم ص ۴۹)
مذکورہ بالا عبارت کو بغور پڑھیں جس میں کہا گیا ہے کہ امام عالی مقام پر تین
دن تک پانی بند کیا جانا یہ شہادت ناموں کا موضوع ہے جو سرے سے غلط ہے۔
حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس بات کو محقق محدثین کرام معتبر مورخین اور معزز علماء کرام و
اولیاء عظام نے تحریر کیا ہے۔ نیز علمائے دیوبند و ندوہ نے بھی اس بات کو تحریر کیا ہے۔
ہم قدرے تفصیل کے ساتھ حوالہ جات کی روشنی میں اس بات کو ثابت کر رہے ہیں۔
ملاحظہ فرمایئے اور یزیدی خائن مولف کی بددیانتی کا پردہ چاک فرمایئے۔ جلیل القدر
محدث حضرت علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ ”صواعق محرقہ“ میں فرماتے ہیں۔ ولو لا ما
کادوہ به من انّهم حالوا بینه وبین الماء لم یقدروا علیه اذهوا الشجاع
القرم الذی لا یزول ولا یتحوّل ولمّا منعوه واصحابه الماء ثلاثا قال له
بعضهم انظر الیه کانه کبدا السماء لاتذوق منه قطرة حتٰی تموت عطشا
(الصواعق المحرقہ ص ۲۹۹)

اور اگر وہ لوگ تدبیر کے ذریعے آپ کے اور پانی کے درمیان حائل نہ ہو جاتے
تو آپ پر بالکل قابو نہ پاسکتے۔ کیونکہ آپ ایسے بہادر سردار ہیں جو نہ اپنی جگہ سے
ہٹائے جاسکتے ہیں اور نہ ہلائے جاسکتے ہیں۔ اور جب آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو
تین دن تک پانی سے روکے رکھا گیا تو آپ سے بعض یزیدیوں نے کہا گویا کہ پانی
آسمان کے بیچ میں ہے اس سے ایک قطرہ بھی نہ چکھو گے یہاں تک کہ پیاسے ہی مر
جاؤ گے۔

اے ابن یزید! یہ ہے ایک محدث کی روایت جو اوپر تحریر کی گئی۔ اب مت کہنا
کہ حضرت امام حسین اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند کرنے کی فرضی روایتیں شہادت
ناموں میں گڑھ لی گئی ہیں۔ اگر اس کے باوجود تمہارا انتقام اور دشمنی امام حسین کم نہیں

ہوئی ہو تو لیجئے چند اور مزید حوالے جو تاریخ اسلام کے صفحات پر روز روشن کی طرح بالکل عیاں اور صاف نظر آ رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

مشہور مورخ حضرت علامہ ابن اثیر تاریخ کامل میں فرماتے ہیں کہ ابن زیاد نے ابن سعد کو جو خط لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم حسین اور ان کے ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو اور اگر وہ بیعت کرلیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ کیا کریں۔ اور حسین اور ان کے ساتھیوں پر پانی بھی بند کر دو۔ چنانچہ عمرو بن سعد نے عمرو بن الحجاج کی ہمراہی میں پانچ سو سواروں کو نہر فرات پر متعین کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ فرات اور امام حسین کے درمیان حائل ہو گئے۔ اور یہ واقعہ امام کی شہادت سے تین روز پہلے کا ہے۔ یعنی سات محرم کو پانی بند کیا گیا۔ عربی عبارت یہ ہے۔ ثم کتب الی عمر یا مره ان یعرض علی الحسین بیعة یزید فانه فعل ذلک رأینا رأینا وان یمنعه ومن معه الماء فارسل عمر بن سعد عمرو بن الحجاج علی خمسمائة فارس فنزلوا علی الشریعة وحالوا بین الحسین وبین الماء وذلک قبل قتل الحسین بثلاثة ایام۔ (تاریخ کامل ص ۵۳)

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون فرماتے ہیں کہ ابن زیاد نے لکھا کہ حسین سے یزید کی بیعت لو۔ اگر وہ بیعت نہ کریں تو بے تامل جنگ کرو اور ان پر اور انکے ہمراہیوں پر پانی بند کر دو۔ پس عمرو بن سعد نے عمرو بن الحجاج کو بسر گروہی پانچ سو سواروں کے نہر فرات پر متعین کیا۔ چنانچہ یہ لوگ فرات اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ یہ واقعہ آپ کی شہادت سے تین روز قبل کا ہے۔ (تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۰۲)

علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو خط لکھا کہ نہر فرات اور حسین کے درمیان حائل ہو جا۔ اور ایک بوند پانی بھی وہ پی نہ سکیں۔ جو سلوک کہ تقی ذکی مظلوم امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کیساتھ کیا گیا تھا۔ اس خط کو دیکھ کر عمرو بن سعد نے فوراً عمرو بن الحجاج کو پانچ سو سواروں کا سردار کر کے روانہ کیا۔ یہ لوگ نہر پر جا کر ٹھہرے اور نہر فرات اور امام حسین اور آپ کے

اصحاب کے درمیان یہ سب حائل ہوگئے کہ یہ وہ بوند بھر پانی اس سے نہ پینے پائیں۔ یہ واقعہ آپکے قتل ہونے سے تین دن پہلے کا ہے۔ آپکے سامنے عبداللہ ابن حصین آیا اور پکار کر کہا۔ اے حسین (رضی اللہ عنہ) ذرا پانی کی طرف دیکھو کیسا آسمانی رنگ اس کا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تم پیاس سے مر جاؤ گے۔ ایک قطرہ بھی تم کو نہ ملے گا۔
(تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۳۸ مطبع ادارة التبلیغ دین دیوبند)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت و شہادت کا سب سے مستند تذکرہ یہ جملہ اس عربی کتاب کیلئے لکھا ہوا ہے جس کا نام "الحسین" ہے۔ اس کتاب کے مولف جناب ابوالنصر ہیں لبنان کے ایک نامور فاضل ہیں اپنی کتاب کو مستند بنانے کیلئے آپ لکھتے ہیں کہ میں نے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ وہی واقعات درج کروں جن کی تائید ثقہ مورخین اور مشہور و معروف مولفین نے کی ہے۔ اسی الحسین نامی کتاب میں تحریر ہے کہ عمرو بن سعد نے ۷ محرم کو پانچ سو سوار دریائے فرات پر بھیج دیئے اور انہیں تاکید کر دی کہ حضرت حسین اور انکے ساتھیوں تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچنے پائے۔ (الحسین ص ۱۱۹)

قارئین کرام! اب ہم آپ کے سامنے ایک ایسی کتاب کا حوالہ درج کرنے جا رہے ہیں جو ابن یزید ظہور احمد اورنگ آبادی کا ہم عقیدہ یعنی ندوی دیوبندی ہے جن کا نام ہے مولانا شاہ معین الدین ندوی یہ اپنی کتاب سیر الصحابہ جلد ششم میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں پر یزیدیوں نے سات محرم سے پانی روک دیا۔ (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۴۶)

محترم قارئین! امام عالی مقام اور آپ کے تمام ساتھیوں پر سات محرم تا دس محرم پانی بند کئے جانیکی روایت کو ہم نے محدث جلیل علامہ ابن حجر عسقلانی اور معتبر و مستند مورخین کے حوالے سے نقل کر دی ہے جسے ہر مکتبہ فکر کے علماء تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لکھنا کہ امام پر پانی بند کرنے کی روایت بالکل غلط ہے۔ یہ کتنی بڑی جہالت، ہٹ دھرمی اور یزید نوازی ہے۔ کیا میدان محشر میں جب ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان تمام یزیدیوں کو پیش کیا جائے گا جنہوں نے آپ کے لاڈلے

نواسے پر تین روز تک لگاتار پانی بند کیا تھا تو اس وقت رسول کریم کے استفسار پر انکے پاس کیا جواب ہوگا۔ اب بھی اگر سچے دل سے توبہ کرکے اپنی من گھڑت تحریروں سے رجوع کرلیں تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان یزید نوازوں کو عقل سلیم اور صحیح علم عطا فرمائے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حمایت یزید کے اپنے گندے عقیدے سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔

سوال نمبر ۵: کیا امام عالی مقام دس محرم کو کربلائے معلیٰ پہنچے؟

جواب: یہ بھی بالکل غلط اور جھوٹ ہے کہ حضرت امام عالی مقام دس محرم کو کربلا پہنچے۔ بلکہ اگر تاریخی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جائے گی کہ امام عالی مقام دو محرم الحرام کو کربلا پہنچے۔ جیسا تاریخ طبری، ابن خلدون، ابن اثیر اور ابن کثیر جیسے معتبر و مستند مورخین کی تاریخی کتابوں سے ظاہر ہے۔

لیکن ابن یزید ظہور احمد اورنگ آبادی اپنی کتاب میں ایک عنوان ”کیا حسینی قافلہ سات دن کربلا میں ٹھہرا“ قائم کرکے اس بات کو بڑی ہی ہوشیاری اور چالاکی سے کربلا کی تاریخی حیثیت کو ختم کرنیکی ایک مذموم کوشش کی ہے۔ اور انتہائی چالاکی سے اس بات کو پیش کرنے کی سعی کی ہے کہ کیا امام عالی مقام حج جیسا اہم فریضہ چھوڑ کر صرف خلافت کیلئے کوفہ چلے گئے؟ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے ذی مرتبت شخص سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بغیر حج کئے ہی ایک دن قبل کوفہ کو روانہ ہوگئے ہوں گے؟ دوسری بات یہ کہ کوفہ اور مکہ کی مسافت کو دیکھتے ہوئے۔ ۱۰ محرم تک حسینی قافلے کا اتنا طویل فاصلہ دور دراز منازل اور مراحل کو طے کرکے پہنچ جانا بالکل لغو اور غلط ہے۔ (آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں ص ۴۲)

محترم قارئین! ظہور احمد اورنگ آبادی نے یہ کوئی نئی تحقیق اور اعتراض پیش نہیں کیا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حج کئے بغیر ہی مکہ مکرمہ سے روانہ ہوگئے۔ بلکہ یہ محمود عباسی جیسے دشمن رسول و اہل بیت اطہار کی ذہنی اختراع ہے جسے اس نے کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ میں پیش کیا تھا ظہور احمد نے اسی کتاب سے

چوری کر کے اپنے نام سے شائع کر دیا۔

بلاشبہ عوام جذبات سے مغلوب ہو کر یہ بات بڑی آسانی سے تسلیم کر لیں گے کہ ایام حج کے بالکل قریب ہی امام حسین بغیر حج کئے روانہ ہو گئے تو آخر اتنی جلدی کیا تھی۔ مگر اہل علم اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ فرض کی اہمیت نفل کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ امام عالی مقام اس سے پہلے ۲۵ حج کر چکے تھے۔ (سیر الصحابہ معین الدین ندوی ج ۶ ص ۱۹۱) اس لئے حضرت امام کیلئے یہ حج نفل ہو رہا تھا۔ دوسری طرف اہل کوفہ کا اصرار شدید اور یزید کے فسق و فجور سے جلد از جلد نجات کیلئے حضرت امام کی پوری پوری امداد و تعاون کی یقین دہانی' یہ سب باتیں ایسی تھیں کہ حضرت امام کیلئے یہ لازم بلکہ واجب ہو گیا تھا کہ مخلوق خدا کو ایک ظالم و جابر کے ظلم و استبداد سے چھڑائیں۔ اگر حضرت امام ایسا نہ کرتے تو عنداللہ ماخوذ ہوتے۔

کسی تاریخی بات کیلئے یہ کہنا کہ ایسا ہوا ہوگا' ایسا ہونا چاہیے یہ تحقیق نہیں ہے اور نہ ہی تاریخ دانی ہے بلکہ تاریخ گڑھنا ہے۔ اور ظہور احمد اورنگ آبادی نے کسی معتبر و مستند تاریخ سے یہ بات ثابت بھی نہیں کہ کی امام عالی مقام حج سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ اسکے برخلاف یہ معتبر روایت ہے کہ امام عالی مقام ۳ یا ۸ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔

بالفرض اگر ظہور احمد کی اسی منطق کو مان لیا جائے کہ امام حسین ۱۰ ذی الحجہ کو حج کر کے روانہ ہوئے تو پھر دوسرے دن گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنا حج کے واجبات میں ہے' اگرچہ حج نفل ہو' گیارہ بارہ کی رمی واجب ہے۔ امام عالی مقام اگر حج نہ کرتے تو صرف نفل کا ترک لازم آتا۔ اور حج شروع کر کے گیارہ بارہ کی رمی چھوڑنے میں ترک واجب لازم آئے گا۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ ترک نفل سے بچنے کیلئے ترک واجب کے وبال میں مبتلا ہوں۔ لہٰذا آپ کی جغرافیائی ریسرچ اور مکہ سے کربلا تک کی مسافت تیس منزلوں تک ہونے والی منطق سے امام عالی مقام کو ۱۲ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہو کر ۱۲ محرم کو یعنی حادثہ کربلا گزر جانے کے ۲ روز بعد کربلا پہنچنا چاہیے تھا۔ چلئے چھٹی ہوگئی کہ حادثہ کربلا سے امام حسین اور آپ کے رفقاء کرام کا

وجود ہی غائب ہوگیا۔تو پھر کربلا میں کس کی شہادت ہوئی اور کب ہوئی یہ ثابت کرنا پڑے گا۔کیا ظہور احمد آپ بتا سکتے ہیں؟

قارئین کرام! اب آیئے ہم خود امام عالی مقام رضی اللہ عنہ ہی سے پوچھ لیں کہ اے ابن رسول! آپ نے حج سے چند یوم پہلے ہی مکہ مکرمہ سے کیوں کوچ فرمالیا اور حج جیسے اہم فریضے کو چھوڑ دیا۔تاریخ کی اہم کتاب جس کا حوالہ ظہور احمد نے اپنی کتاب میں اکثر جگہ دیا ہے اس میں یہ سوال اور اس کا جواب دونوں موجود ہے ملاحظہ فرمایئے۔

فرزدق شاعر نے کہا ۶۰ھ میں اپنی والدہ کو لیکر حج کیلئے آیا حج کا وقت قریب تھا۔میں حرم میں داخل ہوا تو کیا دیکھا کہ ایک قافلہ ہتھیاروں اور سواریوں کے ساتھ باہر جارہا تھا۔میں نے لوگوں سے پوچھا یہ قافلہ کس کا ہے تو مجھے بتایا گیا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا میں نے بڑھ کر ان سے ملاقات کی اور عرض کیا۔میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے ابن رسول اللہ آپ نے اتنی جلدی کیوں فرمائی کہ حج چھوڑ کر ہی جارہے ہیں۔آپ نے فرمایا۔فرزدق! میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار کرلیا جاتا۔(تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۱۲)

ایک دوسری روایت اس سے زیادہ واضح اور صاف ہے۔حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امام سے مکہ ہی میں رہنے کی گذارش کی تو آپ نے فرمایا۔واللہ العظیم' حرم میں قتل کئے جانے سے زیادہ بہتر میرے نزدیک یہ امر ہے کہ میں حرم سے دور مارا جاؤں اگرچہ ایک بالشت دور ہی سہی۔اور خدا کی قسم! اگر میں کسی کیڑے مکوڑے کے سوراخ میں بھی چھپ رہوں تو یہ لوگ مجھے اس میں سے بھی کھینچ کر باہر نکال لیں گے اور مجھ سے اپنی غرض پوری کرلیں گے۔اور واللہ وہ میرے معاملے میں یونہی حدود اللہ کو پاش پاش کردیں گے جیسے یہود نے روز سنیچر کیا تھا۔
(تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۱۲)

مشہور محدث فقیہہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ' صواعق محرقہ'' میں فرماتے ہیں کہ جب امام حسین مکہ سے کوفہ روانہ ہونے کی مکمل تیاری فرمالی تو صحابہ کرام نے

آپکو بہت روکا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ حدثنی ابی ان لمکۃ کبشابہ یستحل حرمتھا فما احب ان اکون انا ذالک الکبش (صواعق محرقہ ص ۲۹۸) میرے والد گرامی نے مجھ سے بیان فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک مینڈھا ہے جس سے مکہ کی حرمت پامال ہوگی میں نہیں چاہتا کہ میں وہ مینڈھا بنوں۔

کیا مذکورہ بالا تینوں روایتیں چیخ چیخ کر یہ اعلان نہیں کر رہی ہیں کہ امام عالی مقام اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ میرے خون کی پیاسی تلواریں میان میں تڑپ رہی ہیں اور مجھے ہلاک کرنیوالی پوری طاقتیں میدان میں آچکی ہیں۔ تو اگر میں حرم میں رہوں گا تو بہت ممکن ہے کہ حج کے دوران یزیدی موقعہ پا کر مجھے قتل کر دیں جس سے حرم کعبہ کی بے حرمتی ہوگی۔ اور پھر یزیدی عظمت اسلام کو ختم کرنے کیلئے بالکل آزاد ہو جائیں گے۔ تو عظمت اسلام اور اپنے نانا جان کے مذہب کو بچانے کیلئے امام حسین رضی اللہ عنہ نے حج نفل کو چھوڑ کر ایک اہم فریضہ کو ادا فرمایا جس سے آج اسلام کی عظمت وشوکت باقی ہے۔

الغرض! ظہور احمد کے اس مفروضے میں جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اس میں کچھ بھی دم خم نہیں ہے۔ یہ صرف عوام الناس کو بے وقوف بنانے اور عظمت حسین کو انکے دلوں سے ختم کرنے کی ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل غداران اسلام کو نیست و نابود فرمائے اور عظمت اہل بیت وصحابہ کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین۔

سوال نمبر ۶: کیا امام عالی مقام اور دیگر شہدائے کرام کو شہید کرنے کے بعد انکے سروں کو جدا کرنا، پھر انہیں نیزوں پر چڑھانا اور ان کی تشہیر کرنا اور ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کو روندنا اور ان سروں کو ابن زیاد اور یزید کے پاس روانہ کرنا۔ یہ تمام باتیں بھی جھوٹ غلط اور بے بنیاد ہیں؟

جواب: نہیں: ہرگز نہیں! یہ سب جھوٹ اور بے بنیاد نہیں بلکہ ایک نہ مٹنے والی حقیقت اور سچائی ہے کہ امام عالی مقام اور دیگر شہداء کو تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر شہید کیا گیا۔ اسکے بعد انکے سروں کو جسم سے جدا کیا گیا۔ اس کے باوجود یزیدیوں کا

جذبہ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوا تو انکی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے اور جسم مبارک کو ریزہ ریزہ کر کے ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر گلی گلی کوچہ کوچہ ان کی تشہیر کی گئی۔ العیاذ باللہ۔ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی آج کے یزیدی اپنے گرو کی صفائی بیان کرتے ہوئے مذکورہ بالا تمام باتوں کو غلط اور جھوٹ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ چنانچہ ناصبی ظہور احمد اورنگ آبادی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "یہ بات ہر خاص و عام میں مشہور ہے کہ حضرت حسین اور دوسرے مقتولین اہل بیت کے سر ان کی لاشوں سے جدا کئے گئے اور انہیں نیزوں پر چڑھایا گیا اسکے بعد وہ سر حضرت یزید کے پاس دمشق روانہ کئے گئے اور ان مقتولین کی لاشوں کو گھوڑوں کے ذریعے کچلا گیا اور بے گور و کفن رہنے دیا گیا۔ ان تمام باتوں کے متعلق بھی حالات و شواہد بتلاتے ہیں کہ یہ روایتیں بھی اور روایتوں کی طرح محض غلط اور بے بنیاد اور افتراء پر مبنی ہیں۔ جبکہ نہ تو کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی اور نہ مقتولوں کے سر جسم سے جدا ہوئے اور نہ ان کی تشہیر کی گئی۔ اس سلسلے میں تمام تواریخ خاموش ہیں۔ (آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں ص ۵۰)

محترم قارئین! ابن یزید ظہور احمد اورنگ آبادی کے فریب اور جھوٹ کی انتہا ہوگئی۔ دشمنی حسین میں کیا وہ اس بات کو بھی بھول گئے کہ ایک نہ ایک دن انہیں مرنا ہے اور اللہ کے حضور جواب دہ ہونا ہے۔ اس وقت یہ اپنے جھوٹ اور فریب کا کیا جواب دیں گے۔ خیر اب ہم ان تمام مذکورہ بالا باتوں کی حقیقت اور سچائی کو محدثین کرام اور معتبر و مستند مورخین و مولفین کی کتابوں سے پیش کر رہے ہیں۔

محدث جلیل امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف باب ابواب المناقب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قال کنت عند ابن زیاد فجیئ براس الحسین فجعل یضرب بقضیب فی انفہ ویقول ما رایت مثل ھذا حسنا۔ (ترمذی ج۲ ص ۲۳۳)

بخاری ج ۱ کتاب المناقب۔ صواعق محرقہ ۳۰۰) میں ابن زیاد کے پاس تھا کہ حضرت امام حسین کا سر لایا گیا تو وہ آپ کی ناک میں چھڑی مارنے لگا اور کہنے لگا کہ

میں نے اس جیسا حسین نہ دیکھا۔

مذکورہ بالا حدیث پاک جسے امام بخاری نے بھی کتاب المناقب میں تحریر فرمایا ہے۔ اسی حدیث پاک سے یہ بات بالکل صاف اور عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت امام حسین کا سر جسم سے جدا کیا گیا۔ اور اسکے بعد کربلا سے کوفہ تک اسکی تشہیر کی گئی۔ بعدہ' وہ سرمبارک ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ اتنی واضح دلیل ملنے کے بعد بھی اگر ظہور احمد نہ مانے تو اس کی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔

اسکے علاوہ مشہور محدث اور فقیہہ حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ''صواعق محرقہ'' میں فرماتے ہیں۔ فخروا راسہ یوم عاشوراء عام احد وستین ولما وضعت بین یدی عبیداللّٰہ بن زیاد (صواعق محرقہ ص ۲۹۹) پس امام عالی مقام کو عاشورہ ۶۱ھ کے روز شہید کر کے آپ کا سر کاٹ لیا اور اسے عبیداللہ ابن زیاد کے پاس رکھا گیا۔ ایک اور جگہ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عبیداللہ ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب عبیداللہ ابن زیاد نے آپکے ہونٹ شریف کو چھڑی ماری تو آپ نے فرمایا۔ اے عبیداللہ! اپنی چھڑی کو اٹھالو۔ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں ہونٹوں کے درمیان بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ رونے لگے۔ تو ابن زیاد نے کہا۔ اللہ تیری آنکھوں کو رلائے اگر تو بوڑھا نہ ہوتا تو تیری اس بکواس پر میں تجھے ضرور قتل کر ڈالتا۔ (صواعق محرقہ ص ۳۰۰)

علامہ ابن حجر مکی مزید فرماتے ہیں کہ کوفی جب سر امام کو لیکر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو جہاں کہیں پڑاؤ کرنا ہوتا تو سر امام کو نیزے پر رکھ دیتے تھے۔ الفاظ یہ ہیں۔ کلما نزلوا منزلا وضعروہ علی رمح (صواعق محرقہ ص ۳۰۲)

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون فرماتے ہیں کہ جب امام حسین صدمہ زخم سے سنبھلنے نہ پائے تو سنان بن انس نے سر مبارک کو تن شریف سے جدا کر دیا۔ اور یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ یوم جمعہ کا ہے بعدہ عمرو بن سعد کے حکم سے دس سواروں نے آپ کی نعش (جسم مبارک) کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا۔ اور عمرو بن سعد نے اپنے

مقتولوں کو جمع کر کے انکی نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر کے راہی کوفہ ہوا۔ دوسرے دن بنو اسد غاضریہ کے لوگ آئے اور انہوں نے امام حسین اور انکے ہمراہیوں کو دفن کیا گیا۔
اس عبارت سے یہ بات بھی ظاہر اور واضح ہو رہی ہے کہ عمرو بن سعد نے امام عالی مقام اور آپ کے ساتھیوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اور ان کو ویسے ہی رہنا دیا۔ پھر دوسرے دن قبیلہ بنو اسد کے لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۵/ ۱۲۴)

اس روایت سے جھوٹے ظہور احمد کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ عمرو بن سعد نے امام اور آپ کے ساتھیوں کی بھی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ ابن خلدون مزید فرماتے ہیں کہ امام حسین کا سر نیزہ پر رکھ کر کوفہ کی تمام گلیوں اور کوچوں میں تشہیر کرا کے اگلے دن مع ان کے ہمراہیوں کے سروں کے شام کی طرف روانہ کیا۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۷)

مشہور مورخ علامہ طبری جن کی کتاب کے متعلق کہا گیا ہے کہ ابن جریر کی تاریخ ''تاریخ طبری'' کو ایک ایسا بلند و مقام حاصل ہے جہاں اس کا کوئی مثل نہیں۔ یہی صاحب طبری لکھتے ہیں کہ ''امام عالی مقام محرم کی دسویں تاریخ کو قتل ہوئے اور سب سے پہلے جو سر نیزہ پر بلند کیا گیا وہ حسین کا سر تھا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۲۰)

صاحب طبری ہی لکھتے ہیں کہ سنان بن انس نخعی نے امام کو برچھی ماری تو آپ زمین پر آ گئے۔ تو اس نے خولی سے کہا کہ سر کاٹ لے۔ جب خولی سے یہ کام نہ ہو سکا تو خود آگے بڑھا اور آپکو ذبح کر کے آپکا سر کاٹ لیا۔ بعدہ آپ نے جو لباس زیب تن فرمایا تھا یزیدیوں نے وہ بھی لوٹ لیا۔ اور خیمہ امام میں گھس کر مقدس خواتین اہل بیت کیساتھ گستاخیاں کیں۔ اور تمام سامان و اسباب لوٹ لیا۔ جب ابن سعد کو معلوم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ تمام اسباب واپس کر دیے جائیں۔ لیکن کسی نے کوئی چیز بھی واپس نہ کی۔

چند سطروں بعد پھر فرماتے ہیں کہ ابن سعد نے اپنے ساتھ والوں میں یہ منادی کر دی کہ کون کون لوگ اپنے گھوڑوں سے حسین کو پامال کریں گے۔ یہ سن کر دس شخص

نکلے۔ ان میں اسحق بن حیوۃ حضرمی بھی تھا جس نے آپ کا قمیض اتار لیا تھا اور آخر کوڑھی ہوگیا تھا۔ اور ان لوگوں میں اجبش بن مرقد حضرمی بھی تھا۔ یہ دسوں سوار آئے اور اپنے گھوڑوں سے حسین کے جسم پاک کو پامال کیا اس طرح کہ ان کے سینہ و پشت کو چور چور کر دیا۔ بعدہ ابن سعد نے اپنے اصحاب کی نماز جنازہ پڑھی اور اصحاب حسین کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے دن بنی اسد کے لوگ آئے اور ان لوگوں نے اصحاب حسین کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کیا۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن سعد کوفہ روانہ ہونے سے پہلے بقیہ لاشوں سے سر کو جدا کیا اور شمر وغیرہ کیساتھ (۷۲) سر ابن زیاد کے پاس روانہ کئے۔ جب یہ تمام سر ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے سر امام کو چھڑی ماری۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۷۸ تا ۲۸۱ مطبوعہ ادارہ تبلیغ دین دیوبند)

مشہور مستند و معتمد مورخ کامل ابن اثیر فرماتے ہیں۔

ثم نادی عمرو بن سعد فی اصحابه من ینتدب الی الحسین فیوطئه فرسه فانتدب عشرة منهم اسحق بن حیوة الحضرمی وهو الذی سلب قمیص الحسین فبرص بعد فاتوا فد اسوا الحسین بخیولهم حتی اضوا ظهره وصدره (تاریخ کامل ج ۴ ص ۸۰)

ابن سعد کی آواز گونجتی ہے کہ حسین کو گھوڑوں سے روندنے کیلئے کون تیار ہوتا ہے تو یہ سن کر یزیدی فوج کے دس سورما سامنے آئے اور امام عالی مقام کی نعش مبارک کے پاس پہنچ کر امام حسین کی نعش کو روند ڈالا۔ اور ان کا سینہ و پشت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

مزید فرماتے ہیں کہ جب امام قتل کر دیئے تو آپکا سر اور آپکے اصحاب کے سروں کو ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ (تاریخ کامل ص ۸۰)

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ ولما وصل راس الحسین الی یزید حسنت حال ابن زیاد عنده وزاده و وصله وسره ما فعل ثم لم یلبث الا یسیرا حتی بلغه بغض الناس له ولعنهم وسبهم (کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۴۷) (ماثبت بالسنۃ

ص ۴۲)

جب حضرت امام عالی مقام کا سر یزید کے سامنے رکھا گیا تو وہ خوش ہوا اور ابن زیاد کا مرتبہ اور اسکی عزت یزید کے پاس بڑھ گئی۔ اور ابن زیاد نے جو کچھ بھی کیا اس سے یزید خوش ہوگیا۔ لیکن یہ خوشی بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ یہاں تک کہ لوگوں کا خوف و ڈر اور لعنت ملامت اس کو پہنچنے لگی۔

حافظ ابن کثیر محدث ابی الدنیا سے روایت کرتے ہیں کہ **لما وضع راس الحسین بین یدی یزید وعندہ ابو برزہ وجعل ینکیت بالقضیب فقال له ارفع قضیبک فلقد رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یلثمه** (البدیہ ج۸ص ۱۹۲)

جب حضرت حسین کا سر یزید کے سامنے رکھا گیا تو اس کے پاس ابو برزہ اسلمی (صحابی) بھی تھے۔ اور یزید نے چھڑی سے حضرت حسین کے منہ پر چھڑی مارنی شروع کی تو ابو برزہ نے فرمایا کہ اپنی چھڑی ہٹالو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

بتایئے ظہور احمد! تاریخ کہتی ہے کہ امام حسین کا سر یزید کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے آپکے ہونٹ کو چھڑی ماری۔ تو ایک صحابی کی گواہی کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے آپکے ہونٹ کو چھڑی ماری۔ تو ایک صحابی کی گواہی کے سامنے آپکا جھوٹ کیا چل سکتا ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

محترم قارئین! ہم آپ کے سامنے دیوبندی جماعت کے اہم علماء کے بیانات کو پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

مولوی قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنی تصنیف ''شہید کربلا'' اور یزید میں تحریر کرتے ہیں کہ

''بہر حال حضرت حسین کے سر کو طشت میں ابن زیاد کے سامنے لائے جانے اور ابن زیاد کے اس کی بے حرمتی کرنے اور اپنے اندرونی خبث کو نمایاں کرنے کی یہ تفصیلات جن کو محدثین کبار بخاری، بزاز طبرانی، ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے محدثانہ

طریق سے پیش کیا' تو کیا یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو تن سے جدا کئے جانے کے کھلے کھلے دلائل نہیں ہیں اور انکے مقابلے میں کیا چند تاریخی ٹکڑے اور وہ بھی مستشرقین یورپ کی اعانت سے اور ان سے اخذ کردہ اقتباسات کسی بھی وقعت و اہمیت کے مستحق ہیں؟ اب جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاک اور مقبول عنداللہ سر کو جسم سے جدا کئے جانے کا ثبوت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ سر یزید کے دربار میں بھی پہنچایا گیا ہو۔ آخر اس واقعہ کی روایت سے کیا وجہ انکار کی ہو سکتی ہے۔
(شہید کربلا اور یزید ص ۱۳۳)

فاضل ندوہ و مولف تاریخ اسلام مولانا معین الدین ندوی اپنی کتاب "سیر الصحابہ" میں لکھتے ہیں کہ جب امام زخموں سے بالکل نڈھال ہو گئے تو شقی ازلی سنان بن انس نے اس سر کو جو بوسہ گاہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تھا جسم اطہر سے جدا کر لیا۔ اور ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں خانوادہ نبوی کا آفتاب ہدایت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ امام ہمام کو شہید کرنے کے بعد سنگدل اور خونی شامیوں کا جذبہ عناد فرونہ ہوا' اور شہادت کے بعد وحشی شامیوں نے اس جسد اطہر کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسد مبارک کا ٹکڑا فرمایا تھا' گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ اس بہیمانہ شقاوت کے بعد لٹیرے پردہ نشینان عفاف کے خیموں کی طرف بڑھے اور اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا۔ اور شہداء کے سر یزید کے پاس بھیج دیئے گئے۔ (سیر الصحابہ ج ۶ ص ۱۷۲ تا ۱۷۴)

مورخ اسلام مولانا اکبر نجیب آبادی اپنی کتاب "تاریخ اسلام" میں لکھتے ہیں کہ شمر یا شمر کے حکم سے کسی دوسرے نے حضرت امام حسین کا سر جسم سے جدا کیا اور اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپکے جسم مبارک کو خوب کچلوایا۔ پھر خیموں کو لوٹا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اور آپکے اہل بیت کوفہ میں ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے۔ کوفہ میں انکو تشہیر کیا گیا۔ اسکے بعد امام کا سر ایک طشت میں رکھ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے سر کو دیکھ کر گستاخانہ کلمات کہے۔ (تاریخ اسلام قسط ۵ ص ۱۶۲)

جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں۔ حضرت امام حسین کا سر کاٹ کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا اور انکی لاش پر گھوڑے دوڑا کر اسے روندا گیا۔ ایک ورق کے بعد لکھتے ہیں کہ سر امام اور تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کوفہ روانہ کیئے گئے اور بر سر عام نمائش کی گئی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۶۶'۱۶۸)

محترم قارئین! ہم نے انتہائی مستند و معتمد کتابوں سے' جن کے حوالے ظہور احمد نے اپنی کتاب میں اکثر جگہ دیئے ہیں' یہ ثابت کر دیا کہ امام عالی مقام کو شہید کرنے کے بعد آپکا سر مبارک جدا کیا گیا اور پھر گلی گلی کوچہ کوچہ میں اسکی تشہیر کی گئی۔ اور ابن زیاد و یزید کے پاس بھیجے گئے۔ اللہ اللہ۔

مسلمانو! غور کرو جس پیغمبر اسلام نے اپنی امت کو دشمنوں کی نعش کے مثلہ کرنے سے روکا تھا اسکی نافرمان امت اسی کے نواسے کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کر رہی ہے اور اسکے سر کو جسم سے جدا کر کے جسم اقدس کو گھوڑوں کی ٹاپ سے روند رہی ہے جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ میدان کربلا میں یزیدیوں نے اپنے کردار سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے روپ میں ننگ اسلام ہیں۔

سوال نمبر ۷: کیا میدان کربلا میں پہلا حملہ خیمہ حسینی سے کیا گیا؟

جواب: نہیں بالکل نہیں۔ یہ سراسر جھوٹ' بہتان اور افترا بازی ہے کہ حضرت امام حسین یا آپکے کسی ساتھی نے یزیدیوں پر حملہ کرنے میں پہل کی ہو۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے بلکہ تاریخی کتابوں میں تو یہ ملتا ہے کہ جب نینوا کے مقام پر امام حسین کو بحکم ابن زیاد ایسے میدان میں اتارنے کا حکم دیا گیا جہاں پانی نہ ہو تو امام کے چند فدائیوں نے عرض کیا۔ اے ابن رسول اللہ! آگے جو لشکر آنے والے ہیں وہ ان سے بہت زائد ہیں ہمیں اذن دیجئے کہ ان سے لڑیں فرمایا۔ ما کنت لابداهم بالقتال میں ان سے قتال کی پہل کرنے والا نہیں ہوں۔ (رسالہ الحجۃ المؤتمنہ ص ۲۰۸)

اس کے باوجود ناصبی فرزند یزید ظہور احمد اورنگ آبادی اپنی رسوائے زمانہ کتاب میں لکھتا ہے کہ ابن سعد و حسین میں صلح ہوگئی۔ اور جو ہتھیار امام کے پاس تھے اسے

نمائندگان حکومت جمع کرنے آئے تو برادران مسلم جو پہلے ہی سے مشتعل تھے اس فوجی دستہ کے سپاہیوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ اور عمرو بن سعد نے کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا۔ ان کے فوجی مدافعانہ پہلو اختیار کئے ہوئے تھے۔ (آٹھ محرم کی ص ۱۴)

ناصبی ظہور احمد اورنگ آبادی مذکورہ بالا عبارت پیش کر کے اس بات کا تاثر دینے کی ناکام کوشش کر رہا ہے کہ اول حملہ یزیدیوں نے نہیں بلکہ امام حسین کے ساتھیوں نے کیا۔ لعنة الله علی الکذبین جبکہ حقیقت بالکل اسکے برعکس ہے۔ آیئے ہم آپکے سامنے ہماری اس بات کی تائید میں مستند و معتمد مورخین اور مصنفین کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون فرماتے ہیں۔

عمرو بن سعد آگے بڑھا۔ کمان سے تیر جوڑ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف مار کر بولا۔ لوگو! گواہ رہنا سب سے پہلے میں ہی نے تیر چلایا ہے۔ (تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۱۲)

مشہور و معروف مورخ ابوجعفر ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ عمرو بن سعد لڑنے کو نکلا۔ پکار کر کہا اے ذوید۔ نشان کو بڑھا۔ اسکے بعد ابن سعد نے کمان میں تیر جوڑا اور سر کیا۔ کہنے لگا۔ تم سب لوگ گواہ رہو سب سے پہلے میں نے ہی تیر مارا۔ (الحسین ص ۱۳۵)

صاحب طبری ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ جب حر حضرت امام عالی مقام اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی جگہ اترنے پر مجبور کر رہا تھا کہ جہاں پانی نہ تھا اور نہ بستی۔ تو اصحاب حسین نے کہا ہمیں نینوا یا غاضریہ میں اتر جانے دو۔ لیکن حر نے جب ایسا کرنے سے بھی انکار کر دیا تو اصحاب حسین نے بارگاہ حسینی میں حر اور ان کے ساتھیوں سے لڑنے کی درخواست پیش کی تو اس وقت بھی آپ نے یہی فرمایا'' میں جنگ میں ابتداء نہیں کروں گا۔ (الحسین ص ۱۱۶' طبری ج ۵ ص ۲۳۵)

مورخ اسلام مولانا اکبر نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ شمر ذی الجوشن نے عمرو بن سعد سے کہا' اب دیر کیوں کر رہے ہو؟ عمرو بن سعد نے فوراً ایک تیر کمان جوڑ کر حسین علیہ

السلام کے لشکر کی طرف پھینکا اور کہا کہ تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ (تاریخ اسلام قسط۵ ص۱۶۱)

فاضل ندوہ مولانا معین الدین ندوی تحریر کرتے ہیں کہ ابن سعد علم لیکر بڑھا اور پہلا تیر چلا کر اعلان جنگ کر دیا۔ (سیر الصحابہ ج۶ ص ۱۵۸)

محترم قارئین! یہ چند حوالے جسے ہم نے انتہائی مستند و معتمد و معتبران ہی مورخین و مصنفین کے حوالوں سے لکھا ہے جن پر ظہور احمد اورنگ آبادی کو پورا پورا اعتماد و بھروسہ ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ ظہور احمد نے عمرو بن سعد کی تعریف و توصیف میں اپنی کتاب کے صفحات سیاہ کر دیئے ہیں۔ اور تاریخ اسکے کیا کرتوت بتا رہی ہے۔ اور کربلا کی جنگ کا آغاز بھی عمرو بن سعد کر رہا ہے اور وہ بھی گواہ بنا کر۔ کیا ایسا شخص جو نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش کرے۔ اور امام عالی مقام کے جسم اقدس کو گھوڑوں کے ٹاپ سے روند ڈالے' وہ شخص اس قابل ہے کہ اسکی تعریف و توصیف کی جائے؟ یزید نوازی میں کیا تم کو اپنے ایمان کی بھی فکر نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کامل سمجھ اور اکمال محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال نمبر ۸: کیا یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور کیا وہ اس کام سے راضی نہیں تھا؟

جواب: یہ کہنا بالکل غلط اور جھوٹ ہے کہ یزید نے امام حسین کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ وہ اس سے راضی تھا۔ بلکہ سب کچھ اسکے حکم اور اسکی رضا سے ہوا۔ لیکن پھر بھی ظہور احمد اورنگ آبادی اور اسکا یزیدی بھائی نثار اورنگ آبادی اور دوسرے ناصبی اپنے لاڈلے یزید کی وکالت کرتے ہیں اور وہ لکھتا ہے کہ

جہاں تک حضرت حسین کے واقعہ کا تعلق ہے سو اس بارے میں کوئی صحیح ثبوت موجود نہیں ان کا قاتل ابن معاویہ ہی ہے اور نہ ہی یہ ثبوت ملتا ہے کہ یہ سانحہ انکے حکم پر پیش آیا اور نہ ہی اس پر ایمان کی رضا مندی کے دلائل ملتے ہیں۔

محترم حضرات! مذکورہ بالا عبارت سے عوام الناس کو یہ دھوکہ دینے کی ناپاک کوشش کی جا رہی ہے کہ یزید انتہائی شریف اور نیک طبیعت کا مالک تھا اور اس نے

امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا یا انکے شہید ہونے پر کبھی بھی خوش نہیں ہوا۔ اور یہ سب کچھ ابن زیاد کی جانب سے ہوا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ آیئے ہم چند معتبر و مستند مورخین و مصنفین کی کتابوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے یا اس کا حکم دینے میں یزید شامل تھا اور اس سے خوش بھی ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ "شرح عقائد" میں فرماتے ہیں۔ **والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشاره واهانة اهل بیت النبی علیه السلام مما تواتر معناه وان کان تفاصیله احادا** (شرح عقائد نسفی ص ۱۶۲)

اور حق یہ ہے کہ یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی اور خوش ہونا اور اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنا ان امور سے ہے جو تواتر معنوی کے ساتھ ثابت ہیں اگرچہ انکی تفاصیل احاد ہیں۔ حضرت علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یزید نے حضرت امام حسین کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ ہی وہ شہادت حسین پر رضا مند تھا حضرت حسین اور اہل بیت کی شہادت سے وہ کبھی خوش اور مسرور نہیں ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ بات مردود اور باطل ہے کیونکہ اس بدبخت کا اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھنا اور ان کے قتل سے خوش ہونا اور ان کی اہانت کرنا معنوی طور پر درجہ تواتر کو پہنچ چکا ہے اور اس کا انکار تکلف و مکابرہ یعنی خواہ مخواہ کا جھگڑا ہے۔ (تکمیل الایمان ص ۲۹۲)

تاریخ کامل میں ہے کہ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس نے بھی یزید کو قاتل حسین قرار دیا ہے۔ (تاریخ کامل ج ۸ ص ۱۲۸)

قارئین کرام! حضرت علامہ تفتازانی صاحب اور حضرت محدث دہلوی علیہما الرحمۃ جیسے محقق بزرگوں کے فیصلے کے بعد اگرچہ مزید کسی حوالے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن ہم خود یزید کے دست راست اور کربلا کی مہم کیلئے مقرر کردہ امیر کوفہ ابن زیاد بدنہاد کی گواہی پیش کرتے ہیں۔

یزید کی موت کے بعد ابن زیاد نے اپنے رفیق خاص کے ساتھ شام کا سفر کیا تو راستے میں اپنی سواری پر کسی گہری سوچ میں تھا کہ اسکے رفیق سفر مسافر ابن شریح نے

کہا۔ کیا آپ بہت گہری سوچ میں مبتلا ہو کر کوئی خاص بات سوچ رہے ہیں۔ کیا میں خود بتاؤں کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا بتاؤ۔ رفیق سفر نے کہا کنت یقول لیتنی کنت لم اقتل حسینا آپ اپنے دل میں کہہ رہے ہیں کہ اے کاش! میں نے امام حسین کو قتل نہ کیا ہوتا۔ ابن زیاد نے کہا۔ اما قتلی الحسین فانه اشار الی یزید بقتله او قتلی فاخترت قتله جہاں تک میرے امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا تعلق ہے تو وہ اس لئے تھا کہ یزید نے مجھے حکم دیا تھا میں ان کو قتل کروں ورنہ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ تو میں نے انکے قتل کو اختیار کیا۔ (ابن اثیر ج ۴ ص ۱۴۰)

اور سنئے امام عالی مقام کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں یزید کے خلاف بغاوت عام ہوگئی تو وبعث الی عبیداللّٰہ بن زیاد یامره بالمسیر الی المدینة و محاصرة ابن الزبیر بمکة فقال واللّٰہ لا جمعتهما للفاسق قتل ابن رسول اللّٰہ وغزالکعبة ثم ارسل الیه یعتذر (کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۱۱۱)

یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے اور مکہ مکرمہ میں عبداللہ ابن زبیر کا محاصرہ کرنے کا پیغام بھیجا تو اس نے کہا خدا کی قسم میں اس فاسق (یزید) کیلئے ابن رسول اللہ کا قتل (جو پہلے کر چکا ہوں) اور کعبہ میں لڑائی' دونوں کو اپنے لئے جمع نہیں کروں گا۔ تو اس نے معذرت کر دی۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں لما قتل ابن زیاد الحسین ومن معه بعث بروسهم الی یزید فسر بقتله اولا وحسنت بذلاک منزلته ابن زیاد عنده ثم لم یلبث الا قلیلا حتٰی ندہ. (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۲)

جب ابن زیاد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور انکے ساتھیوں کو شہید کر دیا اور انکے مقتول سروں کو یزید کے پاس بھیجا تو یزید امام کے قتل سے اولاً خوش ہوا اور اسکی وجہ سے ابن زیاد کی قدر و منزلت اسکے نزدیک زیادہ ہوگئی۔ مگر وہ اس خوشی پر زیادہ دیر قائم نہ رہا حتی کہ پھر نادم ہوا۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ جب حضرت حسین اپنے تمام ساتھیوں کیساتھ شہید ہو چکے تو ابن زیاد نے ان تمام شہداء کے سروں کو یزید کے پاس

دارالسلطنت میں بھیج دیا۔ یزید پہلے تو ان سرہائے بریدہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مگر جب عامۃ المسلمین اسکے فعل پر اس سے ناراض ہوئے اور ملامت کی تو اسکو بھی افسوس ہوا اور اسے اپنے فعل پر ندامت ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۰۵)

ان روایتوں سے بالکل صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یزید اولاً تو امام کے قتل سے خوش ہوا مگر جب بعد میں اپنی ذلت اور رسوائی کا اندیشہ ہوا تو نادم ہوگیا۔ اور یہ ندامت امام کے قتل پر نہ تھی بلکہ اپنی رسوائی پر تھی۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں۔ فابغضنی بقتله الی المسلمین وزدع لی فی قلوبھم العداوۃ فابغضنی البر والفاجر بما استعظم الناس من قتلی حسینا مالی ولا بن مرجانة.

(البدایۃ النہایۃ ج۸ص۲۳۲)

اس نے حسین کو قتل کر کے مجھے مسلمانوں کی نظر میں دشمن بنا دیا۔ اور انکے دلوں میں میرے خلاف نفرت و اشتعال کا بیج بو دیا۔ اب مجھے ہر نیک و بد اپنے تئیں مبغوض سمجھے گا کیونکہ عام لوگوں کی نظروں میں میرا حسین کو قتل کرنا بہت بڑی شقاوت ہے۔ صد حیف میرے اور ابن مرجانہ (ابن زیاد) کے حال پر۔

انصاف کیجئے۔ یزید کے اس صاف و صریح اعتراف کے بعد بھی اس کی بریت و صفائی میں کسی قسم کی گوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اسکے باوجود یہ کہنا کہ یزید قتل حسین سے راضی نہ تھا خود یزید کی منشاء کے خلاف ہے۔ نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ یزید کو قتل حسین پر غم تھا تو اس نے اپنے مقرر کردہ کمانڈر ابن زیاد کو معزول کیوں نہیں کیا؟ تو ماننا پڑے گا کہ یہ غم اور ابن زیاد پر لعنت صرف مصلحت وقت یا اندیشہ ملامت کی وجہ سے تھی۔ مگر قتل حسین پر رضا بہرحال قلبی تھی۔

سوال نمبر ۹: کیا یزید جنگ قسطنطنیہ کے اول حملے میں شریک تھا؟ اور کیا وہ جنتی ہے؟

جواب: یزید جنگ قسطنطنیہ کے اول حملے میں شریک نہیں تھا اور جب وہ اس میں شریک ہی نہیں تھا تو پھر جنتی ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن کچھ نام نہاد محققین ایسے بھی آپکو مل جائیں گے جو یزید کو اس غزوے میں شامل کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا

زور لگا رہے ہیں ان ہی میں سے ایک بدنہاد خائن ظہور احمد اورنگ آبادی ہے جو اپنے پیشوا کو غزوہ قسطنطنیہ میں شریک کروا کے اسے جنتی بنانے کی ناکام کوشش میں لگا ہوا ہے چنانچہ اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یزید کیلئے مغفرت کی بشارت دی ہے جس کا ذکر حدیث میں یوں آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی ان کیلئے مغفرت ہے۔ شارح بخاری علامہ قسطلانی نے مدینہ قیصر کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ مدینہ (قسطنطنیہ) پر سب سے پہلے اول جہاد یزید بن معاویہ نے کیا تھا اور انکے ساتھ ایک کثیر جماعت سادات کی شریک تھی۔

(صحیح بخاری ج ۱ حاشیہ ۴۱۰)

(آؤ محرم کی حقیقت تلاش کریں۔ ص ۵۵)

محترم قارئین! مذکورہ بالا عبارت جس میں بخاری شریف کا حوالہ دیا گیا ہے یہ ایک بہ بڑا فریب اور دھوکہ دہی ہے کہ جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اسکی مکمل عبارت کو پیش نہیں کیا گیا بلکہ ادھوری اور اپنے مطلب کی عبارت کو پیش کر کے عوام الناس کو اندھیرے میں رکھ کر ان کے ایمان اور عقیدے کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔

آیئے ہم بخاری شریف کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے۔ بخاری شریف کی اصل عبارت یہ ہے۔ اوّل جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم (بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کرے گا ان کیلئے مغفرت ہے۔

اسکا جواب علامہ الحاج مبین الدین صاحب امروہوی علیہ الرحمہ نے انتہائی محققانہ اور فیصلہ کن دیا ہے۔ ہم اسکی روشنی میں اس بحث کا جواب ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اس حدیث پاک میں بنیادی طور پر دو باتیں غور طلب ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ

حدیث میں قسطنطنیہ کا نام نہیں ہے۔ مدینہ قیصر ہے یعنی قیصر کا شہر۔ مدینہ قیصر کا ترجمہ یا مطلب کسی بھی لغت میں قسطنطنیہ نہیں۔ پھر محدثین نے اسے قسطنطنیہ کیسے مراد لیا یہ لاینحل معمہ ہے۔ قیصر کی سلطنت میں کوئی بھی شہر مدینہ قیصر ہوسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ کب ہوا؟ تو تاریخ وسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ قیصر کے شہر پر حملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا۔ اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ پھر حضرت خالد بن ولید کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں ہوا۔
(البدایۃ النہایۃ ج۷ ص۱۵۹)

اب آیئے ہم ظہور احمد کی اس ناتمام عبارت کی طرف آپکی توجہ مبذول کرائیں جسے اس نے یزید کی مغفرت کیلئے بطور دلیل پیش کیا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔

قد اجبوا ای فعلوا فعلاو وجبت لهم به الجنة قوله قیصرای ملک الروم قال القسطلانی کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة وجماعته من سادات الصحابة کابن عمرو ابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصازی توفی بها ابو ایوب سنة اثنین وخمسین من الهجرة انتهی. کذا قاله فی الخیر الباری وفی الفتح قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا بحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر وتعقبه ابن التین وابن المتیر بما حاصله انه کا یلزم من دخوله فی ذلک العموم ان لایخرج بدلیل خاص اذ لا یختلف اهل العلم ان قول صلی الله علیه وسلم مغفورلهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لو ارتد احد ممن غزاها بعد ذلک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد مشروط المغفرة فیه منهم (بخاری ج ۱ حاشیہ ص ۴۱۰)

مذکورہ بالا عبارت میں وتعقبه ابن التین وابن المنیر پر غور فرمایا جائے کہ جب مہلب نے اس سے یزید کی منقبت مراد لیا تو ان ہی حضرات نے اس کا تعاقب کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مشروط ہے کہ جو

لوگ غزوہ اول میں شریک ہوئے ہوں وہ مغفرت کے اہل بھی ہوں۔ اب اگر کوئی ان میں مرتد ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس بشارت سے خارج ہو جائے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یزید میں اسکی اہلیت نہیں تھی تو اسکے بارے میں ہم نے پہلے ہی بہت تفصیل سے بیان کردیا ہے۔ ہماری بات کو مزید قوی تر بنانے کیلئے ہم قسطلانی شارح بخاری کی عبارت پیش کر رہے ہیں اس سے بھی کافی روشنی مل جائے گی۔

واستدل به المهلب علی ثبوت خلافة یزید وانه من اهل الجنة لدخوله فی عموم قوله مغفورلهم واجیبت بان هذا جآء علی طریق الحمیة لبنی امیة ولا یلزم من دخوله فی ذلک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذلا خلاق لقوله علیه الصلوٰة والسلام مغفورلهم مشروط بکونه من اهل المغفرة حتی لوارتد واحد ممن غزاها بعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم اتفاقا قاله ابن المنیر

(ارشاد الساری شرح بخاری ج ۵ ص ۱۰۱)

اس حدیث سے مہلب نے یزید کی خلافت اور اسکے جنتی ہونے کا استدلال کیا ہے کہ وہ اس جملہ مغفورلہم کے عموم میں داخل ہے۔ اسکا جواب یہ دیا گیا یہ بات محض بنی امیہ کی حمایت میں کی گئی ہے۔ اور یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور خاص دلیل سے اس سے خارج بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں اختلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مغفورلہم اس شرط کیساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں۔ حتی کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے بعد ان میں سے مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔ قریب قریب ایسا ہی فتح الباری، عسقلانی وغیرہ میں بھی لکھا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ ثابت ہوگیا کہ یزید ہرگز ہرگز اس حدیث کا مصداق نہیں ہے۔ اور مہلب جیسے لوگ جنہوں نے یزید کی فضیلت یا خلافت وغیرہ کا اس سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی نگاہوں میں مشتبہ اور مخدوش ہیں کہ جس کو انہوں نے بنی امیہ کی حمایت بے جا پر محمول کیا ہے۔

اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ ذیل کی عبارت کو ملاحظہ فرمایئے۔ قلت الاظھران ھولاء السادات من الصحابة کانوا مع سفیان ھذا ولم یکونوا مع یزید بن معاویة لانه لم یکن اھلاان یکون ھولاء السادات فی خدمته.
(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۶۴۹)

حضرت علامہ بدرالدین عینی نے "عمدۃ القاری" میں صاف فرمایا ہے کہ "میں کہتا ہوں کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ اکابر صحابہ سفیان بن عوف کیساتھ تھے یزید کیساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اسکا اہل نہیں تھا کہ بڑے بڑے صحابہ اکابر اس کی خدمت میں (ماتحت کی حیثیت سے) رہیں۔"

مذکورہ بالا عبارت سے یہ ثابت ہوگیا کہ سادات صحابہ سفیان بن عوف کے غزوہ میں شریک ہوئے تھے نہ کہ یزید کی سرکردگی میں ان تمام شواہد کے ہونے کے بعد بھی اگر ظہور احمد یزید کی صفائی اور اس کو جنتی ثابت کرنے کی کوشش میں لگا رہے تو اسکی ضد اور ہٹ دھرمی ہوگی جس کا کوئی علاج نہیں۔

اب آیئے ہم آپ کو تاریخی کتابوں کو سیر کرواتے ہیں کہ مستند و معتبر محققین بھی اس بارے میں فرماتے ہیں کہ یزید اول لشکر میں ہرگز ہرگز شریک نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں وفی ھذہ السنة وقیل سنة خمسین سیر معاویة جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزاة وجعل علیھم سفیان بن عوف وامرابنه یزید بالغزاة معھم فتثاقل واعتل فامسک عنه ابوہ. فاصاب الناس فی غزاتھم جوع ومرض شدید فانشاء یزید یقول شعر

ما ان ابالی بما لاوقت جموعھم
بالفر قدونة من حمی ومن موم
اذا ارتکات علی الانماط مرتفقا
بدیر مران عندی ام کلثوم

ام کلثوم امراته وھی ابنة عبداللّٰہ بن عامر فبلغ معاویة شعرہ فاقسم علیه لیلحقن بسفیان فی ارض الروم لیصیبه ما اصاب الناس

(ابن اثیر ج ۳ ص ۴۵۸ مطبوعہ بیروت)

اور اسی سال ۴۹ھ میں اور کہا گیا ہے کہ ۵۰ھ میں حضرت معاویہ نے ایک لشکر جرار بلاد روم کی طرف بھیجا۔ اور اس پر حضرت سفیان بن عوف کو امیر بنایا۔ اور اپنے بیٹے یزید کو ان کے ساتھ شریک ہونے کا حکم دیا تو یزید بیٹھے رہا اور حیلے بہانے شروع کئے۔ تو امیر معاویہ اسکے بھیجنے سے رک گئے۔ اس جنگ میں لوگوں کو بھوک پیاس اور سخت بیماری پہنچی تو یزید نے (خوش ہوکر) یہ اشعار پڑھے

مجھے پروا نہیں کہ ان لشکروں پر بخار اور تنگی و تکلیف کی بلائیں مقام فرقدونہ میں آپڑیں۔ جبکہ میں دیر مران میں اونچی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے ام کلثوم کو اپنے پاس لئے بیٹھا ہوں۔ ام کلثوم بنت عبداللہ ابن عامر یزید کی بیوی تھی۔ یزید کے یہ اشعار امیر معاویہ تک پہنچے تو انہوں نے قسم کھائی کہ اب میں یزید کو بھی سفیان بن عوف کے پاس روم کی زمین میں ضرور بھیجوں گا تاکہ اسے بھی وہ مصیبتیں پہنچیں جو وہاں لشکر والوں کو پہنچی ہیں۔

مندرجہ بالا روایت سے چند امور ثابت ہوتے ہیں کہ بلاد روم کی طرف جہاد کرنیوالا پہلا لشکر جس کی قیادت حضرت سفیان بن عوف کو سونپی گئی تھی اس میں یزید ہرگز ہرگز شریک نہیں ہوا تھا۔ اور بشارت پہلے لشکر والوں کے لئے ہے۔ جب یزید اس میں شامل ہوا تو پھر بشارت اور جنتی ہونا کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔ نیز جب مجاہدین اسلام کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اپنی عیش پرستی میں مبتلا تھا۔ اسکو ذرا بھی احساس نہ ہوا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے تو یزید سزا کے طور پر بھیجا گیا۔ اور مجبوراً باول ناخواستہ قہر درویش برجان درویش کے طور پر قدم اٹھانا پڑا۔ غرضیکہ یزید اس میں شامل نہیں تھا۔

امام المورخین ابن خلدون نے بھی اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ بلاد روم میں پہلا لشکر حضرت سفیان بن عوف کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا۔ یزید نے انکار کیا تھا۔ عربی متن یہ ہے۔ بعث معاویة سنة خمسين جيشا كثيفا الى بلاد الروم مع سفيان بن عوف و ندب يزيد ابنه معشم فتثاقل فتر كه (ابن خلدون عربی ج ۳ ص ۴۳

محمد امین القادری الرضوی

خطیب و امام میٹھا بھائی مسجد مومنہ وارڈ گوپی پورہ سورت

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ / ۲۹ جون ۱۹۹۱ء سنیچر

ھوالمعین
شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین
مکتبہ نبویہ ○ لاہور